سہ ماہی

قندیل حق

لندن

سخنور نمبر

شمارہ:4

اکتوبر تا دسمبر 2018ء

QINDEEL-E- HAQ LONDON

alibhatti602@gmail.com (M) 00227921954

مدیر: اے آر خان۔لندن







فہرست مضامین

--*

اداریہ:

عاطف میاں کا استعفیٰ اور علمائے سُو



عاطف میاں ایک تعلیم یافتہ بلکہ مانا ہوا دنیا کا اکانومسٹ ہے جو کہ ۲۰۰۲ میں احمدی ہوا۔دنیا کے ۲۵ بڑے اکانومسٹس میں اس کا بڑا نام شامل ہے۔آئندہ پانچ سالوں میں اسے نوبل پرائز ملنے کا امکان ہے ۔اور وہ برسرروزگار ہے۔ پرنسٹن یونیورسٹی میں لیکچرار ہے۔اُس کی ضرورت عمران خان کو ہے ۔اگر علمائے سُو جو کہ سراسر جاہل ہیں ۔ ہر اچھے کام کی مخالفت کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے ۔اگر ہم ان جاہل علمائے سُو کا جائزہ لیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ساری اسلامی تاریخ میں ان علمائے سُو کا کردار اسقدر بھیانک رہا ہے کہ خدا کی پناہ ۔ان کے فتاویٰ وقت یزید سے شروع ہوتے ہیں جبکہ ان علمائے سُو نے حضرت امام حسینؑ پر کفر کا، بغاوت کا فتویٰ لگا کر ظلم عظیم کیا تھا۔چاروں فقہائے اسلام کو اپنے وقت میں ان علمائے سُو نے احکام وقت کے کہنے پر پابہ زنجیر کیا۔ ایک طویل تاریخ ہے ۔سلطنتِ عثمانیہ کے وقت پرنٹنگ پریس کو نہ قبول کر کے اُمت مسلمہ کو سب ترقیات سے پانچ سو سال دور رکھا۔سقوطِ بغداد ان علمائے سُو کے دم سے ہوا۔قیامِ پاکستان کے وقت انہی علمائے سُو کے اجداد نے گاندھی ،نہرو، اور انگریز کے کہنے پر اندھی مخالفت کی ۔ اسطرح آدھے مسلمان پاکستان آنے کا بروقت فیصلہ کرنے سے محروم رہے اور اب تک وہیں آباد ہیں۔

ابوالکلام آزاد، حسین احمد مدنی، مودودی ، بخاری ،احراری ، خاکسار ، باچا خان سب قائداعظم کو کافر اعظم کہتے تھے ۔ بلکہ انتخابات ۱۹۴۵ میں ان لوگوں نے ہندو کو ووٹ دیا تا کہ پاکستان نہ بن سکے۔قیام پاکستان کے بعد یہی مخالف علمائے سُو اسی پاکستان میں آدھمکے ۔الاٹمنٹ کے چکر میں ان غدارانِ وطن نے بڑی بڑی جائیدادیں بنائیں ۔قوم نے تو ان کو مسترد کر دیا تھا۔قائداعظم کی کابینہ میں نہ کوئی مولوی تھا اور نہ کوئی مذہبی اُمور کی وزارت ۔ پہلا وزیر قانون ہندو جوگندر ناتھ منڈل اور پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان احمدی ۔دراصل یہ ملک مسلمانوں اور سب اقوام کے لئے تھا۔ نا کہ دیوبندیوں ، بریلویوں کے لئے ۔وقت گزرنے ساتھ جب لوگ قیام پاکستان کی مخالفت بھول گئے ۔تو یہی ملک دُشمن جماعتیں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے لگیں۔ یہ بدنیت ،اور بدکار اپنی گندی ذہنیت کو برقرار رکھتے ہوئے زمین دوز ہوگئے تھے ۔اب مذہب کے نام پر، جہاد اور فساد کے نام پر حکومت میں اپنی جگہ

بنانے میں کامیاب ہوگئے۔نئی نسل تاریخ سے نابلد ان کو مذہبی لبادے میں قبول کر رہی ہے۔نسل بھی ایسی اور مولوی بھی ایسا۔نہ اسلامی عمل ہے،نہ اسلامی تربیت ہے۔ مقامی لوٹ کھسوٹ کا سبق ہے۔نہ حقوق العباد کا علم ہے نہ حقوق اللہ کا۔نہ انسانیت کا علم ہے نہ اُسوہ رسول ﷺ کا،ایک بے ہنگم ہجوم ہے۔جن کا صرف اسلام آباد سے تعلق ہے اسلام سے نہیں۔

جہاد افغانستان سے علمائے سُو کی دوکانداری خوب چمکی۔حکومت کو مجاہدین کی ضرورت تھی اور علمائے سُو کو عورت،شراب،ہیروئن اور روپے کی۔ان علمائے سُو کا دھندا خوب چمکا۔دس ہزار مدرسوں میں خودکُش بمبار تیار کرکے ان کی قیمت حکومت سے اچھی خاصی وصول کی جاتی رہی ہے۔معصوم مسلمانوں کے علاوہ،چرچ،مساجد، مندر،گردوارے ان علمائے سُو کے نشانے پر رہے۔اور کشمیر میں بھی دخل اندازی بھرپور رہی۔جب کسی کمینے کو دولت اور طاقت نصیب ہوجائے تو وہ ظالم اور غاصب کا رُوپ دھار لیا کرتا ہے۔ان لوگوں نے خوب اقلیتوں پر ظلم کیا اور ہزاروں احمدی، شیعہ،عیسائی،شہید کئے۔اور خوب روپیہ کمایا۔ان کے ساتھ مڈل مین بھی شامل ہوگئے۔یہ لوگ خودکُش بمبار کو جنت کا راستہ دکھانے اور خود کروڑوں روپے کمانے میں کامیاب ہوگئے۔ان کی ہر جگہ متشدد تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔غیر مسلموں سے قانون پر یہ عمل کروا رہے ہیں۔اور خود اپنی من مانی کرکے دولت اکٹھی کر رہے ہیں۔ عوام ان علمائے سُو سے اسقدر متنفر ہیں کہ کوئی بھی ملاں انتخاب میں اگر کھڑا ہوتا ہے تو ذلت کی شکست اسے ملتی ہے۔یہ علمائے سُو بچہ باز ہیں۔ہر تھانے کی ماہانہ ایف آئی آر زتم چیک کرو۔زیادہ تر زنا،لونڈے بازی،ریپ،اور لڑکی بھگانے کی ملیں گی۔احمدیت کی مخالفت ان کا کاروبار ہے۔اور ان کی پشت پر کئی طاقت ور لوگ ہیں اور حکومت بے بس ہے۔

عاطف میاں سے بھی ان کو کوئی دشمنی نہیں پہلے بھی احمدی ججز،جنرلز، بیوروکریٹ کام کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔علمائے سُو کو کوئی مسئلہ نہیں۔صرف ان کی روزی کا مسئلہ ہے۔علمائے سُو نے تو اپنی روزی کمانی ہے،چاہے جلوس نکالیں، مساجد جلائیں،دھرنا دیں،فتویٰ دیں۔ہر کام میں ٹانگ اڑا کر ان کو مال ملتا ہے اس کے علاوہ ان کا کوئی چارہ نہیں۔ختم نبوت کا کوئی مسئلہ نہیں۔احمدی ہم سب سے بہتر مسلمان ہیں،کلمہ گو ہیں نماز روزہ بھی کرتے ہیں زکوۃ بھی دیتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں اپنے مرزا صاحب کو ایک امام،مصلح،مانتے ہیں جبکہ سارے مسلمان ایک نبی عیسیٰ علیہ السلام کے منتظر ہیں جو کہ پکے نبی تھے۔کون منکر ہوا ختم نبوت کا۔

عاطف میاں کے علاوہ پاکستان کے سب مسلمان اور علماء غیر مسلموں سے بہت تعلقات رکھتے ہیں۔ان کے ساتھ ملکر شراب بھی پیتے ہیں ناچتے بھی ہیں اور شادیاں بھی کرتے ہیں۔مشیر بھی رکھتے ہیں لین دین بھی کرتے ہیں۔یہ صرف ڈرامہ تھا جو کیا گیا۔عاطف میاں سے سارا عالم اسلام مشورے لیتا ہے بلکہ ۲۰۱۶ میں سعودی عرب نے بھی ان سے مشورے لئے۔یہ علمائے سُو درسِ نظامی کی ڈگری بھی نہیں رکھتے۔بلکہ بعض نے تو صرف ناظرہ قرآن پڑھا ہوا ہے۔اور بعض معذور ذہن وجسم ہیں اس لئے ان کو امام مسجد رکھا ہوتا ہے ان کا علم سطحی سا ہوتا ہے۔دین کی ان کو کوئی سمجھ نہیں ہوتی۔اس لئے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔قرآن کا ترجمہ تک نہیں آتا صرف ناظرہ رٹا ہوتا ہے۔اکثر امام مساجد غریب اور کمین اقوام سے ہوتے ہیں جب ان کو وافر دولت ملتی ہے تو ہر جائز و ناجائز کام کرنے پہ راضی ہوجاتے ہیں۔دولت پرستی،شہوت پرستی،قبر پرستی،تعویز گنڈہ،ان کا پیشہ ہوتا ہے۔جوان عورتوں کے جن بھی نکالتے ہیں۔اور ان کی عزت بھی آسانی سے لوٹ لینے کا ہنر ان کو بخوبی آتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ سرکاری طور پر پکے مسلمان ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ باقی سب کافر۔ محلے میں،علاقے میں جو کوئی بھی علمائے سُو کی مخالفت کرے ان پر فتویٰ لگایا جاتا ہے۔یا اُسے قادیانی کہہ کر بدنام کردیا جاتا ہے۔نکاح پر نکاح اکثر پڑھا دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بہترین قسم کے بدکار علمائے سُو دستیاب ہیں۔لمبی داڑھی کے ساتھ ساتھ نام کے ساتھ علامہ کا لاحقہ اور قادری،رضوی،وغیرہ کا سابقہ ضرور ہوتا ہے۔ اگر کسی پر غصہ آجائے تو خدا کی پناہ۔اسقدر گندی گالیاں سننے کو ملیں گی کہ ابلیس بھی شرما جائے۔

یہ ہیں ہمارے علمائے سُو،جنہوں نے تربیت نہ کرکے سارے ملک کو جہنم بنا دیا ہے۔مساجد کے سپیکرز پر اسقدر چنگھاڑتے ہیں کہ نہ کسی طالب علم کو پڑھنے دیتے ہیں اور نہ نومولود بچوں اور مریضوں کو سونے دیتے ہیں۔سور کے علاوہ سود بھی کھا جاتے ہیں۔مولانا طاہر اشرفی جیسے شراب بھی خوب پیتے ہیں اور عبدالقوی جوان لڑکیوں سے رنگ رلیاں بھی منا لیتے ہیں۔مولانا حمداللہ جیسے کسی کی ماں بہن کی شلوار بھی اُتار سکتے ہیں۔یہ علمائے سُو کا کردار ہے۔میں نام نہیں لکھتا،ورنہ میڈم طاہرہ آف اسلام باد کے پاس ایک لمبی فہرست ہے۔یہ سب جنرل یحییٰ کے وارث ہیں۔اسی لئے ستر سال سے ترقی نہیں ہورہی۔یہاں اللہ اور اُس کے رسول کی کوئی حکمرانی نہیں ہر آدمی کرپٹ اور بددیانت ہے مگر ہے پکا سرکاری مسلمان۔بس غیر مسلم کافر ہیں۔ (رانا عبدالرزاق خان)

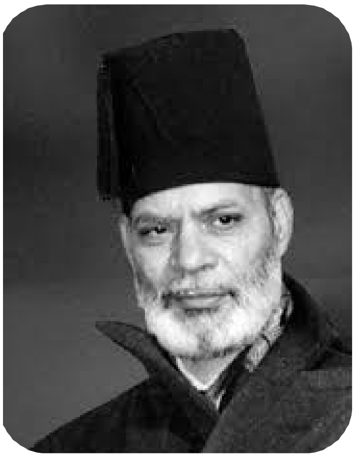
کتاب
''چند خوشگوار یادیں''
سے ماخوذ

ازطرف-عاصی صحرائی



حضرت چوہدری سر ظفراللہ خان صاحبؓ

حضرت مولانا بشیر احمد خان رفیق سابق امام مسجد فضل لندن یو کے



حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ 6 فروری 1893ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کے مرتبہ اور مقام کے انسان دنیا میں مدتوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور ایسے انسان اپنے پاک نمونہ سے ہزاروں دلوں کو منور کر جاتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ اس زمانہ میں اس لحاظ سے بھی منفرد اور یکتا انسان تھے کہ جہاں انہوں نے دنیا میں اپنی اعلیٰ کارکردگی، عظیم ذہانت اور قابلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نام پیدا کیا، وہاں رُوحانیت میں بھی نور کے منار ثابت ہوئے۔ وہ ایک درویش صفت، متقی اور خدا شناس انسان تھے۔ انہوں نے دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کبھی دنیوی عہدوں کی پرواہ نہ کی۔

میں نے ان کی وفات پر ان کی یاد میں ایک کتاب ''محمد ظفر اللہ خانؓ کی چند یادیں'' لکھی، جو خدا کے فضل سے بے حد مقبول ہوئی۔ ہاں میں مختصراً چند واقعات کا ذکر کروں گا، جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب میں 1959ء میں بطور نائب امام مسجد فضل لندن انگلستان پہنچا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ ان دنوں عالمی عدالت کے جج تھے۔ ان دنوں آپ جب لندن تشریف لاتے تو عام طور پر آپ کا قیام رائل کامن ویلتھ سوسائٹی میں ہوا کرتا تھا۔ مکرم مولوی عبدالرحمن صاحب ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ ایئر پورٹ یا ریلوے اسٹیشن سے ان کو اپنی قیام گاہ میں لایا کرتے تھے اور اکثر مجھے بھی ساتھ چلنے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کی ملاقات سے سرفراز ہونے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اسطرح حضرت چوہدری صاحبؓ سے تعارف اور محبت کے ابتدائی مراحل طے ہونے لگے اور آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی چل پڑا۔ اس کے بعد جب 1964ء میں خاکسار کو امام مسجد فضل لندن اور مشنری انچارج برطانیہ مقرر کیا گیا تھا تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے سلسلہ مودّت و اُخوت میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آپ کا لندن آنا جانا بھی بڑھ گیا اور پھر مجھے یہ اعزاز بھی ملنے لگا کی جب آپ لندن تشریف لاتے تو مشن ہاؤس میں میرے پاس ہی قیام فرماتے۔ خاکسار ہی انہیں ایئر پورٹ سے لے کر آتا اور واپس چھوڑنے بھی جاتا اور پھر بالا آخر جب آپ انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائرڈ ہو گئے تو لندن میں مشن ہاؤس کے اُوپر کی منزل میں ایک مختصر سے فلیٹ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ساتھ ہی میرا فلیٹ تھا۔ دونوں وقت کا کھانا ہم اکٹھے کھاتے۔ سفر اور حضر میں بھی ساتھ ساتھ رہے۔ شام کے کھانے پر اکثر میں ایسے احباب کو بھی مدعو کر لیا کرتا تھا جنہیں حضرت چوہدری صاحبؓ سے ملنے اور ان کی گفتگو سننے کا اشتیاق ہوتا تھا اور یوں یہ شام کی محفل جو کھانے کی میز پر منعقد ہوا کرتی تھی حضرت چوہدری صاحبؓ کی درسگاہ بن جایا کرتی تھی، جس میں آپ علم و عرفان کے خزانے لٹایا کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی انٹرنیشنل کورٹ سے ریٹائرمنٹ کا قصہ بھی بہت ایمان افروز ہے۔

1972ء میں حضرت چوہدری صاحبؓ کا نام بطور جج دوبارہ انتخاب کیلئے بھجوایا گیا۔ آپ کو یقین تھا کی آپ بغیر کسی وقت کے مزید نو سالو کیلئے منتخب ہو جائیں گے۔ آپ نے مجھے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ ججوں کی اکثریت نے آپکو ووٹ دینے کی حامی بھر لی ہے اور آپکا انتخاب یقینی ہے۔ انہی دنوں جب آپ کی انتخاب کی خوشخبری سننے کیلئے بے تاب تھے۔ اچانک ایک دن حضرت چوہدری صاحبؓ کا فون آیا اور فرمایا کہ میں لندن آرہا ہوں اس دفعہ سامان زیادہ ہوگا اس لئے مناسب ہوگا دو کاروں کا انتظام کر دیں۔ میں یہ سن کر حیران ہوا اور میں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ منتخب ہو گئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں لندن آ کر بتاؤں گا۔ میں بڑی بے تابی سے آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا۔ آپ تشریف لائے۔ شام کو کھانے کی میز پر بیٹھے تو میں نے پھر دریافت کیا کہ آپ منتخب ہو گئے ہیں اس پر آپ نے فرمایا: ''مجھے تمام جج صاحبان کی طرف سے یقین دہانی کرائی جا چکی تھی کہ انتخاب مین وہ ووٹ مجھے دیں گے اور یہ کہ میں یقیناً کامیاب ہو جاؤں گا اور مزید نو سال عالمی انٹرنیشنل کورٹ کے اس عہد صدارت پر

فائض ہو جاؤں گا۔ میں اس یقین پر قائم ہو کر آئندہ کی پلاننگ کر رہا تھا کہ میں نے ایک رات خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں نے کمال شفقت سے مجھے فرمایا۔ ظفر اللہ خان! اب دنیا کے جھمیلوں کو چھوڑ کر بقیہ زندگی خدمت دین کے لیے وقف کر دو۔ چنانچہ صبح اُٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اپنا نام واپس لے لیا اور فوراً اس لئے لندن چلا آیا کہ مبادا جج صاحبان کہیں مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے لئے مجبور نہ کریں'' محترم چوہدری صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ارشاد پر ایک اعلیٰ عہدہ پر لات ماردی اور اپنی بقیہ زندگی خدمت دین کیلئے کلیۃً قف کر دی۔ خدمت دین تو آپؓ پہلے بھی کرتے تھے لیکن اب آپؓ کے وقت کا ہر لحہ دینی کاموں میں صرف ہونے لگا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کو اپنے وطن سے بھی محبت تھی اور اس کیلئے وہ ہر قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ایک دفعہ کھانے کی میز پر انہوں نے تقسیم ہند کے وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ 1947ء میں جب تقسیم ملک کا باضابطہ اعلان ہوا تو میں اس وقت فیڈرل کورٹ انڈیا کا جج تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے پاکستان کی خدمت کرنی چاہئے اور فیڈرل کورٹ سے استعفیٰ دے دیا اور یہ ارادہ کیا کہ لاہور جا کر وکالت کے پیشے سے منسلک ہو کر ملک وقوم کی خدمت کروں گا۔ جب جناب پنڈت نہرو جی کو میرے استعفیٰ کا علم ہوا تو انہوں نے میرے ہندوستان میں رہ جانے کی صورت میں پرکشش عہدوں کی پیشکش کی لیکن میں آمادہ نہ ہوا اور پاکستان جانے کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ انہی دنوں نواب حمید اللہ خان صاحب والئی بھوپال اپنے کسی کام سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب انہیں میرے مستعفیٰ ہو جانے کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے کچھ عرصہ کیلئے بطور مشیر اپنے ساتھ بھوپال جانے کی دعوت دی۔ میں نے محض اس وجہ سے، کہ نواب صاحب کا ہمیشہ میرے ساتھ محبت اور خلوص کا روّیہ رہا تھا اور وہ میرے ساتھ بیحد شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، ان کی پیشکش کو قبول کر لیا اور بھوپال ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بھوپال پہنچنے پر ایک شام کھانے کی میز پر نواب صاحب نے فرمایا ظفر اللہ خان! آپ نے مجھ پر یہ بڑا احسان کیا ہے کہ میری مدد اور معاونت کیلئے بھوپال تشریف لائے، لیکن ہم نے اب تک آپ کے معاوضے کی کوئی بات نہیں کی۔ میں نے عرض کیا کہ میں ہرگز کسی بڑی تنخواہ یا مراعات کی لالچ میں آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ سے میرے دیرینہ قریبی تعلقات تھے، جو مجھے آپ کے پاس کھینچ لائے ہیں۔ میں نے تو تنخواہ یا کسی معاوضے کا تصور بھی نہیں کیا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے میری پیشکش کسی لالچ کیلئے قبول نہیں کی بلکہ مجھ پر احسان فرماتے ہوئے آپ میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ آپ نے حق دوستی ادا کر دیا جس کیلئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ لیکن میرا بھی اب فرض بنتا ہے کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی ماہوار تنخواہ چالیس ہزار روپے ہوگی۔ جس پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا۔ نیز میں نے آپ کی رہائش کے لئے اپنے محل کا ایک نہایت آرام دہ اور پرسکون حصہ مخصوص کر لیا ہے۔ آپ وہاں منتقل ہو جائیں۔ نیز دستور کے مطابق آپ، آپکی فیملی اور مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام شاہی محل کی طرف سے ہوگا اور اس کا آپ سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ سب کچھ بھوپال سرکار کی طرف سے ہوگا۔

اگلے دن شام کو نواب صاحب نے یاد فرمایا اور مجھے اپنے ساتھ ان کے خوبصورت اور عالیشان باغ میں چہل قدمی کی دعوت دی اور فرمایا:

''ہمارا یہ باغ آپ کیلئے اور آپکی فیملی کے استعمال کے لیے حاضر ہے اور جب چاہیں یہاں تشریف لا کر اپنی فیملی اور مہمانوں کے ساتھ وقت گزارا کریں۔ یہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔'' واپسی پر نواب صاحب مجھے ایک طرف لے گئے جہاں قطار میں نہایت خوبصورت چھ امریکن موٹریں کھڑی تھیں۔ نواب صاحب نے فرمایا؛ یہ آپ کے استعمال کیلئے ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے لئے تو ایک گاڑی ہی کافی ہے۔ میری مختصر سی فیملی ہے لہٰذا مجھے مزید کاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ نواب صاحب فرمانے لگے کہ ایک گاڑی سے جلد آپ کا دل اُکتا جائے گا اس لئے یہ سب گاڑیاں آپ کے استعمال میں رہیں گی اور ان کے پٹرول، مرمت اور صفائی وغیرہ کا سب خرچ سرکار کے ذمہ ہوگا۔ آپ کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا۔ غرض نواب صاحب نے کمال حسن سلوک اور شفقت ومحبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ آپ فرماتے تھے کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن جناب قائداعظم نے مجھے فون پر یاد فرمایا۔ میں ان دنوں کسی کام سے کراچی آیا تھا۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم فوراً بھوپال سے اپنا تعلق ختم کر کے کراچی چلے آؤ۔ پاکستان کو تمہاری ضرورت ہے میں پاکستان حاضر ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد مجھے پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا میری تنخواہ بھوپال میں چالیس ہزار تھی اور اب مجھے چار ہزار ملنے لگی۔ اس پر ٹیکس بھی دینا پڑتا تھا۔ بھوپال میں مجھے نواب صاحب کے محل کا ایک حصہ رہائش کے کیلئے دیا گیا تھا۔ یہاں کراچی میں شروع میں دو کمروں میں لمبے عرصہ تک قیام رہا۔ بھوپال میں چھ کاریں میری تحویل میں تھیں، یہاں ایک موٹر ملی لیکن میں نے ملک و قوم کی ضرورت کے مدنظر یہ سب کچھ برضا ورغبت برداشت کیا اور پاکستان کی

خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ایک اور واقعہ بھی مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک دفعہ سر خضر حیات صاحب ٹوانہ جو تقسیم ملک سے قبل متحدہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے، لندن تشریف لائے اور پکاڈلی کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کا قیام اسی ہوٹل میں ہوا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت چوہدری صاحب ؓ نے مجھے فرمایا کہ خضر حیات صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے ہیں اور میرا بیحد احترام کرتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میں ان کی ملاقات کے لیئے ان کے پاس جاؤں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم دونوں وقت مقررہ پر ہوٹل پہنچ گئے۔ سر خضر حیات صاحب کے پرائیوٹ سیکرٹری ہمارے استقبال کے لئے دروازے پر موجود تھے۔ وہ ہمیں بذریعہ لفٹ ہمیں اُوپر کی منزل پر لے گئے یہ ساری کی ساری منزل سر خضر حیات صاحب کے لئے بک کرائی گئی تھی۔ لفٹ پر بھی ان کے ملازم لفٹ کو اُوپر نیچے لے جانے پر مامور تھے۔ سر خضر حیات صاحب ایک وسیع ڈرائنگ روم میں تشریف فرما تھے۔ اردگرد ان کے خدام باادب ایستادہ تھے۔ ہم حاضر ہوئے تو خضر حیات صاحب نے بڑھ کر حضرت چوہدری صاحب کا استقبال کیا اور ان کے ساتھ نہایت تپاک سے پیش آئے اور بار بار فرمایا کہ انہیں چوہدری صاحب کی ملاقات سے بیحد خوشی ہو رہی ہے۔ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے میرا تعارف کروایا۔ تو سر خضر حیات صاحب نے مجھ سے معانقہ کیا اور میری آمد پر بھی بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اپنی نشستوں پر بیٹھ جانے کے بعد سر خضر حیات صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی لندن آتے ہیں تو ہوٹل کا یہ پورا ونگ ان کیلئے ریزرو ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے کچن کا سٹاف، نوکر چاکر وغیرہ بھی لاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سال میری بیوی بچے میرے ساتھ نہ آ سکے، تاہم یہ سارا ونگ میرے لئے ریزرو ہے۔ اور یہ کہ میں اردگرد ایسے لوگوں کو دیکھنا نہیں چاہتا جنہیں میں نہ جانتا ہوں۔ حضرت چوہدری صاحب نے فرمایا سر خضر حیات صاحب! جب آپ کے اہل وعیال آپ کے ساتھ نہیں آئے تو پھر اتنی بڑی جگہ ریزرو کرنے اور اس پر خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو رقم کا ضیاع ہے۔ اس پر سر خضر حیات صاحب نے کہا: چوہدری صاحب! میری ساری زندگی اسی طرح گذری ہے۔ ہمیں خدا نے بہت دولت دی ہے اور دولت تو ہوتی ہی انسان کے آرام کیلئے ہے۔'' اس کے بعد سر خضر حیات صاحب نے حضرت چوہدری صاحب ؓ سے دریافت کیا کہ آپ کی رہائش کہاں ہے اور آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت چوہدری صاحبؓ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لندن کے احمدیہ مشن ہاؤس میں ان کے ساتھ والے فلیٹ میں رہتا ہوں اور کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا ہوں

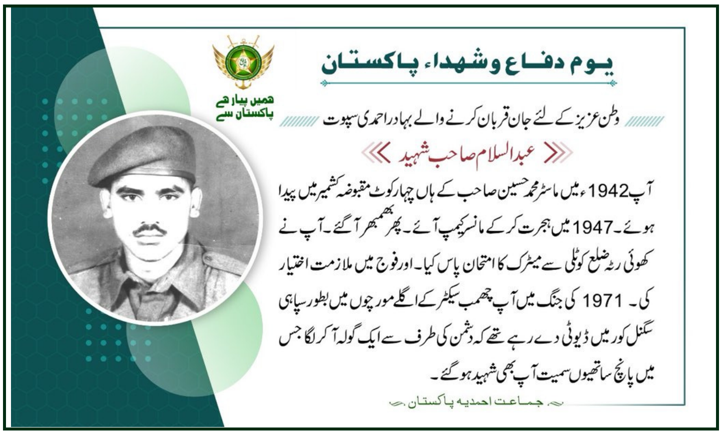
۔'' سر خضر حیات صاحب نے کہا: '' چوہدری صاحب! آپ کو بھی اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ آپ کو ایک بیڈروم کے فلیٹ میں رہتے ہوئے گھبراہٹ محسوس نہیں ہوتی؟ مجھے تو اس تصوّر سے بھی گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے کہ کوئی شخص ایک کمرہ کے مختصر سے فلیٹ میں محصور ہو کر رہ جائے۔ جب خدا نے اس قدر دولت عطا کی ہے تو پھر ایسی جگہ رہائش اختیار کیوں کی ہے۔ آپ کے لئے کسی چیز کی کمی نہیں۔ آپ بڑے سے بڑے مکان میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں پھر یوں فقیری اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت چوہدری صاحب ؓ نے جواب دیا: ''خضر! اس طرح فقیری میں زندگی گزار کر غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور ناداروں کی خدمت کرنے میں جو لطف، سکون واطمینان ہے، کاش وہ میں بیان کر سکنے کے قابل ہوتا! مجھے اللہ تعالیٰ نے باوجود فقیری اختیار کرنے کے انتہائی پرسکون اور خوشیوں سے معمور زندگی سے نوازا ہے۔ مجھے کبھی ایک لمحہ کے لئے دنیوی مال ومنال اور ظاہری شان وشوکت کی تمنا نہیں ہوئی۔'' پھر فرمایا: ''خضر! کاش تمہیں بھی فقیری کی یہ دولت نصیب ہو، تو پھر تم بھی سمجھ سکو گے کہ اس زندگی میں کتنا لطف و آرام ہے۔'' ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک دفعہ دسمبر میں آپ پاکستان جانے لگے تو مجھے ارشاد فرمایا کہ کسی سستی ایئر لائن کا ٹکٹ خرید لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کسی سستی ایئرلائن کے اکانومی کلاس میں سفر کر رہے ہیں؟ آپ کو تو کسی اچھی ایئرلائن کے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہیے۔ آپ کو ساری دنیا جانتی ہے۔ وہ کیا کہیں گے؟ آپ نے میری بات سن کر فرمایا: ''امام صاحب! میرے فرسٹ کلاس میں سفر نہ کرنے سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یوں بھی میں زیادہ آسائیشوں کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے اکانومی کلاس میں بھی پورا آرام مل جاتا ہے۔ جو رقم میں فرسٹ کلاس کی بجائے اکانومی کلاس میں سفر کرنے سے بچا لیتا ہوں وہ کئی نادر طلباء غربا اور بیوگان کے کام آ جاتی ہے۔ کیوں نہ میں اپنے آپ کو معمولی تکلیف میں ڈال کر مخلوق خدا پر خرچ کروں؟ جس سے مجھے دینوی تسکین بھی ملتی ہے۔ اور اللہ کی رضا کی بھی اُمید رہتی ہے کہ وہ میری اس خدمت کو بھی قبول فرمائے گا اور میرے گناہوں اور لغزشوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے میری بخشش فرمائے گا۔ اگر اس معمولی رقم کو مخلوق خدا پر خرچ کرنے سے مجھے میرے مولا کی رضا ملے تو یہ سودا بہت سودمند ہے۔'' میں نے اگلے دن ایک درمیانے درجے کی ایئرلائن کا اکانومی ٹکٹ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن اپنی بے وقوفی سے دوبارہ عرض کیا کہ آپ کو فرسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہئے تھا۔ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ اسی شام کو مجھے اچانک اس ایئرلائن کے جنرل مینجر کا فون آیا اور اس

نے دریافت کیا کہ تم نے جو ٹکٹ سر ظفر اللہ خان صاحب کیلئے خریدا ہے کیا یہ وہی ظفراللہ خان ہیں جو پاکستان کے وزیر خارجہ اور انٹرنیشنل کورٹ کے صدر تھے۔ میں نے کہاں ہاں یہ وہی ہیں۔ اس نے کہا اگر ممکن ہو تو وہ اگلے دن حضرت چوہدری صاحبؓ سے اور مجھ سے ملنا چاہیں گے۔ میں نے اگلے دن انہیں چائے پر بلا لیا۔ وہ تشریف لائے اور حضرت چوہدری صاحبؓ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کی ایئرلائن پر حضرت چوہدری صاحبؓ سفر کرنے والے ہیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کیا اور ان کو بتایا کہ سر ظفراللہ خان ان کی فلائیٹ سے کراچی جارہے ہیں۔ اس پر مجھے ہیڈ آفس سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ ظفراللہ خان کے ٹکٹ کو فرسٹ کلاس میں بدل دیا جائے اور انہیں V.I.P کی تمام سہولیات میسر کی جاہیں اور فلائیٹ کے دوران ان کی خدمت کے لیے ایئر ہوسٹس مخصوص کی جائے اور ان سے اکانومی اور فرسٹ کلاس کے درمیان کے کرایہ کا فرق ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ جب یہ صاحب چلے گئے تو حضرت چوہدری صاحبؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر نہایت جذباتی انداز میں فرمایا: امام صاحب! آپ بار بار مجھے فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کو کہہ رہے تھے اور میں اس بات پر مصر تھا کہ اکانومی سے سفر کروں گا اور رقم بچا کر غریبوں پر خرچ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اس بحث مباحثہ کو آسمان سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی محبت کا اظہار یوں کیا کہ اسنے ایئرلائن کے جنرل مینجر کو تحریک کی کہ ظفراللہ خان جو ہمارا ایک عاجز بندہ ہے اور ہمیں پیارا ہے، اسے فرسٹ کلاس میں سفر کراؤ۔ خواہ اس کے پاس اکانومی کا ٹکٹ ہی کیوں نہ ہو!' میں نے دیکھا کہ یہ بات کرتے ہوئے اُنکی آنکھیں نم تھیں اور وہ نہایت جذباتی ہو رہے تھے۔ ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے 7 فروری 1993ء کو محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم اور انکی اہلیہ محترمہ نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ان کے ساتھ چندروز کیلئے لیک ڈسٹرکٹ میں ان کے خوبصورت مکان میں رہیں۔ ان کے اس مکان سے ونڈرمیئر کی جھیل کا نظارہ نہایت دلکش ہے۔ 7 فروری 1993ء کا دن حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی 100ویں ولادت کا بھی دن تھا اور انہیں انگلستان کا علاقہ جو لیک ڈسٹرکٹ کہلاتا ہے، بہت پسند بھی تھا۔ ڈاکٹر سعید خان نے کہا اسطرح ان کی یاد بھی تازہ ہو جائے گی اور ہم دن بھر ان کی یادوں کے سفر میں ان کے ساتھ رہیں گے۔ لیک ڈسٹرکٹ کے خوبصورت اور دلکش مناظر پر مشتمل یہ علاقہ سے قریباً 250 میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس علاقہ میں سرسبز و شاداب وادیوں اور سر بفلک پہاڑوں کے علاوہ خوبصورت جھیلوں کی بھی کثرت ہے۔ اس لئے اسے ڈسٹرکٹ کہتے ہیں۔ انگلستان کے قدرتی مناظر کے عاشق مشہور شاعر ورڈز ورتھ نے اپنی بے شمار نظموں میں اس علاقے کی دلفریب و دلکش مناظر کا ذکر کیا ہے۔ ان کی بین الاقوامی شہرت یافتہ نظم "The Dance of the Daffodills" بھی اسی علاقے کے خوبصورت پھولوں بالخصوص Daffodills کی بہار سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ فروری سے لے اپریل تک یہ علاقہ Daffodills اور Tulips کے پھولوں سے لدا ایک نہایت ہی حسین سماں پیش کرتا ہے۔ رنگ و نور کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے۔ وادیوں کی وادیاں، جھیلوں کے کنارے اور دلکش سبزہ زاروں میں ان پھولوں سے جو بیشمار رنگوں کے ہوتے ہیں، ایک عجیب دلرُبا اور رومانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب بادِ نسیم چلنے لگتی ہے تو ان پھولوں کے پودے ہوا کے رُخ پر ہلتے ہوئے یوں لگتے ہیں گویا ناچ رہے ہوں۔ میں نے یہ مناظر کو بار ہا وہاں جا کر دیکھے ہیں اور ہر دفعہ یوں محسوس کیا ہے کہ قدرت کے ساز یعنی ہوا کی لہروں کے چلنے سے ایک خاص مدھر آواز کے ساتھ گویا یہ ہزاروں پھول رقص کناں ہیں۔ حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ پہلی مرتبہ اس علاقہ میں دسمبر 1911ء میں تشریف لائے تھے۔ ان دنوں آپ لندن میں طالب علم تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی نظر ہی میں مجھے اس علاقے سے عشق ہو گیا تھا۔ بعد کی زندگی میں جب بھی انہیں موقع ملتا تو چند دن کیلئے لیک ڈسٹرکٹ ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں کے حسین قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ 1969ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ یورپ کے دورہ پر تشریف لائے تو حضرت چوہدری صاحبؓ کے اصرار پر آپ مع قافلہ دو دن کیلئے لیک ڈسٹرکٹ میں قیام پذیر ہوئے۔ خاکسار اس سفر میں حضور کے قافلہ میں شامل تھا۔ حضور کو یہ علاقہ اتنا پسند آیا کہ بعد کے قریباً تمام دوروں میں آپ وقت نکال کر اس علاقہ میں آرام کرنے اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت چوہدری صاحب نے 1911ء میں جس ہوٹل میں قیام فرمایا تھا اس کا نام Longdale Chase Hotel ہے۔ یہ ہوٹل جھیل ونڈرمیئر کے کنارے پر واقع ہے۔ اور اس کی عمارات پرانے طرز پر لکڑی کی تعمیر شدہ ہے۔ یہاں سے جھیل کے مناظر دل کو موہ لینے والے ہیں۔ اسی ہوٹل میں 1973ء میں آپ کو ایک حادثہ بھی پیش آیا تھا۔ خاکسار اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس حادثے کا ذکر میں اپنی کتاب "چند خوشگوار یادیں" میں کر چکا ہوں۔ ہم سب نے یعنی محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب ان کی اہلیہ محترمہ اور خاکسار کی اہلیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ چوہدری صاحبؓ کی یاد تازہ کرنے کے لیئے ہم اس ہوٹل میں جا کر چائے نوش کریں گے اور ساتھ کے ساتھ حضرت چوہدری صاحبؓ کی یادوں سے

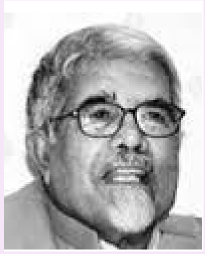
بھی لطف اندوز ہوں گے۔ پرانے زمانے میں دن ڈھلنے کی چائے انگریزوں کیلئے دن کا ایک ضروری حصہ ہوا کرتی تھی۔ اس چائے کا وقت غروب آفتاب سے دو اڑھائی گھنٹے قبل شروع ہوتا تھا اور انگلستان کے تمام بڑے اور چھوٹے ہوٹلز اور ریسٹورنٹس اس کا پرتکلف اہتمام کیا کرتے تھے۔ اسے Tea Afternoon کہا جاتا ہے۔ مچھلی، جام، ٹوسٹ ، Skones ، ملائی اور شہد بیحد پسند تھے اور وہ ہمیشہ باصرار اسی کا آرڈر دیا کرتے تھے۔ ہم نے بھی اس دن اسی کا آرڈر دیا۔ چائے سے فراغت کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو ہوٹل کے وہ حصے دکھائے جو حضرت چوہدری صاحبؓ کے استعمال میں بھی آتے رہے۔ مثلاً ہوٹل کے ڈرائنگ ہال میں ایک مخصوص حصہ ہے جہاں سے جھیل کا نہایت دلکش منظر نظر آتا ہے، آپ ہمیشہ ناشتہ کیلئے اسی حصہ میں ایک میز کو اپنے لئے ریزرو کیا کرتے تھے۔ لیک ڈسٹرکٹ میں انگلستان کے سب سے اُونچے مقام یعنی پہاڑ کی چوٹی پر ایک 500 سال پرانی سرائے ہے، جہاں مسافر کچھ دیر ستانے اور چائے کافی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ٹھہر جایا کرتے ہیں۔ یہ سطح سمندر سے 1500 فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور ایک درہ کے درمیان واقع ہے، جسے Kirkstone Pass کہتے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحبؓ جب بھی لیک ڈسٹرکٹ تشریف لے جاتے تو انکی خواہش ہوتی تھی کہ سرائے میں ٹھہر کر گرم دودھ میں، کوکو، تحلیل کر نوش فرماویں نیز Toasted Scones اور Clotted Cream کا بھی لطف اُٹھائیں۔ ہم نے بھی فیصلہ کیا کہ چائے نوشی کے بعد اس اُونچی سرائے میں بھی ایک کپ کافی پی کر حضرت چوہدری صاحبؓ کی یادوں کو تازہ کریں گے اور ان کیلئے دعا کریں گے۔ ہم وہاں پہنچ تو گئے لیکن سردی، بادل اور دُھند نے اس علاقے کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور نظر صرف چند فٹ تک ہی کام کر رہی تھی۔ ہم سرائے میں داخل ہوئے (یہ بہت ہی پرانے طرز کی مختصر سی عمارت ہے) اندر انگیٹھی جل رہی تھی جس سے اندر کا ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔ سرائے میں داخل ہوتے وقت یوں لگتا ہے گویا آپ پتھر کے زمانے میں نکل آئے ہیں ہم نے گرم کافی اور Scones کا آرڈر دیا اور گرم انگیٹھی کے گرد بیٹھ گئے، جس میں کوئلہ جل رہا تھا۔ حضرت چوہدری صاحبؓ کی باتیں چل پڑیں تو محترمہ سلمٰی مبارکہ خان صاحبہ نے ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ وہ فرمانے لگیں کہ ایک مرتبہ حضرت چوہدری صاحبؓ بریڈفورڈ تشریف لے گئے۔ خاکسار (بشیر احمد رفیق) بھی ان کے ساتھ تھا۔ دوپہر اور شام کو وہ دعوتوں پر مدعو تھے۔ شام کے کھانے کے بعد حضرت چوہدری صاحبؓ نے یہ دریافت فرمایا کہ اس دن کی سویٹ ڈش کیا ہے؟ آپ کے مہمان نواز نے عرض کیا کہ فریش کریم اور سٹرابری ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب مسکرائے لیکن خاموش رہے۔ آپ نے اسٹابری اور کریم بہت رغبت سے کھائے۔ جب بعد میں باِصرار اُن سے پوچھا گیا کہ انہیں اس دن سٹرابری اور کریم ملنے سے اتنی خوشی کیوں ہوئی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص سلوک ہے کہ جب انہیں کسی چیز کے کھانے کی شدید خواہش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے سامان مہیا فرما دیتا ہے۔ اس دن بھی انہیں صبح سے سٹرابری اور کریم کھانے کی خواہش تھی لیکن انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خود از راہِ شفقت ان کی خواہش پوری کر دی۔

***









چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی کی نظر میں



(مرسلہ۔ رانا عبدالرزاق خاں)

برصغیر کی تحریک آزادی میں مسلمانانِ ہند نے بھی پورے جوش وخروش اور ولولہ سے حصہ لیا۔ کچھ سیاسی میدان میں آزادی کے لئے کوشاں رہے اور کچھ انتظامی دائرہ عمل میں سعی کرتے رہے۔ مسلمانوں کے جن زعماء نے اپنے اثر ورسوخ اور تدبر کو اپنی قوم کی بہبودی کے لئے وقف کئے رکھا ان میں سر سلطان محمد خان، آغا خان سوم کا نام نامی سرفہرست ہے۔ مسلم لیگ کے قیام اور اس کے استحکام میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ پنجاب کے جن بڑے لوگوں نے اس میدان میں سرگرمی دکھائی ان میں سر محمد شفیع اور سر محمد اقبال کے نام نمایاں ہیں۔ مگر جب ڈایارکی یعنی عملی نظام نافذ ہوا تو سر محمد شفیع کی جگہ سر فضل حسین نے لے لی کیوں کہ سیاسی جوڑ توڑ میں ان کا کم ازکم پنجاب میں کوئی حریف نہ تھا۔ اور پنجاب ہی ایسا صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر اس اکثریت کو مؤثر بنانے اور فعال کرنے کے لئے جس تدبر اور سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی وہ سر فضل حسین کے سوا کسی اور میں نہ تھی۔ دوعملی کے نظام کو کامیابی سے دوچار کرنے اور صوبہ پنجاب کو ایک پس ماندہ صوبہ سے دوسرے ترقی یافتہ صوبوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرنے میں اس پارٹی کا بڑا حصہ تھا جسے یونینسٹ پارٹی کہا جاتا تھا اور جس کے قائد سر فضل حسین تھے۔ اس پارٹی کی بنیاد فرقہ وارانہ اکثریت وغیر اکثریت پر نہ تھی اس کی بنیاد دیہی کاشتکار طبقہ کی بہبود پر رکھی گئی اور اس میں مسلمان غیر مسلمان برابر کے شریک تھے، ہندو جاٹ ہوں یا مسلمان کاشتکار، سر چھوٹو رام ہوں یا سر شہاب الدین اس پارٹی کے پرچم تلے یکجا اور متحد تھے اور پنجاب کی حد تک یہ انتظام بہت مناسب وموزوں تھا۔ دوعملی کا نظام قائم ہوتے ہی جو اسمبلیاں قائم ہوئیں ان میں کچھ لوگ منتخب تھے کچھ نامزد۔ منتخب ہونے والوں میں پنجاب میں سیالکوٹ ایک نوعمر بیرسٹر منتخب ہو کر ۱۹۲۲ء میں UNO اسمبلی میں پہنچا۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ اس انتخاب میں اس کی جتنی بھی تائید ہوگی وہ اس کے والد صاحب کے اثر رُسوخ کی وجہ سے ہوگی اور شاید ایسا ہی ہوا ہو کیوں کہ اس بیرسٹر کے والد اپنے علاقہ کے مانے ہوئے وکیل تھے اور لوگوں میں ان کی دیانت داری اور دینداری کا بہت شہرہ تھا۔ یہ بیرسٹر اسمبلی میں پہنچا تو اس کو



اس کے مرشد کی جانب سے یونینسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی چنانچہ یہ یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا اس کی سیٹ اپنے وقت کے دو نامور لوگوں کے درمیان تھی ایک جانب سر محمد اقبال کی سیٹ تھی اور دوسری جانب بہاولپور کے سابق وزیر اعظم مولوی سر رحیم بخش تھے۔ دونوں برطانوی حکومت کے خطاب یافتہ اور معزز لوگ تھے ان کے درمیان ایک نوآموز کو جگہ ملی۔ اللہ کی قدرت کہ وہ نوخیز، نوآموز دستور ساز ذہین وفطین اور تیز رو نکلا کہ دیکھتے دیکھتے آسمانِ وطن کا ستارہ بن کر چمکنے لگا۔ یونینسٹ پارٹی میں سر فضل حسین جیسے تجربہ کار رہنما کی قیادت میں اس نے سیاستِ وطن کے اسرار ورموز سیکھے۔ اپنی قانونی قابلیت کا لوہا وہ ہائی کورٹ میں پہلے ہی منوا چکا تھا اب اس کی آئینی قابلیتوں کا چرچا ہونے لگا۔ ۱۹۳۰ء میں جب مستقبل کے آئین پر غور وخوض کرنے کیلئے پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو اس کے مندوبین میں یہ نوجوان بھی شامل تھا۔ خود اس کا کہنا ہے کہ ان بڑے بڑے مدّبرین کے مابین اس کی حیثیت ایک ''کودک نادان'' کی تھی مگر وہ طفل مکتب دوسری اور تیسری کانفرنس میں بھی نامزد ہوا اور اپنی فراست کے ڈنکے پٹوا دیئے۔ ان کانفرنسوں میں سر آغا خان مسلمان وفد کے قائد سمجھے جاتے تھے۔ پہلی اور دوسری کانفرس میں (مستقبل کے قائداعظم) مسٹر جناح بھی شریک تھے دوسری میں گاندھی بھی شامل تھے۔ تیسری میں کانفرنس کے وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا مسلمانوں کی نمائندگی کا سارا بار اس کے کاندھوں پر آن پڑا ہے۔ جناب مسرت حسین زبیری آئی سی ایس کے بڑے نامور آدمی تھے۔ پاکستان میں بھی مقتدر عہدوں پر فائز رہے۔ انہوں نے اپنی خود نوشت انگریزی میں لکھی ہے اور اس کا نام رکھا ہے تاریخ کا سفر (A Voyage through history) وہ اپنی ٹریننگ کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھے ان دنوں الیکشن ہوئے آپ کو سر سیموئیل ہور کے الیکشن کے علاقے کا معائنہ کا موقع ملا سر سیموئیل سے ان کی ملاقات بھی ہوئی۔ انہوں نے زبیری صاحب سے پوچھا کہ آپ کو ''آئی سی ایس میں کون سا صوبہ ملا ہے'' انہوں نے کہا پنجاب، سر سیموئیل کہنے لگے ''آپ خوش قسمت ہیں۔'' میں نے کہا ''اس میں خوش قسمتی کی کون سی

بات ؟'' کہنے لگے ''تم اس لئے خوش قسمت ہو کہ سر ظفر اللہ کا تعلق اس صوبے سے ہے اور تم اس صوبہ میں جا رہے ہو۔'' پھر کہنے لگے ''تم جانتے ہو سر ظفر اللہ گول میز کانفرنس کے تعلق میں یہاں آئے تھے اور ہماری اس وقت سے خط و کتابت ہے میرا ردّ عمل زیادہ ''شریفانہ'' نہیں تھا۔ میں نے کہا '' مگر کانفرنس میں تو ان سے زیادہ مشہور و معروف لوگ بھی تھے مثلاً سر تیج بہادر سپرو، مسٹر جناح، سر سرینواس شاستری، انہوں نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔'' یوں تو سر آغا خان بھی تھے مگر کسی نے اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جتنا سر ظفر اللہ چھوڑ کر گئے ہیں'' میں اس سے زیادہ ہضم نہیں کر سکا اس لئے میں نے موضوع بدل دیا۔'' (۱) سر سیموئیل ہور کا خیال تھا مگر خود اس نوآموز کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا'' جہاں پختہ کار صاحبِ تجربہ اصحاب مفید اور کارآمد تجاویز پیش کر سکتے تھے اور قیمتی مشورے دے سکتے تھے وہاں ایک کودکِ ناداں کے لئے نئے نئے تجربات حاصل کرنے اپنی حدِ نگاہ کو وُسعت دینے اور اہل دانش کے فہم و ادراک سے فائدہ اُٹھانے کے بہت سے مواقع تھے۔'' یہ کانفرنسیں ہندوستان کے آئینی مستقبل کے لئے بلائی گئی تھیں اور ان آئینی اصلاحات پر ملک کی آئندہ ترقی اور آزادی کا دارومدار تھا۔ دوسری گول میز کانفرنس میں اس نوعمر آئین ساز کی شہرت اتنی ہوگئی کہ سر فضل حسین کے چھٹی پر جانے پر اسے وائسرائے کی کونسل میں ان کا عارضی جانشین بنایا گیا یہ گویا اس شخص کے عروج کی ابتداء تھی مگر نہیں میں نے شائد درست نہیں کہا اس کے عروج کی بنیاد تو اس روز رکھ دی گئی تھی جب اس نوجوان کو جماعت احمدیہ نے نومبر ۱۹۱۷ء میں اس وقت کے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو اور وائسرئے لارڈ چیمسفورڈ کے رُوبرو جماعت کا مؤقف پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ آئینی میدان میں یہ اس کی پہلی پہلی ذمہ داری تھی اس کے بعد وہ اصلاحات نافذ ہوئیں جنہیں مانٹگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جس کے نتیجہ میں ڈایارکی یعنی دوعملی کا نظام قائم ہوا۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ سر فضل حسین کے سبک دوش ہونے پر وائسرائے کی کونسل میں اس کا تقرر ہوا۔ وہ اس وقت کونسل کا سب سے کم عمر رُکن تھا اور پانچ سال کی ایک ٹرم ختم ہونے کے بعد دوسری بار اس کا تقرر ہوا۔ یہ برطانوی ہندوستان کی آئینی تاریخ کا انوکھا واقعہ تھا کہ کسی شخص کو دوسری بار وائسرائے کی کونسل کا رُکن مقرر کیا گیا ہو۔ دوسری میعاد ختم ہونے میں ابھی چار سال باقی تھے کہ یہ چیف جسٹس کے اصرار پر وائسرائے کے علی الرغم خود اپنی مرضی سے فیڈرل کورٹ میں چلے گئے۔ وائسرائے نے کہا بھی کہ تمہاری میعاد کا ابھی معتدبہ عرصہ باقی ہے جو اصلاحات نافذ ہو رہی ہیں ان میں تم بہتر مستقبل کی توقع رکھ سکتے ہو تم کیوں عدالت کی چار دیواری میں بند ہونا چاہتے ہو؟ مگر اللہ کے اس بندے نے جو گہرے مذہبی رُجحانات و خیالات رکھتا تھا نے اپنے مبشر خوابوں کی آواز پر کان دھرا اور عملی سیاسی منصب سے ہٹ کر عدالت میں منصفی کے منصب پر فائز ہو گیا۔ حالانکہ اس سے قبل وائسرائے لارڈ ولنگڈن اس سے کہہ چکے تھے کہ کیا تم پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس بننا پسند کرو گے؟ اس نے انہیں صاف جواب دے دیا تھا کہ ایسا کرنا اس اعلیٰ منصب کے وقار کے منافی ہے حالانکہ حقیقت صرف یہ تھی کہ وہ پنجاب کے گورنر سر ہربرٹ ایمرسن سے ملنا نہیں چاہتا تھا جو اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی وجہ سے جماعت احمدیہ کے خلاف تھا۔ پھر پریوی کونسل والے اسے پریوی کونسل میں لینا چاہتے تھے (جو سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا اور مقتدر انصاف کا ادارہ تھا۔) اس نے کہہ دیا کہ نہیں میں لندن اس لئے نہیں آنا چاہتا کہ جنگ کے حالات میں میں اپنے وطن کی بہتر خدمت کرنے کے مواقع سے محروم جاؤں گا اور میں اس کے لئے آمادہ نہیں۔ پنڈت نہرو نے عبوری حکومت کے زمانہ میں ۱۹۴۶ء میں اسے عالمی عدالت انصاف کے لئے نامزد کیا مگر وہ منتخب نہ ہو سکا۔ اس میں بھی خدا کی حکمت تھی ورنہ وہ پاکستان بننے کے بعد کی شاندار خدمات سے محروم رہ جاتا۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جب ایک بار عالمی عدالت انصاف سے فارغ ہونے کے بعد دوسری بار عالمی عدالت انصاف میں اس کے چناؤ کا سوال اُٹھا تو اپنے وطن ہی کے ایک مندوب نے اس کی مخالفت کی۔ گول میز کانفرنسوں کے دوران اس کی کارکردگی سے متاثر ہو کر برطانوی حکومت نے اسے نائٹ ہڈ دینا چاہی اسے اس نے خود کہہ کر رُکوا دیا۔ وائسرائے کی کونسل میں آنے کے بعد اسے اس اعزاز کا ملنا لازم تھا ورنہ شاید یہ اس وقت بھی اس اعزاز سے انکار کر دیتا۔ یہ نہیں کہ وہ ہاں میں ہاں ملانے والا شخص تھا، نہیں جہاں اسے اختلاف کی بات کہنا ہوتی برملا کہتا تھا وائسرائے کی کاؤنسل میں بھی۔ عدالت میں تو وہ '' اختلاف کرنے والا جج'' سمجھا جاتا تھا حالانکہ فیڈرل کورٹ مرکزی برطانوی حکومت کے زیر انتظام تھی۔ لیگ آف نیشنز کے ۱۹۳۹ء کے اجلاس میں وہ برطانوی ہند کا نمائندہ تھا اس نے روس کی جارحیت کے خلاف برملا اپنے خیالات کا اظہار کیا حالانکہ برطانوی نمائندے لارڈ بٹلر ایسا کرنے میں جھجک محسوس کر رہے تھے۔ گول میز کانفرنسوں میں بھی اس کی برملا گوئی کا چرچا تھا اس نے برملا گوئی کا مظاہرہ کیا تو ایک سینئر مندوب مسٹر چنتامنی نے اسے چٹ لکھ کر بھیجی کہ'' in this gathering of reactionaries it is so refreshing to hear someone speak out with courage."(3) اور پہلی گول میز کانفرنس کا واقعہ ہے کہ جب ابھی یہ

''کودکِ ناداں'' لیتا تھا مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانانِ ہند کی شاندار خدمات سرانجام دینے والے اس شخص کی سیاسی یادداشتیں اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے اپنوں نے نہیں غیروں نے محفوظ کرلیا تھا۔ وہ شخص جس نے کبھی خود کسی منصب کی خواہش نہیں کی مگر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک سے بڑھکر ایک منصب عطا کیا اور دنیا اب بھی اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ تحریکِ آزادیء ہند میں اس کی خدمات کے باب میں میری مرتب کردہ کتاب ایک سویڈش سفیر کی نگاہ سے گذری تو اس نے اس شخص کا مختصر سی وی دیکھ کر حیرت سے کہا کہ دنیا میں کیسے کیسے نابغہ موجود ہیں جو انسانی عمر کے محدود عرصہ میں کتنے مناصب حاصل کرسکتے ہیں وہ مختصر سا سوانحی خاکہ یوں بنتا ہے۔ (۶ فروری ۱۸۹۳ کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کنگز کالج لندن میں تعلیم حاصل کی لنکنز ان سے بیرسٹر ہوئے۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۳۵ء تک پنجاب ہائی کورٹ میں فوجداری کے چوٹی کے وکیل شمار ہوئے، ہائی کورٹ کی جج اور چیف جسٹس مقرر ہونے سے بوجوہ انکار کیا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک پنجاب کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن رہے۔ ۱۹۳۰ء، ۳۱ء، اور ۳۲ء میں ہونے والی گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی، ۱۹۳۲ء میں پارلیمنٹ کی سیلیکٹ کمیٹی کے رُکن مقرر ہوئے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۲ء تک وائسرائے کی ایگزیکٹو کاؤنسل کے رُکن رہے۔ ۱۹۳۹ء میں لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس میں برطانوی ہند کی نمائندگی کی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج رہے۔ ۱۹۴۲ء میں فیڈرل کورٹ کا جج ہونے کے علاوہ چین میں انڈیا کے پہلے ایجنٹ جنرل رہے۔ جون ۱۹۴۷ء میں آزادیء ہند کے اعلان کے ساتھ ہی فیڈرل کورٹ آف انڈیا سے مستعفی ہوگئے۔ جون سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک ہز ہائی نس بھوپال کے آئینی مشیر رہے۔ ستمبر سے نومبر ۱۹۴۷ء تک اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے وفد کی سربراہی کی۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بانیء پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اصرار پر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور امور کامن ویلتھ مقرر ہوئے۔

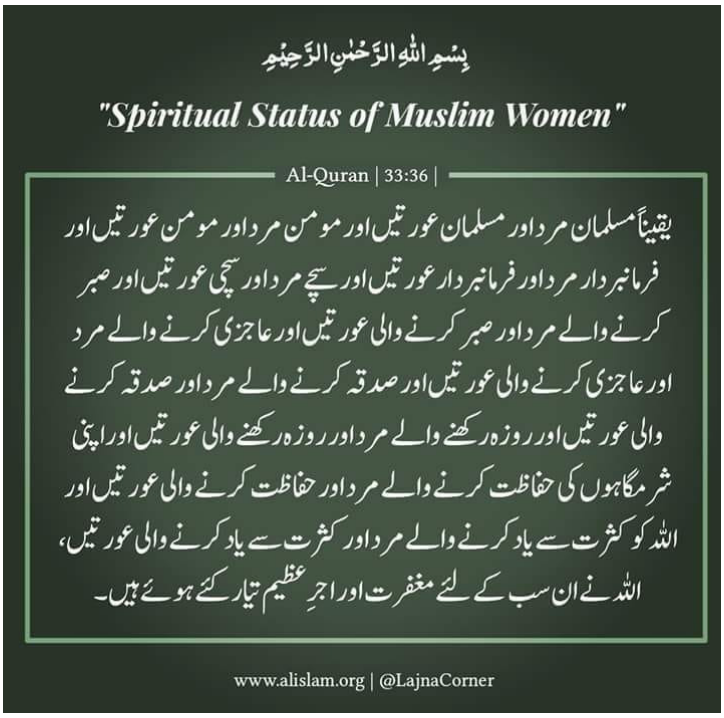
۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک اقوامِ متحدہ کی سلامتی کاؤنسل میں انڈیا اور پاکستان کے مابین تنازعات پیش کرنے کے لئے پاکستان کے وفد کے سربراہ رہے۔ ۱۹۵۱ء میں جاپان کے معاہدہ، امن کے لئے ہونے والی سان فرانسسکو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۵۴ء میں منیلا میں سیٹو کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء تک اور پھر ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۳ء تک بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج رہے۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک اسی عدالت کے نائب صدر اور پھر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء تک عالمی عدالت انصاف کے صدر رہے اور اپنی والدہ مرحومہ کے اس خواب کو اپنی آنکھوں میں پورا ہوتے دیکھا جس میں کہا گیا تھا۔ ''ہوگا چیف جسٹس ظفراللہ خاں، نصراللہ خاں کا بیٹا۔''

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء تک اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب مقرر ہوئے اور اس دوران ۱۹۶۲ء۔ ۱۹۶۳ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کے صدر منتخب ہوئے۔ شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک کی جدوجہد آزادی میں جو نمایاں خدمات آپ نے انجام دیں اسکے نتیجہ میں ۱۹۶۴ء میں مراکش نے انہیں اپنا سب سے بڑا سول اعزاز عطا کیا۔ اسی سال اُردن نے بھی اپنا اعلیٰ ترین اعزاز انہیں پیش کیا۔ آپ لنکنز ان اور ایل ای ایس کے اعزازی فیلو تھے۔ کیمرج جیونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنا وقت اسلام کے بارہ میں لٹریچر لکھنے میں صرف کیا۔ ان کا قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔'' سر محمد ظفراللہ خاں کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور دنیا والے بہت کچھ لکھیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب تک ان کی خدمات کا وہ اعتراف نہیں کیا گیا جو ان کا حق تھا۔ اس کی بڑی وجہ تو ان کے عقائد تھے جن سے عام مسلمانوں کو اختلاف تھا۔ تحریک آزادی میں ان کے کردار کے بارہ میں میری پہلی کتاب شائع ہوئی تو بعض دوستوں نے کہا کہ تم نے چوہدری صاحب کی احمدیت سے وابستگی کا ذکر کرکے اس کے کینوس کو احمدیوں تک محدود کردیا ہے۔ حالانکہ میرے سامنے سر ظفراللہ خان کی وہ گفتگو ہے جو وزیر ہند اور ان کے مابین ہوئی۔ جب وزیر ہند نے انہیں وائسرائے کی کاؤنسل پر مقرر کرنا چاہا تو سر ظفراللہ نے منجملہ دیگر باتوں کے یہ بھی کہا کہ ''میرا تعلق سلسلہ احمدیہ کے ساتھ ہے جس کے بعض عقائد سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے جب ۱۹۳۴ء میں میں نے سر فضل حسین کی جگہ کام کیا تھا تو اس وقت بھی اس بنا پر مسلمانوں کے ایک طبقے کی طرف سے میرے تقرر پر اعتراض کیا گیا تھا...''

(۴)۔ پھر وزیر ہند نے انڈیا کمیٹی کے نام اپنے نوٹ مؤرخہ ۱۵ فروری ۱۹۴۵ء میں سر ظفراللہ کا لکھا ہوا نوٹ سرکولیٹ کرتے ہوئے لکھا کہ ''وہ بڑے ذہین وفہیم آدمی ہیں، پنجابی ہیں اور متوازن مسلمان نکتہ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کا تعلق ایک ایسے فرقہ سے ہے جس سے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اختلاف ہے۔'' (۵) یعنی سر ظفراللہ خان نے کبھی کسی جگہ کسی حال میں اپنی احمدیت کو نہیں چھپایا تو ان کے مرنے کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان کی زندگی

کے اس پہلو کو جوان کے نزدیک خوش قسمتی اور دوسروں کے نزدیک ''بدقسمتی'' تھا نظرانداز کردے۔اب کے بھی میں ان کی احمدیت کا ذکر برملا کر رہا ہوں۔ ایں گناہیست کہ درشہرِ شما نیز کنم۔اس کتاب میں بھی سرظفراللہ خاں نے جماعت احمدیہ کے ساتھ اپنی وابستگی کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے اس لئے میرے نزدیک ان کی احمدیت کو کسی صورت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''تحدیث نعمت'' کا یہ اسلوب ہے۔''سرونٹ آف گاڈ'' کا بھی یہی لب لباب ہے۔ اوران یادداشتوں میں جو آپ نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی ہیں نہ صرف اپنی احمدیت کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ اپنی اور اپنے والدین کی احمدیت کے ساتھ وابستگی کا بڑے فخر سے اعلان کیا ہے۔ **وذالك الفضل الله يوتيه من يشاء**...

مشہور تاریخ دان کے۔کے۔عزیز نے اپنی کتاب ''چند عظیم آدمیوں کی یادیں'' میں سرظفراللہ کے بارہ میں کیا حقیقت افروز بات لکھی ہے کہ سرظفراللہ کو'' مبدو فیض سے وہ ذہانت ودیعت ہوئی تھی جو مکرو ریا کی بناوٹوں' قانونی چالبازیوں، سیاسی دوغلے پن اور سفارتی حیلہ جوئیوں کے سامنے اُساری ہوئی دیواروں کو چیر کر حقیقت تک پہنچ جاتی تھی۔ان کا ذہن شیشہ کی طرح صاف تھا اور ان کی سوچ کی صداقت اس میں منعکس ہوتی تھی اُن کی بے پناہ محنت کے آگے پیچیدہ مسائل یا وقت کی کمی کے عذر محض ہیچ تھے۔عدالت ہو یا دستور ساز اسمبلی یا کوئی اور عالمی ادارہ وہ اپنے مؤقف کے حق میں اپنے دلائل کو قدم بہ قدم آگے بڑھاتے ، ایک کے بعد دوسری دلیل پیش کرتے اور اپنے مؤقف کو مضبوط تر کرتے چلے جاتے تھے ۔وہ ایک چابک دست معمار کی طرح دلائل کی اینٹ پر اینٹ جماتے ہوئے ایک خوب صورت اور کلاسیکی عمارت کھڑی کر دیتے تھے۔وہ اپنے دلائل واستدلال کی عمارت یوں اُستوار کرتے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔زبان وبیان کی روانی ان کے استدلال میں قوت پیدا کرتی تھی اپنے مؤقف کی سچائی کا یقین ان کے لفظوں کو مجبور کر دیتا تھا کہ وہ ان کے سامنے سپاہیوں کی طرح صف بستہ رہیں ' تقریر کرتے ہوئے ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور ان کے اشارات سے ہمیشہ بامعنی ہوتے تھے۔یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے مؤقف کو مہین لباس پہنا کر سامنے لے آئیں۔ان کی باتوں کی سچائی واضح اور غیر مبہم ہوتی تھی اور استدلال کے شاندار لباس میں ملبوس ہوتی تھی۔ان کی وفاداری خستہ اور کمزور نہیں تھی۔نہ ہی ان میں سرد مہری کا تکبر یا غرور تھا کہ اپنے اوپر والوں کو باتوں میں لگائے رکھیں یا بحث مباحثوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے رہیں۔ان کی تربیت مختلف ماحول میں ہوئی تھی وہ حقائق کی منطق کو بحث واختلاف کی منطق کے ساتھ آمیز کرنا جانتے تھے اور مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے میں یقین رکھتے تھے۔وہ زندگی بھر شہرت اور آسودگی کی چکاچوند میں رہے مگر ان کی چال میں نرمی' تواضع اور انکساری نمایاں رہی' کامیابیوں کامرانیوں کی خوشبو انہیں کم دماغ نہ بنا سکی' دنیاوی مراتب کی شان وشوکت اور آن بان سے ان کے ذاتی وقار پر کوئی حرف نہ آیا نہ ان کی وضع میں کوئی خلل آیا اور نہ ہی ان کی انسانیت مسموم ہوئی۔ظفراللہ خاں نے ساری عمر محنت اور یکسوئی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے ملک کی خدمت اور ملک بنانے والی تحریک کی خدمت کی ہم پاکستانی مسلمانوں نے انہیں اپنے مذہب سے تو نکال باہر کیا مگر ہمیں انہیں اپنے ذہنوں سے محو نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ جو قومیں اپنے عظیم آدمیوں کو فراموش کر دیتی ہیں ان میں رفتہ رفتہ عظیم آدمی پیدا ہونا ہی بند ہو جاتے ہیں۔''(٦) میں احمدیت کے اس بطل جلیل کی چوتھی خودنوشت قارئین کے سامنے پیش کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔الحمدللہ کہ اس کام کی توفیق بھی ایک احمدی کے حصہ میں آئی کہ وہ اس خودنوشت کو اتمام اکمال دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے ورنہ مؤرخین میں سے ایک کا تو یہ حال ہے کہ ان صاحب نے کولمبیا یونیورسٹی کو لکھوائی گئی اس خودنوشت کو اپنے لئے ہوئے انٹرویوز کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس میں سے احمدیت سے سرظفراللہ کی وابستگی کا ذکر غائب کر دیا ۔بھلا سورج کی روشنی بھی دیکھنے والی آنکھوں سے اوجھل رکھی جاسکتی ہے؟۔پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی، پروفیسر سابق صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ ،سابق وزیٹنگ پروفیسر اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز اوساکا جاپان، سابق پروفیسر ریسرچ ایسوسی ایٹ اپسالا یونیورسٹی اپسالا سویڈن، یکم جون ۲۰۰۳ء ***



علامہ اقبال، ابوالحسن ندوی، غلام احمد پرویز
ملک جعفر اور مودودی صاحب کا ایک دلچسپ مکالمہ



اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے 1935 میں ختم نبوت کے حوالے سے تحریر کرتے ہوئے فرمایا:۔''اور اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعویٰ کا حق نہیں پہنچتا کہ اسکے علم کا تعلق کسی ما فوق الفطرت سر چشمہ سے ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم ہے''۔

(ماہنامہ مہارت، لاہور 13 فروری 1992ء)

آپ کے فوت ہونے کے بعد سب سے پہلے جناب مولوی ابوالحسن ندوی صاحب سامنے آئے اور فرمایا کہ علامہ صاحب کے نزدیک ختم نبوت کا مطلب تھا کہ اب آپ آسمانوں کی طرف نہیں صرف اور صرف زمین اور زمین والوں کی طرف دیکھیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ تھے''عقیدہ ختم نبوت دراصل نوع انسانی کے لیے ایک شرف امتیاز ہے وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے......اب انسان کو کسی نئی وحی کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں اب آسمان کی طرف دیکھنے کی بجائے......زمین کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتا تو انسان ہمیشہ تذبذب اور غیر اعتمادی میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کی بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن ہوگا۔''(قادیانیت صفحہ 182-185)

پاکستان بن جانے کے بعد جناب غلام احمد پرویز مدیر طلوع اسلام، ''ترجمان اقبال'' کے طور پر سامنے آئے۔ آپ نے علامہ اقبال کی ختم نبوت کی تشریح کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا''جن بزرگان سلف نے الہام وکشوف کا دعویٰ کیا وہ عملاً منکر ختم نبوت تھے''۔ بلکہ مزید فرمایا کہ علامہ صاحب کا اس سے مطلب تھا کہ اب کوئی خواب، کوئی کشف، کوئی کرامت، کوئی ولی اللہ، کوئی مجدد، کوئی محدث ماننا سب ختم نبوت کے خلاف ہے۔

کسی عیسیٰ کسی مہدی کا عقیدہ سب خلاف اسلام بلکہ یہ سب روایات یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھ کر گھڑ لی گئیں تھیں۔ ختم نبوت کے بعد ایسے کسی شعبدے بازی کی اجازت نہیں چنانچہ آپ نے فرمایا''ساٹھ ستر برس سے میرزائیوں کے ساتھ مناظرے اور مباحثے ہو رہے ہیں لیکن یہ مسئلہ گرداب میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح اپنے مقام سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا۔

اگر اس مسئلہ پر خالص قرآن کی روشنی میں بحث کی جاتی تو سارا قصہ چند منٹ میں طے ہو جاتا لیکن ہمارے ملاں قرآن خالص کو اس لئے نہیں سامنے لاتے کہ اس کی رو سے اگر مرزائیت ختم ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ملائیت بھی ختم ہو جاتی ہے'' ''یہودیوں نے کہا کہ ایک مسیحا آئے گا جو ان کی تمام مصیبتوں کو حل کردے گا۔ عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر موجود ہیں وہ آخری زمانے میں آئیں گے......ہندو آخری زمانے میں کلکی اوتار کے منتظر ہیں۔ بدھ مت کے پیرو میتا بدھ کے منتظر۔ مجوسی بھی عیسائیوں کی طرح اپنے نبی متھرا کو زندہ آسمان پر تصور کرتے ہیں اور آخری زمانے میں اس کی آمد کے منتظر ہیں'' آپ مزید فرماتے ہیں کہ ان مذاہب کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی ایک عقیدہ گھڑ لیا'' ہم نے دوسرے مذاہب کی طرح اپنے ہاں بھی آنے والے کا عقیدہ وضع کر لیا۔ ہر صدی کے آخر ایک مجدد آخری زمانہ میں امام مہدی اور ان کے ساتھ آسمان سے نازل ہونے والے حضرت عیسیٰؑ۔

(ختم نبوت صفحہ 15 و طلوع اسلام اگست 1973ء صفحہ 48)

بلکہ علامہ اقبال کی ختم نبوت کی تشریح کو مزید واضح کرتے فرمایا''جب اسلام دین کی سطح سے گر کر مذہب کی سطح پر آ گیا تو ہم میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ مامورمن اللہ وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔ ان میں سے مجددین کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا گیا کہ وہ ہر سو سال بعد آیا کریں گے۔ ان کے علاوہ قیامت کے قریب امام مہدی تشریف لائیں گے اور آسمان سے حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے دین میں ان عقائد کی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں آنے والوں کا کوئی ذکر نہیں، مامورین من اللہ کا عقیدہ بھی ختم نبوت کے منافی اور دین کی نقیض ہے''۔

(رسالہ طلوع اسلام لاہور اپریل 1966ء صفحہ 66)

پرویز صاحب کے بعد پیپلز پارٹی کے وفاقی وزیر اور ہمارے حامد میر صاحب کے ممدوح جناب ملک جعفر صاحب میدان میں اترتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ غلام احمد پرویز صاحب واقعتاً ترجمان اقبال تھے اور اقبال کا

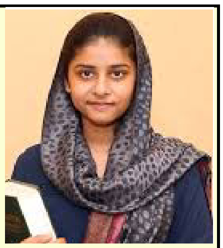
مطالعہ ان کا خاص موضوع تھا۔ آپ کا فرمان ہے ”ہمارے علم میں پاکستان کے اہل علم حلقوں میں محترم غلام احمد صاحب پرویز تنہا وہ شخص ہیں جنہوں نے بظاہر علامہ اقبال کے نظریے (ختم نبوت) کا تتبع کیا ہے......اقبال کا مطالعہ پرویز کا خاص موضوع رہا ہے“۔ (تحریک احمدیہ، صفحہ 358) لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے افسوس کے ساتھ لکھا کہ پرویز صاحب بھی علامہ اقبال کی ختم نبوت کی تشریح کو صحیح نہیں سمجھے۔ آپ کا فرمانا ہے ”ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ترجمان اقبال (پرویز صاحب) نے اس معاملہ میں اقبال کے فکر کی پوری ترجمانی نہیں کی۔“ (تحریک احمدیہ، صفحہ 363) گویا جعفر صاحب کے نزدیک جعفر صاحب کے علاوہ ایک بھی صاحب علم ایسا نہیں جو اقبال کے تصور ختم نبوت کا صحیح طور پر قائل ہے۔ اقبال کے تصور ختم نبوت کی ترجمانی کرتے ہوئے ان دو عظیم ترجمانوں میں بھی کیا فرق ہے؟ اختصار کے ساتھ درج ہے جعفر صاحب اپنی کتاب تحریک احمدیہ میں لکھتے ہیں: ”(اقبال کی ترجمانی کرتے ہوئے۔ ناقل) پرویز صاحب کے نزدیک ختم نبوت کے بعد ہماری احتیاج فقط یہ ہے کہ شاہراہ زندگی میں جہاں جہاں دوراہے آئیں وہاں وہاں نشان راہ (Sign Post) نصب ہوں جن پر واضح اور بیّن الفاظ میں لکھا ہو کہ یہ راستہ کدھر جاتا ہے اور دوسرا راستہ کس طرف۔ اب صورت یہ ہے کہ زندگی کے ہر لمحے ہم ایک دوراہے سے دوچار ہیں sign post یعنی نشان راہ سے پرویز صاحب کی مراد ”قرآنی آیات“ ہیں لیکن کیا ان نشان راہ (Sign Post) پر کوئی واضح اشارہ موجود ہوتا ہے؟ اس پر ہم متفق ہیں کہ قرآنی آیات میں جو ہدایات درج ہیں وہ واضح اور بیّن ہیں۔ خود قرآن کا یہی دعویٰ ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بیشتر آیات کے جو معانی پرویز صاحب کرتے ہیں وہ آج تک کسی نے نہیں کئے اور قرآن کی ظاہری عبارت، سیاق وسباق اور تاریخی پس منظر کے سراسر خلاف ہیں اس صورت میں اگر پرویز صاحب کے معانی درست ہیں تو قرآنی آیات ایک ایسا Sign Post ہیں جن کی عبارت سمجھنے کے لیے ہر وقت ایک مذہبی راہنما کی ضرورت رہے گی بلکہ اس صورت میں بہتر یہی ہوگا کہ یہ راہنمائی ایک نبی کے ذریعہ کی جائے تا کہ اگر قرآن کے معنی ہماری عقل کے مطابق نہیں تو کم از کم یہ تو تسلی ہو کہ ان معانی کی تائید وحی سے کی گئی ہے“۔ ہمارے نزدیک درست صورت یہ ہے کہ ختم نبوت کی تکمیل پر انسانی مکمل طور پر آزاد ہے۔ جس طرح راستے پر چلنا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح Sign Post مقرر کرنا بھی اس کا اپنا کام ہے جو خیال اس صورت حال کے خلاف ہے وہ لازماً اس حد تک (اقبال ناقل) نظریہ ختم نبوت کے خلاف ہے“ (احمدیہ تحریک صفحہ 377)

جناب مودودی صاحب نے فوری طور پر ان کی ختم نبوت کے اس استدلال پر پکڑ کی اور لکھا کہ ملک جعفر صاحب کی ختم نبوت کا مفہوم ”قادیانیت کے ساتھ ساتھ“ اسلام کی بھی جڑ کاٹ دیتا ہے......مودودی صاحب ”ہمارے نزدیک ختم نبوت کے لیے یہ استدلال اپنے مقدمات کے لحاظ سے بھی غلط ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی۔ انسانی ذہن کا ارتقاء جس پر اس پورے استدلال کی بناء رکھی گئی ہے صرف عالم زمانی، مادی وطبعی کی معلومات تک محدود ہے۔ رہا دینی و اخلاقی شعور، تو اس معاملہ میں ذہن انسانی کا ارتقاء کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں ہے۔ آغاز انسانیت سے لے کر آج تک پاکیزہ ترین تصور ایمان و اخلاق رکھنے والے انسان اور بدترین عقائد و اخلاق رکھنے والے انسان ہر دور اور ہر زمانے میں پہلو بہ پہلو پائے گئے ہیں نوع انسانی نے تاریخ وزمانی تدریج کے لحاظ سے اخلاق و ایمان میں ترقی کے کوئی مدارج طے نہیں کئے...... اس لیے ختم نبوت کے حق میں یہ دلیل سرے سے غلط ہے اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ قادیانیت کے ساتھ ساتھ اسلام کی بھی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ پہلے انبیاء کی ضرورت اس لیے تھی کہ انسان بچہ تھا اور اب ان کی ضرورت اس لیے نہیں کہ اب انسان سن شعور کو پہنچ چکا ہے تو اس سے صاف طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ اب انسان کو سرے سے ہدایت بذریعہ نبوت کی حاجت ہی نہیں رہی یہ ایک ایسا تیر ہے جس نے بیک وقت احمدیت اور اسلام دونوں کو مجروح کر دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان جوان ہو جانے کی وجہ سے آئندہ ”نئے سہاروں“ سے مستغنی ہو گیا ہے تو پھر آخر اس بلوغ ذہنی کے بعد ”پرانے سہاروں“ کی بھی کیا ضرورت ہے“؟

(ترجمان القرآن لاہور اکتوبر 1952ء صفحہ 141)

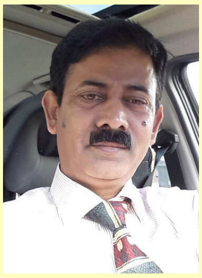


میں سر ظفر اللہ خان صاحب کی طرح بننا چاہتا ہوں



پاکستان کے ربوہ شہر کے احمدی باشندے ستارہ بروج اکبر کے چھوٹے بھائی قمر منیر اکبر عمر 8 سال نے حال ہی میں اپنی بہن کا ’O‘ اَو‘ لیول ریکارڈ توڑ کر ورلڈ ریکارڈ بنایا۔ جس کی پورے پاکستان میں تعریف کی جا رہی ہے۔ ستارہ بروج کے بھائی قمر منیر اکبر سے جب ایک ٹی وی اینکر نے پوچھا کہ آپ کیا بننا چاہتے ہو؟ تو نے کہا: ”میں سر ظفر اللہ خان“ کی طرح بننا چاہتا ہوں۔ سبحان اللہ۔

(ادارہ قندیل حق کی طرف سے جینیئس بچوں کو سلام)



طاہر احمد بھٹی

بس اب کے اتنی تبدیلی ہوئی ہے

موجودہ حکومت جب ''جمہوریت'' کے پیٹ میں تھی تو تبدیلی تبدیلی کا وہ شور پڑنا شروع ہوا جو آج تک تھمنے میں نہیں آتا۔ تبدیلی کا لفظ اس طرح اس نئے حکومتی نظم و نسق سے پیوست ہوا کہ اب تبدیلی کہتے ہی عمران خان اور حواری اور ان کے دھرنے اور دعوے یوں سامنے آ جاتے ہیں جیسے 9/11 کہتے ہی نیو یارک ٹاورز کے واقعات۔ پہلے شعر مکمل کر دوں، کہ آدھا مصرعہ تو پورا شعر سنتے ہی کھل جائے گا۔

بس اب کے اتنی تبدیلی ہوئی ہے
پرانے گھر میں تنہائی نئی ہے...!

یہ بات تو گھسی پٹی ہوگئی کہ عمران خان حکومت کچھ بھی نیا نہیں کر پائی اور نہ ہی کر رہی ہے تازہ ترین شاخسانہ ریڈیو پاکستان جیسے ادارے پہ وار ہے جو تبدیلی کے نام پہ کیا جا رہا ہے۔ اور اطلاعات و نشریات کی ڈائن نے اپنے بچے کھانے شروع کر دئے ہیں۔ ریڈیو پاکستان سے مجھے اپنی ذاتی وابستگی سے انکار بھی نہیں اور اس پہ مجھے شرمندگی بھی نہیں۔ شستہ زبانی اور شائستہ کلامی کا واحد ادارہ ہے جس نے آج بھی اپنی روایات کا دامن مضبوطی سے تھاما ہوا ہے۔ ال ماشا اللہ جب سردیاں آئیں گی تو بند کمروں میں بھی ٹھنڈ لگے گی اور گرم کپڑے اوڑھنے پڑیں گے لیکن آج جو میڈیا یا چینلز کا سیلاب آیا ہوا ہے ان میں بہتر زبان بولنے والے آج بھی ریڈیو پاکستان نے ہی دیئے ہیں۔ اب اس ادارے کی بھی بولی لگے گی۔

وجہ کیا ہے؟ کہ جی اس کی ضرورت کیا ہے، اتنا بڑا ہاتھی پالنے کی؟

تو سب سے بڑا سفید ہاتھی تو خود حکومتی ایوان ہیں جن میں سوائے باریاں لینے اور سر پھٹول کرنے کے اور کیا ہوا ہے پچھلی چار دہائیوں میں؟

ہمارے ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے ساتھ فارن آفس کی دیوار سانجھی ہے۔ فارن پالیسی، ڈپلومیسی اور فارن ڈپلومیٹک ریلیشنز میں وزارت خارجہ نے کیا وہ کردار ادا کیا ہے جس کے لئے یہ فائیو سٹار ہوٹل کی بلڈنگ شاہراہ دستور پر وقف ہے؟

ایک پرانے امریکی سفیر نے اپنی خودنوشت میں یہ بات لکھی کہ میں جب پاکستان میں امریکہ کا سفیر تھا تو دارالخلافہ کراچی تھا اور وزارت خارجہ کا دفتر ایک کرائے کے مکان میں تھا، لیکن اس وقت پاکستان کے پاس فارن منسٹر بھی تھا اور فارن پالیسی بھی۔ اب اسلام آباد میں پاکستانی فارن آفس کا دفتر ایک وسیع و عریض فائیو سٹار ہوٹل کی عمارت میں قائم ہے لیکن اب پاکستان کے پاس نہ ویسا فارن منسٹر ہے اور نہ ہی فارن پالیسی۔ تو نیلامی شروع کرنی ہے تو ملائیت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے والی پارلیمنٹ سے شروع کریں اور پھر وزارت خارجہ کو نیلام کریں جو پچھلے چالیس سال سے رسپانسوڈ پلومیٹک پالیسی پہ چل رہی ہے۔ ریڈیو پاکستان کی جڑوں میں تو پطرس بخاری اور زیڈ اے بخاری جیسوں نے پانی دیا ہے۔

یہاں پطرس بخاری کا ملائیت کے سامنے ڈٹ جانے کا ایک واقعہ سن لیں۔ ریڈیو میں میوزک پروگرام کے ساتھ ہی مولانا کا لیکچر ختم ہوا تو اتفاق سے ایک ہی کار تھی جس میں مولانا صاحب اور موسیقی کے فنکاروں کو ڈراپ کرنا پڑا۔ اگلے دن مولانا نے وزیر اطلاعات سے شکائیت کی کہ میری سبکی ہوئی کہ مجھے گانے بجانے والوں کے ساتھ ڈراپ کروایا گیا۔ منسٹر صاحب نے پطرس بخاری سے کہا کہ آپ معافی مانگیں۔ کچھ دن بعد مولانا صاحب پھر جا دھمکے کہ معذرت نہیں کی گئی تو وزیر صاحب نے بڑے غصے سے بخاری صاحب کو فون کیا کہ آپ سے میں نے کہا بھی تھا کہ معافی مانگیں، آپ نے کیوں نہیں مانگی؟

پطرس بخاری نے جواب دیا کہ، جناب میں نے تو اسی دن اس غلطی پر گلوکاروں سے معافی مانگ لی تھی۔۔۔۔!

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ہمارے عزت مآب وزیر اطلاعات و نشریات صاحب، آپ کو تو ملائیت کے سامنے عاطف میاں کے ایشو پر اپنے سٹینڈ سے الٹے پیر بھاگے ہوئے ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا۔ اور آپ ایک ایسا ادارہ نیلام کرنے چل پڑے ہیں جس کی بنیاد ایسے وژن والے لوگوں نے رکھی تھی۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ ریڈیو میں آج تک اس کردار کے لوگ موجود رہے ہیں۔ جب میں ایک پروگرام کا میزبان تھا تو ظفر خان نیازی مرحوم اس وقت

اسٹیشن ڈائریکٹر تھے۔ میں اگرچہ ایک لائیو پروگرام کا ہوسٹ تھا مگر احمدی بھی تھا اور یہ بات میری ایک ساتھی ہوسٹ کے لئے بغض پالنے کو کافی تھی۔ موصوفہ ظفر خان نیازی کے پاس گئیں اور کہا کہ سر، وہ طاہر بھٹی تو قادیانی ہے۔

نیازی صاحب نے کہا کہ جو پروگرام وہ کرتا ہے اور جس طرح بولتا ہے بغیر سکرپٹ کے، کیا آپ کرلوگی؟

موصوفہ کہنے لگیں کہ سرفی الحال تو نہیں۔ اس پہ نیازی صاحب نے کہا کہ پھر آپ جائیں، یہ پروگرام طاہر بھٹی ہی کرے گا۔ نیازی صاحب مرحوم ریٹائر ہوئے تو ان کے لئے الوداعی ایڈریس میں نے ہی پڑھا تھا اور میں اسی پروگرام کا میزبان تھا۔ بعد از ریٹائرمنٹ میری ان سے وفات سے ذرا پہلے تک بات ہوتی رہتی تھی اور وہ مرزا صاحب کے دعاوی سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور احمدی عقائد سے قطعی طور پر متفق نہیں تھے لیکن اختلاف عقائد کو میرٹ کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا اور بات بھی چند سال قبل کی ہے۔

آج آپ ہمت کر پائے عاطف میاں کے مسئلے پر ایسا فیصلہ کرنے کی؟

تو اگر آپ مثبت مثال قائم کرنے جوگے نہیں ہیں تو پھر پنجابی مثل کے مطابق ٹردے ڈھگے نوں سوٹی نہ مارو...

اچھے بھلے چلتے بیل کو چھڑی نہ ماریں...

یہ ادارہ ثقافتی ورثہ بھی ہے اور لسانی اور ثقافتی روایات کا امین بھی۔ اس کی نیلامی کے پیسے آپ کے کچھ دن کی روٹیاں ہیں لیکن اس کے بعد آپ سے نیا ریڈیو پاکستان بھی اسی طرح نہیں بن سکتا جیسے کہ آپ نیا پاکستان نہیں بنا پائیں گے۔ وہ اور لوگ ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت پسندی ان سے روایات اور ادارے اور ملک بنواتی ہے۔ آپ کے پاس ان خوبیوں میں سے ایک بھی نہیں اس لئے کچھ یوتھیوں کو آپ سے کوئی امیدیں ہوں تو ہوں، ہمیں آپ سے کچھ نیا بنانے کی امید نہیں ہے۔ بس ہمارا پرانا برباد نہ کریں۔

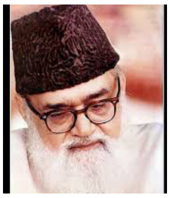
ہمارے پرانے ساتھی اپنی نوکریوں اور ادارے کے تحفظ کے لئے آج شاہراہ دستور پہ جمع تو تھے مگر مجھ سے تو ریڈیو کی بلڈنگ تو الگ ریڈیو کے سامنے والا وہ ڈھابا بھی نہیں دیکھا گیا کہ جس پر انظر ملک، احسن واگہ، فخر عباس، ممتاز میلسی، اعظم نیازی، شازیہ ملک، رفعت قیوم اور مطیع اللہ جان سمیت کتنے ہیں جنہوں نے شامیں اترتی دیکھی ہیں۔

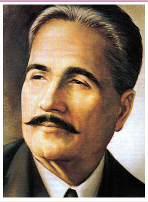
تم ہمیں کیا نئی منزل کی بشارت دو گے
تم تو رستہ نہیں دیتے ہمیں چلنے کے لئے



انسان کے بچے بنو ورنہ...

تنویر اختر شاہد



پاکستان میں تبدیلی کے نام پر آنیوالی اور ریاست مدینہ کا ماڈل کاپی کر کے پاکستان کو دنیا میں ایک عظیم مقام دلوا سکنے کی دعویدار جناب عمران خان صاحب کی حکومت کا کردار ایک کٹھ پتلی اور مہرے سے زیادہ نہیں۔ دور جدید کی سیاست کا ایک ہی اصول ہے کہ اس کا کوئی اصول نہیں اور اس کا یہ ایک انوکھا راز ہے کہ سپر پاور امریکہ ہو یا پاکستان جیسا تیسری دنیا کا کوئی بھی پسماندہ سا ملک ہو بد قسمتی سے سیاست کا منبع اور مرکز وہ جماعت یا فرد نہیں ہوتا جو بظاہر حکمرانی کی کرسی پر براجمان نظر آتا ہے۔ میری اس رائے کے حق میں ثبوت کے طور پر یہ نا قابل تردید حقیقت سامنے رکھی جاسکتی ہے کہ کسی بھی ملک کے گذشتہ چالیس پچاس سالوں کے حکمرانوں، ان کے طرز حکمرانی اور اس ملک کی قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں میں آپ بنیادی طور پر کسی تبدیلی کو کبھی نہیں دیکھیں گے۔ چہرے ضرور بدلتے ہیں اور بظاہر حکمرانی کی کرسی پر میوزیکل چیئرز کے اس تماشے میں کبھی ایک جماعت نظر آتی ہے تو کبھی دوسری۔ وقت کے کچھ اپنے بھی تقاضے ہوتے ہیں لھذا جو معمولی سی تبدیلی کسی کو کہیں نظر آسکتی ہے میری ناقص رائے میں وہ تبدیلی وقت کی پیداوار ہے اور اس کٹھ پتلی یا مہرے کا اس میں کوئی بھی کمال نہیں ہوتا۔ آج جو کچھ ٹرمپ کرتا اور کہتا ہے یقین کریں اگر بش، کلنٹن یا اوبامہ یا کسی بھی سابقہ امریکی صدر کو اس کی جگہ بٹھا دیں تو کچھ مختلف نہ کہے گا نہ کرے گا۔ یہی حال پاکستان کا بھی ہے۔ وجہ یہ کہ جوان کو لے کر آتے ہیں اصل پائیداری ان کو نصیب ہے۔ چونکہ ان کی سوچ اور کردار میں ایک تسلسل ہے اور اس کا ایک ہی رخ ہے لھذا کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایک عرب شاعر نے اپنے قبیلہ کے سرداروں کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

إذا سَيِّدٌ مِنّا خَلا قامَ سَيِّدٌ قَؤُولٌ لِما قالَ الكِرامُ فَعُولُ

یعنی جب ہمارا ایک سردار مر جاتا ہے تو دوسرا جو اس کی جگہ لیتا ہے وہ اپنے سے پہلے گزرنے والے معززین جیسی ہی باتیں کرتا اور ویسے ہی افعال بجا لاتا ہے۔ دور

جدید کے سیاستدانوں کو سامنے رکھ کر اس عرب شاعر سے معذرت کرتے ہوئے مجھے صرف ایک لفظ کو ہی بدلنا ہے۔تب میری رائے کو یہی شعر کما حقہ وضاحت سے بیان کردے گا۔اس کو یوں پڑھ کر دیکھیں:

إِذَا سَيِّدٌ مِنَّا خَلَا قَامَ سَيِّدٌ قَؤُولٌ لِمَا قَالَ اللِّئَامُ فَعُولُ

جو کچھ پہلے کمینے کہتے اور کرتے تھے یہ بھی وہی کہتے اور کرتے ہیں۔لہٰذا بھٹو ہو یا ضیاء، بے نظیر ہو یا نواز شریف، مشرف ہو یا عمران خان سب ایک ہی کردار کے مختلف نام ہیں۔بدلتا کچھ نہیں بس وقت کے تقاضے سے نام بدل جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ بے نظیر بھٹو بہت شاطر سیاستدان تھی۔شائد اپنے والد کی شاطرانہ سوچ کو اس نے مزید پالش بھی کر لیا تھا۔ایک زمانہ تھا کہ وہ مہرے کا کردار ادا کرتے ہوئے امریکیوں سے اس طرح پیسے نکلوانے لگ گئی کہ ہمیں پیسے دو تاکہ ہم ان انتہا پسند مذہبی دہشت گردوں کو جو ہمارے پاس ہیں یہاں ہی لگام دے کر رکھیں ورنہ وہ امریکیوں کے گھروں تک پہنچ جائیں گے۔میری ناقص رائے میں یہ اصل ''سیاستدان'' جو سیاست کا منبع اور مرکز تھے ان کی چال تھی۔پاکستان کی ہر کٹھ پتلی حکومت کی طرح موجودہ کٹھ پتلی حکومت کے پیچھے بھی وہی دماغ ہیں۔

عمران خان صاحب کے اپنے اعصاب کتنے مضبوط ہیں، سوچ میں کتنی پختگی اور کردار میں کتنی عظمت ہے اس کا یقینی علم تو ہر کس و ناکس کو تبھی ہو گیا تھا جب ان موصوف نے میرٹ پر کام کرنے کی بڑ ہانکتے ہوئے عاطف میاں صاحب کو فنانس منسٹر لگانے کا اعلان کیا تھا ممکن ہے وہ اعلان بھی عمران خان کی اوقات دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے انہی دماغوں نے اس سے کروایا ہو۔اس کے بعد موصوف نے جو یوٹرن لیا کہ ان کو عاطف میاں کے احمدی ہونے کا علم نہیں تھا اس لئے غلطی ہوگئی۔لیکن اب تو خوب اچھی طرح علم تھا پھر کیوں مشاورتی کونسل میں لیا؟میری ناقص رائے میں اس تقرری اور پھر تقرری کی واپسی میں اصلی ''سیاستدانوں'' نے کچھ اور مقاصد حاصل کئے ہیں۔عمران خان کو صرف مہرے کے طور پر ہی استعمال کیا گیا ہے۔یہ ملانوں کو پیغام دیا گیا ہے کہ اپنی اوقات میں رہنا ورنہ دنیا جہان میں اتنے مخلص اور قابل احمدی ہر میدان میں ہیں کہ ہم میرٹ اور قابلیت کے نام پر ان کو لاکر تمہاری گردنوں پر بٹھا دیں گے۔

اگر یہ مانا جائے کہ عمران خان کٹھ پتلی نہیں بلکہ یہ اسی کی سوچ اور عمل ہے تو پھر بہت بدقسمت فیصلہ کیا گیا ہے۔قرآن شریف کہتا ہے کہ تباہ شدہ قوموں اور افراد کے احوال اس لئے بیان کئے گئے ہیں تا عقل والے لوگ ان سے سبق سیکھیں اور عبرت پکڑیں۔جب 1953 میں جماعت احمدیہ کے خلاف ختم نبوت ہی کے نام پر ملانوں نے فسادات برپا کئے تو وہ بھلے وقت تھے اس وقت ایک CID Officer نے ان فسادیوں کے جلسوں کی رپورٹ حکومت کو بھیجی اور بتایا کہ احمدیوں کے متعلق ان کے مطالبات کی یہ لسٹ ہے۔اس کے بعد اس نے حکومت کو اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا کہ حکومت احمدیوں کے خلاف ہرگز ان فسادیوں کے کسی مطالبے کو منظور نہ کرے۔کیونکہ ان کی فطرت اور کردار سے مکمل آگاہی کے بعد میری یہ حتمی رائے ہے کہ اگر ان کے یہ مطالبات منظور کر لئے گئے تو پھر یہ ایک نئی لسٹ پیش کردیں گے۔اور ان کا مقصد چونکہ ملک میں فتنہ وفساد پیدا کرنا ہے لہٰذا ان کی لسٹ غیر معقول بھی ہے اور لا متناہی بھی۔اس افسر کی رپورٹ کا نتیجہ تھا یا حکومت میں خود ہی اتنی عقل تھی کہ اسوقت کی حکومت نے بڑی سختی سے ان مطالبات کو رد کیا اور فسادی ملاوں کو جیلوں میں بھی بند کیا۔پھر بھٹو حکومت نے ان مطالبات کا کچھ حصہ قبول کیا اور کچھ ضیاء نے۔لیکن جہنمی فطرت ملاں ہمیشہ ھل من مزید کی صدا ہی لگاتا رہا۔اور اس کے بعد مطالبہ یہ شروع ہو گیا کہ احمدیوں پر مرتد کی سزا نافذ کی جائے جو کہ ملاں کی شریعت میں صرف قتل کر دینا ہے۔مولوی خادم رضوی عرف گالی گلوچ اپنے پیغام میں عاطف میاں صاحب کی تقرری پر احتجاج کرتے ہوئے روایت پڑھ کر سنا رہے تھے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنھما سے کہا کہ آپ نے بحیثیت گورنر ایک عیسائی کو بقول آپ کے اس کی قابلیت کی بناء پر کاتب رکھا ہے۔اسے فوراً نکال دو۔مولوی رضوی صاحب یہ سمجھا رہے تھے کہ ریاست مدینہ میں ایک غیر مسلم کاتب بھی قابل قبول نہیں تھا تو ایک قادیانی کو، اس کی قابلیت جو بھی ہو، مشیر جیسا اہم عہدہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ فسادی ٹولہ شور کرتا رہا ہے کہ احمدیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹا دو تبدیلی کے نعرے والی حکومتی پارٹی کو معلوم ہونا چاہئے کہ کاتب تو ایک کلرک ہوتا ہے۔اس روایت کو سنا کر اس مولوی نے بھی ایک پیغام تو دیا ہے کہ بات اقتصادی کونسل میں ایک احمدی کو مشیر لگانے کی نہیں بلکہ اگلے مرحلے میں مطالبات کی نوعیت یہ ہوگی کہ کوئی غیر مسلم ریاست کی ملازمت میں نہیں لیا جاسکتا۔کیونکہ ایک مسلمان ریاست کے ساتھ ایک غیر مسلم کیسے وفادار ہوسکتا ہے؟ بہت سے محب وطن دانشوروں نے عاطف میاں صاحب کی تقرری کی منسوخی کو ایک بدقسمت اقدام قرار دیا ہے۔اگر میری وہ رائے کہ یہ کارستانی بعض مقاصد کے حصول کے لئے اصلی سیاستدان کر رہے ہیں غلط ہے اور یہ سب عمران خان صاحب ہی کر رہے ہیں تو پھر کہنے دیجئے کہ ہزاروں سال پرانا عرب بدو اور اس کے اونٹ کا قصہ ہمارے اس مغرب سے تعلیم یافتہ دور جدید کے عجمی بدو کے لئے اپنے اندر عبرت کا کوئی سامان نہیں رکھتا۔جیسے کہتے ہیں کہ ڈگری ڈگری ہوتی ہے خواہ اصلی

ہو یا جعلی ۔ ایسے ہی بدو بدو ہی ہوتا ہے خواہ عربی ہو یا عجمی ۔

اس قوم کا عجیب حال ہے کہ کسی غیر مسلم ملک میں جب کوئی مسلمان کوئی عہدہ پاتا ہے تو شادیانے بجاتے ہیں اور اس وقت یہ اعلان نہیں کرتے کہ یہ عہدہ پانے والا مسلمان غیر مسلم ریاست کا وفادار نہیں بلکہ غدار ہے۔ اقتصادی بدحالی اور تباہی سے نجات پانے کے لئے ایک احمدی کا مشورہ قبول کرنا انکی غیرت قبول نہیں کرتی کیونکہ ان کے نزدیک وہ غیر مسلم ہے۔ لیکن بے غیرتی کی حد ہے کہ زندگی کی ہر ضرورت غیر مسلم ممالک سے حاصل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی ۔ Wheel chair اور مسجد کا سپیکر اور بجلی سب غیر مسلم اقوام کی محنت کا ثمرہ ہے۔ مسلمانوں کی ایجادات کیا ہیں؟ اگر بہت غیرت ہے تو کار، بس، ٹرین اور جہاز پر سفر کرنا ترک کریں اور گدھے پر سوار ہو کر جایا کریں۔ قومیں کچھ اصولوں کو اپنا کر زندہ رہا کرتی ہیں اور اصولوں کو چھوڑنے کے نتیجہ میں تباہ بھی ہوا کرتی ہیں لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ میں "بَيِّنَةٍ" سے مراد محکم اصول ہیں۔ جب کوئی قوم میرٹ کے اصول کو نہیں اپناتی تو وہ ہمیشہ تباہ ہوتی ہے۔ یہ جو تبدیلی والی پارٹی نے میرٹ کا قتل کیا ہے اس کا خمیازہ کب تک اس قوم نے بھگتنا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

جہاں تک جماعت احمدیہ اور عاطف میاں صاحب کا تعلق ہے۔ جس حد تک میں نے سوشل اور دوسرے میڈیا کو دیکھا ہے تو الحمد للہ احمدیت کی تبلیغ جتنی ان چند دنوں میں دنیا جہان میں اس ایک حوالہ سے ہوئی ہے اور خصوصاً پاکستانی میڈیا میں وہ بے نظیر ہے۔ ایک پروگرام جو کچھ دیر قبل میں یوٹیوب پر دیکھ رہا تھا اس میں پاکستانی ٹی وی پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی تصاویر اور عاطف میاں صاحب کی تصویر بھی اس قدر بار بار دکھائی جا رہی تھی کہ اگر ہم کروڑوں روپیہ بھی خرچ کرتے تو ہم اہل پاکستان کو وہ تصویریں اس طرح نہیں دکھا سکتے تھے۔ اور عاطف میاں صاحب پوری مشاورتی کونسل کے واحد ممبر تھے جن کے بارے ساری دنیا کو معلوم ہو گیا ہے کہ کس قدر قابل انسان ہیں۔ اگرچہ باقی ممبران بھی قابل ہیں لیکن کسی کا کوئی ذکر نہیں۔ پوری دنیا کے جن 25 بہترین اکانومسٹس میں سے وہ ایک ہیں عجیب خدا کی قدرت ہے کہ ان کے بارے میں بھی عامۃ الناس کو کچھ خبر نہیں کہ وہ کون ہیں اور اعجازی نشان یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی تقدیر نے اس میڈیا کے ذریعہ مفت کروایا ہے جو پیسے لے کر ایک چھوٹا سا اشتہار یوم دفاع پر احمدی ہیروز کے بارے شائع کرتا ہے پھر اسے معذرت کا اداریہ لکھنا پڑتا ہے۔ شکریہ علماء سوء، شکریہ عمران خان اور شکریہ پاکستانی میڈیا۔

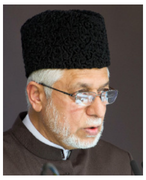
***



جذباتِ مومن

میرے مولا فضلِ کمال سے مجھے اپنا سچا تُو پیار دے
میرا دل جو زخم زخم ہے اسے تُو ہی خود سے قرار دے
میرے جو سنہری سے خواب تھے انہیں پورا کر میرے مالکا
وہ جو گُل خزاؤں کی زد میں ہیں تُو انہیں بھی رنگِ بہار دے
میں جو چاہتا ہوں مجھے ملے، ملے کس طرح تجھے ہے خبر
وہ جو شر ہے اس سے بچا مجھے جو ہے خیر وہ بے شمار دے
مجھے ہو کرم کی ردا عطا میں ہوں ایک بندۂ پُر خطا
مجھے لے لے اپنی پناہ میں مجھے عافیت کا حصار دے
میرا نام مومن تو ہے مگر میرے نام کی تُو ہی لاج رکھ
وہ جو عکس ہے تیرے نام کا اسے میرے دل میں اُتار دے

(خواجہ عبدالمومن اوسلو ناروے)



مسجد مریم گالوے (آئرلینڈ)

افتتاحی تقریب 26 ستمبر 2014 کے تاثرات

(عطاء المجیب راشد لندن)

نور سا اِک دورِ خامس میں اُترتا دیکھنا
ہر طرف چہروں پہ اِک جلوہ بکھرتا دیکھنا
اقصیٰ یورپ میں بنا پہلا ہے یہ اللہ کا گھر
''گالوے'' پر پیار کی بارش برستا دیکھنا
مہبطِ انوارِ ربی، بیتِ مریم بن گئی
ایک محبوبِ خدا کو اس میں آتا دیکھنا
بھائے گا یوں عاشقوں کو حضرتِ مریم کا نام
سارے لوگوں کی زبانوں سے نکلتا دیکھنا
نغمۂ توحید گونجا مرکزِ تثلیث میں
اُس کی لے ، لوگوں کے سینوں میں اترتا دیکھنا
تھی عجب تاثیر اُس دن نعرۂ تکبیر میں
نورِ حق سے نفرتوں کا زنگ اُترتا دیکھنا
اب سدا گونجے گی یوں توحیدِ خالص کی صدا
اس یقینِ کامل سے ہر دل کو نکھرتا دیکھنا
دل خدا کے ہاتھ میں ہیں یہ یقینی بات ہے
آؤ راشد تم ذرا گوروں کو جھکتا دیکھنا



مفتی منیب الرحمٰن، فواد چوہدری، عاطف، میاں اور کربلا

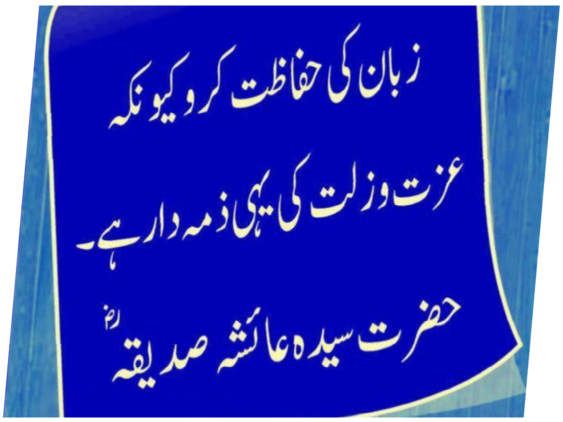
اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

آج کی تاریخ میں سوشل میڈیا پر سب سے زیادہ مولانا منظور احمد صاحب جو کہ مشہور اہل حدیث عالم دین ہیں کی تقاریر کو شیئر کیا جاتا ہے۔آپ کی تقریر شعر اور نثر کا مرقع ہوتی ہے آپ کی تقاریر کا زیادہ سنا جانا دراصل ان کا موجودہ دور کے دوہرے معیار، دوہرے اخلاق اور دوہرے کردار کو تنقید کا نشانہ بنانا ہے۔آپ کسی سیاست دان کا دوہرا چہرہ پینٹ کر رہے ہوتے ہیں تو کبھی کسی حاجی صاحب پر پھبتیاں اُڑا رہے ہوتے ہیں۔حال ہی میں آپ نے مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے علماء کو موضوع سخن بنایا اور بتایا کہ ایک مولوی صاحب جب پیپلز پارٹی کی طرف سے الیکشن میں کھڑے ہوئے تو کس طرح تیر کی شان قرآن وحدیث سے بیان کر رہے تھے۔اگلی باری سائیکل کا زور ہو گیا تو آپ نے سائیکل کو قرآن وحدیث کے ذریعہ مسلمان کر دیا۔اس سے اگلی دفعہ آپ قرآن وحدیث سے شیر کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔دور جانے کی ضرورت نہیں جناب زاہد الراشدی صاحب کو ہی لے لیجئے۔قد آور دیوبندی دانشور ہیں۔آپ امریکی سفارتکاروں سے اپنے تعلقات کو فخریہ بیان کرتے ہیں مگر مجال ہے کہ اپنے مخالفین کو امریکہ نواز ثابت کرنے سے ذرا بھی چوکیں۔امریکی سفیر رچرڈ ملکی کے دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ نے ثابت کیا کہ احمدیہ جماعت امریکہ نواز ہے ان کو پاکستان میں ذرا تکلیف ہوتی ہے تو امریکہ میں اطلاعیں ہو جاتی ہیں چنانچہ آپ نے اپنے کالم میں اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ لکھا کہ میں ایک دن امریکی سفیر رچرڈ ملکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہ کچھ فائلیں تیار کر رہے تھے میں نے پوچھا کہ یہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے بتایا کہ وہ گجرات کا پاس کوئی چک سکندر کا نام کا ایک گاؤں ہے وہاں احمدیوں اور مسلمانوں کا جھگڑا ہوا ہے اسی کی رپورٹ تیار کر رہا ہوں واشنگٹن بھجوانی ہے‘‘ اس پر کسی دل جلے نے تبصرہ کر دیا کہ مولوی صاحب آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے جسے بقول آپ کے امریکی سفیر کی اس حد تک پرسنل بیٹھک تک رسائی تھی جہاں پر آپ کی اُس کی خصوصی فائلوں تک نظر تھی۔آپ وہاں کس بھرتے پر تھے؟ اور یہ رویہ زاہد الراشدی صاحب کا ذاتی رویہ نہیں ان کی جماعت ،جمیعۃ علمائے اسلام کا بھی یہی دوہرا معیار ہے۔سینٹ، قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، چیئرمین وزارت خارجہ سٹینڈنگ کمیٹی، چیئرمین کشمیر کمیٹی وغیرہ وغیرہ سب جائز لیکن پاکستان کو گناہ قرار دیتے ہوئے اس کے یوم آزادی منانے سے منکر نظر آتے ہیں تو دوسری طرف انڈیا میں 15 اگست کو دارلعلوم دیوبند میں علماء اور طلباء کی موجودگی میں پاکستان کا جھنڈا جلایا گیا اور پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے گئے۔

ابھی حال ہی میں ایک انڈین دیوبندی عالم دین کی ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کے ٹی وی چینل کے حوالے سے ایک ویڈیو وائرل ہوئی جس میں وہ پاکستان اور پاکستان کی کشمیر پالیسی کا مذاق اُڑا رہے تھے اور قائداعظم کو شرابی ، بے دین شیعہ کے القابات سے نواز رہے تھے مگر پھر بھی ان کی نظر میں اگر کوئی غدار اور وطن دشمن ہے تو سر ظفر اللہ خان یا ان کی جماعت۔دانشوروں کے ساتھ ہی مفتیان کرام کی تقدیس ہمارے ذہن میں آتی ہے۔تو اول نمبر پر رویئت ہلال کمیٹی کے چیئرمین جناب مفتی منیب الرحمٰن صاحب کا خیال آتا ہے۔ظاہری کلام میں دھیمے اور حلیم طبع مگر آپ کی سوچ سخت متشددانہ ہے۔آپ کے ایک فرقہ وارانہ بیان کی وجہ سے ایک ہی دن میں ڈاکٹر صدیقی صاحب سمیت جماعت احمدیہ کے کئی سرکردہ لوگ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے اور آپ کو اس پر شرمندگی تو درکنار احساس تک نہیں۔آپ کے حالیہ دنوں کے ایک بیان نے مجھے ہلا کر رکھ دیا کہ آپ جو اکثر الفاظ چبا چبا کر اعلان فرمایا کرتے تھے کہ دیکھیں کثرت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ احمدیہ کمیونٹی کے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اب یہ اس قانون کو نہ مان کر ملکی قانون کے بھی دشمن ہیں اور اکثریت کے فیصلے کے بھی۔انہیں ہر صورت میں اکثریت کے فیصلے کو مان کر نہ صرف اپنے آپ کو غیر مسلم مان لینا چاہئے بلکہ غیر مسلموں کی طرح نماز روزہ حج کو چھوڑ دینا چاہئے اور کافروں جیسے کام کرنا چاہئے۔مگر بدقسمتی سے ہمارے نئے پاکستان کے وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب نے بھی انہیں کا فارمولہ اُچک

لیا ور جب آپ پر عاطف میاں کے فیصلے کو واپس لینے کا کہا گیا تو آپ نے بھی جواب میں اعلان کر دیا کہ دیکھیں ہم دو کروڑ ووٹ لے کر آئے ہیں اور ہم اکثریتی پارٹی ہیں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمیں بلیک میل کرے ۔ اب مفتی صاحب اپنے ہی فارمولے کے خلاف میدان میں آ گئے اور اگلا بیان داغ دیا ہے کہ نہیں اکثریتی ووٹ کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ، کون حق پر ہے اور کون جھوٹا کا فیصلہ کرنے لگ جائیں ورنہ عددی اکثریت تو کربلا میں یزید کو تھی ۔آپ 17 ستمبر روزنامہ دنیا میں زیر عنوان ''دینی مدارس و جامعات کا مسئلہ'' وزیر اطلاعات جناب فواد چوہدری صاحب کی گوشمالی کرتے ہوتے ہوئے فرمارہے تھے'' جناب عمران خان کو فواد چوہدری صاحب ایسے ترجمانوں کو حدود میں رہنے کی ہدایت کرنی چاہیے ۔ وزیر کے لفظی معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا ۔۔ عاطف میاں کے مسئلہ پر فواد چوہدری صاحب نے ترنگ میں آ کر کہا ہم دو کروڑ ووٹ لے کر آئے ہیں ہم کسی کے دباؤ میں نہیں آئیں گے ۔ جناب والا ! سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے آپ کو حکمرانی کا استحقاق تو مل جاتا ہے لیکن اس کی بنیاد پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے کا حق آپ کو نہیں دیا جا سکتا ورنہ کربلا میں عددی برتری تو امام حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف لشکر کو حاصل تھی'' حضور والا یہ کیا ماجرا ہو گیا ۔ یہ کہیں دوہرا معیار تو نہیں ہو گیا ؟ احمدی لوگ بھی تو اسی اصول کو لے کر پچھلے 40 سال سے دہائیاں دے رہے ہیں کہ صاحب آپ اکثریت میں ضرور ہیں مگر اس اکثریت کی دھونس پر آپ کسی کے کافر یا مسلم کا فیصلہ نہ کیجئے ۔ ہاں اپنے بارے میں ضرور بتائیے آپ کیا ہو مگر دوسرے کے بارے میں کہ وہ کیا ہے یہ آپ کا حق نہیں ہے اور اسی کا نام تو ظلم ہے ظلم کی تعریف یہی تو ہے کہ وضع الشی ءغیر محلہ ۔ اسی سے ملتی جلتی صورتحال جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو بھی پیش آئی تھی ۔ اسمبلی میں اکثریت کے ووٹ کے ساتھ احمدی اقلیت کو غیر مسلم اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا مگر ابھی چند قدم کا فاصلہ بھی طے نہ کر پائے تھے کہ پاکستان کی عدالت علیا نے آپ کے اسلام اور مسلمان ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا ۔ آپ بھی مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی طرح عدالت میں بیان دیتے ہوئے رو پڑے تھے کہ کسی اکثریت، کو کسی عدالت، کو بلکہ کسی کو بھی کیا حق ہے کہ وہ دوسرے کے ایمان کا فیصلہ کرے ۔ آپ 21 مئی 1978 کو عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمارہے تھے ''ایک اسلامی ملک میں ایک کلمہ گو کے عجز کے لئے یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہو گا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ مسلمان ہے ۔ میرے خیال میں یہ اسلامی تمدن کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ ایک مسلم صدر اور ایک مسلم راہنما ایک وزیر اعظم جسے مسلمان قوم نے منتخب کیا ہوا یک دن وہ اپنے آپ کو اس حیثیت میں پائے کہ وہ یہ کہے کہ وہ مسلمان ہے ۔ یہ ایک ہراساں کر دینے والا مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایک کربناک معاملہ بھی ہے ۔ یورلارڈشپس یہ مسئلہ کیسے کھڑا ہوا ؟ آخر کس طرح ؟؟...خواہ کوئی کتنے ہی اعلیٰ عہدے پر کیوں نہ ہو لیکن دراصل اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی استحقاق نہیں ہے ...کسی فرد، کسی ادارے اور کسی عدالتی بنچ کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ ایک ایسے معاملے پر اپنی رائے دے جس پر رائے دینے کا اس کا کوئی حق حاصل نہیں ۔ چونکہ انسان اور خدا کے درمیان کوئی بیچ کا واسطہ نہیں ۔ اللہ اور انسان کا معاملہ ہے اور اس کا فیصلہ وہ خود خدا روز حشر کرے گا ۔ مائی لارڈ جیسا کہ میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے کافی ہے کہ وہ کلمے میں ایمان رکھتا ہو ۔ اس حد تک بات کی جا سکتی ہے کہ جب ابوسفیان مسلمان ہوا اور انہوں نے کلمہ پڑھا تو رسول اکرم ﷺ کے بعض صحابہ نے سوچا کہ اس کی اسلام دشمنی اتنی شدید تھی کہ شائد ابوسفیان نے اسلام کو محض اوپری اور زبان کی سطح پر قبول کیا ہو لیکن رسول اکرم ﷺ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ جونہی اس نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہو گیے ۔ اور اس کے بعد بھٹو صاحب کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی ۔ پھر آپ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا شہریت دستور میں ایک مسلمان کو یا اقلیتوں کو فراہم کی گئی ہے ۔ یہ شہریت اس جانور کو نہیں دی جا سکتی جو نام کا مسلمان ہو ۔ میں نہیں جانتا اور کتنے لوگوں کو اس درجہ بندی میں شامل کر کے انہیں بے ملک بنا دیا جائے گا ۔ اگر ہم بے ملک بنا دیئے گئے تو ہم کہاں جائیں گے''۔؟؟ اس سوال کا جواب تو ڈھونڈنا چاہئے مگر اسی دن ہی کیوں جس دن یہ وقوعہ میرے ساتھ ہو؟ آخر ہم ان دوہرے معیاروں سے کب باہر آئیں گے ؟

***



احمدیوں سے پاکستان کی شان

جمیل احمد بٹ



ملک اور قوم کی زندگی اور بقا اعلیٰ انسانی اقدار کی نشوونما اور پھیلاؤ سے وابستہ ہے۔ افراد میں سچائی، امانت، دیانت، فرض شناسی، محنت، بے غرضی، ملک سے محبت اور اس کے لئے اپنے مال اور جان فدا کرنے کا جذبہ ہی قومی زندگی کے ضامن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امام زمانہ پر ایمان کی برکت، اس کی قوتِ قدسیہ کے اعجاز اور نعمتِ خلافت کے طفیل جماعتِ احمدیہ اور افراد جماعت سب ان اقدار کے علم بردار ہیں اور ان خوبیوں کی بدولت مثالی طرزِ عمل کی ایک روشن تاریخ کے امین ہیں۔ عظیم کامیابیوں، کارناموں اور انسانی ترقی کی معراج پر پہنچی ہوئی مثالوں کے ساتھ ان کا وجود اقوامِ عالم میں پاکستان کی شناخت، تکریم اور تمام قابل ذکر نیک نامیوں کا باعث ہے۔ یہ مشاہدہ کسی بھی غیر جانبدار نگاہ کو اس نتیجہ تک پہنچا سکتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ اور احمدی پاکستان کے وجود میں ایک دھڑکتے ہوئے دل اور اس کی جان کی مانند ہیں۔ اس حوالے سے گزشتہ دہائیوں کے چند واقعات کا بیان اس مضمون کا موضوع ہے۔ ان بیشتر اعلیٰ مثالوں کے دورانیہ کا ابتدائی تین دہائیوں میں ارتکاز اور ۱۹۷۴ء کے بعد ملک کی شان بڑھانے والے ان واقعات میں نمایاں کمی اہل دانش کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

۱۔ پاکستان کی مشرقی سرحد کے منصفانہ تعین کے لئے کوشش کرنا:

انگریز حکومت نے جب مسلم اکثریتی صوبے پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کیا اور جولائی ۱۹۴۷ء میں باؤنڈری کمیشن کے قیام کا اعلان کیا تو اس اہم معاملہ میں مسلم لیگ کی وکالت ایک احمدی کے سپرد ہوئی۔ آپ کی اعلیٰ کارکردگی کو سراہنے والوں میں سب سے اول خود قائداعظم تھے جیسا کہ لکھا ہے:

معانقہ کا شرف:

''جب چوہدری ظفراللہ خان یہ کیس (باؤنڈری کمیشن) پیش کر چکے، قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائدِاعظم کی طرف سے کرہ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ معانقہ کرنے کے بعد قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خان سے کہا' میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے انجام دیا'۔

(تحریر و قیع صحافی منیر احمد منیر مطبوعہ روزنامہ خبریں ۷ جون ۲۰۰۳ء بحوالہ تعمیر وترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۴۳) اس اہم ذمہ داری کو اس نامور احمدی نے جس طرح ادا کیا اس کا اعتراف مشہور صحافی حمید نظامی صاحب نے اپنے اخبار میں یوں کیا:

''کوئی چار گھنٹے محمد ظفراللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفراللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق وانصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خان صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گزار ہوں گے۔''

(اخبار نوائے وقت لاہور یکم اگست ۱۹۴۷ء بحوالہ تعمیر وترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۰۴۔۱۰۵)

ایسا ہی اعتراف کئی سال بعد جسٹس محمد منیر صاحب نے ان الفاظ میں کیا:

''عدالت ھذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا۔ اس بہادرانہ جدوجہد پر شکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی۔ چودھری ظفراللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتِ تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے'۔

(رپورٹ عدالت ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ حکومت پنجاب)

۲۔ نوزائیدہ پاکستان کو دنیا میں متعارف کروانا:

پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک تھا اور بیشتر دنیا اس سے بے خبر تھی۔ اسے

دنیا میں متعارف کرانے کا اعزاز ایک احمدی کو حاصل ہوا۔ قائدِ اعظم نے اقوامِ متحدہ میں پہلے پاکستان وفد کا سربراہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو مقرر فرمایا اور آپ کے ہاتھوں پاکستان کے اقوام متحدہ کا رکن بننے کی کاروائی انجام پائی۔ اسی اجلاس میں مسئلہ فلسطین زیر بحث آیا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال نے یکدم پاکستان کا نہ صرف نام بلکہ اس کی عزت اور احترام کو ساری دنیا میں عام کر دیا۔ اس واقعہ کا پاکستانی پریس میں یوں ذکر ہوا: 'جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت و ابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے۔ تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی'۔

(اخبار نوائے وقت لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۱۵۹ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

اس نامور احمدی کے ذریعہ پاکستان کا یہ تعارف سدا بہار رہا۔ مصر میں پاکستان کے ایک سابق ایک سفیر احمد سعید کرمانی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا:

' مصر میں قیام کے دوران مَیں نے دیکھا جب بھی مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات ہوتی ان میں سے اکثریت پاکستان کا نام چوہدری صاحب کے توسط سے جانتی تھی۔ نہ صرف عرب بلکہ جاپانی اور ایرانی سفراء بھی چوہدری صاحب کے بڑے مداح تھے۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۹۹ء صفحہ نمبر ۲۱ بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۱۶۰ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

ابھی حال میں گزشتہ حکومت کے وزیر خارجہ خواجہ آصف صاحب نے ٹی وی پر ایسا ہی اظہار کیا۔

۳۔ پاکستان کی تعمیر ترقی کے لئے بے مثل راہنمائی کرنا:

پاکستان بنے ابھی صرف تین مہینے ہوئے تھے۔ قادیان سے نقل مکانی کے بعد جماعت کو بھی مسائل کا سامنا تھا۔ کمال حیرت ہے کہ ایسے میں بھی حضرت امام جماعت احمدیہ نے وطن کی محبت کے ہاتھوں وقت نکالا اور ملک کی تعمیر و ترقی کے موضوع پر چھ پبلک لیکچرز دئے۔ یہ خطاب مینارڈ کالج ہال اور پنجاب یونیورسٹی ہال میں ہوئے۔ اور ان جلسوں کی صدارت جسٹس محمد منیر صاحب، ملک فیروز خان نون صاحب، ملک عمر حیات صاحب، میاں فضل حسین صاحب اور سر عبد القادر صاحب نے کی۔ حضرت صاحب نے ان خطابات میں جو راہنمائی فرمائی۔ اس وقت اخبارات میں ان کی درج ذیل رپورٹنگ ہوئی۔ (نوٹ: متن میں ذیلی عنوان وضاحت کے لئے اضافہ کئے گئے ہیں)

' مرزا البشیر الدین محمود نے کل مسٹر جسٹس محمد منیر کی صدارت میں ایک اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے (کہا)...بے کار زمینوں کی آبادی: پاکستان کی زرعی پوزیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے بے کار زمینوں کو فوراً آباد کرنے پر زور دیا...

بلوچستان میں پٹرول:

اگر کوشش کی جائے بلوچستان میں اتنا پٹرول مل سکتا ہے کہ وہ اباوان کو بھی مات کر دے گا۔

کوئلہ: اس طرح کوئلہ کی کانوں کے لئے جستجو اور تلاش جاری رکھی جائے۔

(اخبار نوائے وقت ۴ دسمبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۱۱ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

ریسرچ سینٹر:

' آپ نے ...کہا کمرشل، انڈسٹری، زراعتی اور دفاعی صنعت کی ریسرچ کے لئے پاکستان کا ایک قومی ادارہ قائم کرنا چاہئے'۔

(اخبار زمیندار لاہور 4 دسمبر 1947ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۱۲ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

زراعتی ترقی:

' آپ نے پر زور تائید کی کہ ملک کی زراعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جائے ...شاہ پور، جھنگ، مظفر گڑھ کے اضلاع اور شمالی مغربی صوبہ سرحد کے چند اضلاع اور سندھ کا تمام صوبہ موجودہ ترقی یافتہ طریقوں پر بہت جلد پاکستان کی زراعتی دولت میں اضافے کا باعث بن سکتے ہیں'۔

(اخبار سفینہ لاہور ۴ دسمبر ۱۹۴۷ء تاریخ احمدیت جلد ۱۱ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۱۳ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

سرحدی دفاع:

' وہ لوگ جو سرحد کے ساتھ ساتھ بستے ہیں انہیں فوری طور پر مسلح کر دیا جائے اور انہیں فوجی اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جائے'۔

(ترجمہ از انگریزی اخبار ایسٹرن ٹائمز لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۱۴)

ذریعہ تعلیم:

' مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان پر زور نہ دیا جائے کہ وہ ضرور اردو کو ذریعۂ تعلیم بنائے ورنہ وہ پاکستان سے علیحدہ ہو جائے گا'۔

اردو زبان:

’(اردو) کے تحفظ کے لئے دہلی کے مہاجرین کی ایک علیحدہ بستی آباد کی جائے۔ ورنہ اب یہ خاندان منتشر ہو رہے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی زبان ناپید ہو جائے گی‘۔

(اخبار الفضل لاہور ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۲۲ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعتِ احمدیہ نے کل شام مینارڈ ہال لاء کالج میں پاکستان اور اس کے مستقبل کے موضوع پر ایک عظیم اجتماع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے پاکستان کی زراعت، اقتصادیات اور معاشیات پر فصیح و بلیغ لیکچر دیا۔ ملک فیروز خان نون اس اجتماع کے صدر تھے‘۔

نہری نظام:

مرزا صاحب نے زراعت کے سلسلہ میں ذرائع آب پاشی خصوصاً نہروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ پچاس سالوں کے بعد نہروں کے خراب ہو جانے کے باعث پاکستان کی زراعت کو سخت خطرہ ہے...

امریکہ سے قرض:

بیرونی سلطنتوں خصوصاً امریکہ سے قرضہ لینا ہماری آزادی کے لئے زبردست خطرہ ہوگا۔

بیرونی سرمایہ کاری (DFI):

لہٰذا اس کا علاج صرف یہ ہے کہ بیرونی کمپنیوں کو پاکستان میں سرمایہ لگانے کی مشروط اجازت دی جائے۔ ان فرموں کو چالیس فی صدی حصے دئے جائیں اور چالیس فی صدی حکومتِ پاکستان دے۔ باقی بیس فی صدی حصوں کے مالک پاکستان کے عوام ہوں۔ اس سلسلے میں فرموں سے یہ شرط بھی کی جائے کہ وہ ہمارے حصہ دار کو ساتھ ساتھ ٹریننگ دیں گے۔

(اخبار زمیندار لاہور ۱۰ دسمبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۱ از مولانا دوست محمد صاحب شاہد صفحہ نمبر ۴۲۰۔۴۲۱ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

بحری دفاع:

’پاکستان کو Submarines (آبدوز کشتیاں)، Mine Layers (سرنگ بچھانے والے)، Mine Sweepers (سرنگیں صاف کرنے والے) Destroyers (تباہ کن جہاز) اور Aircraft (ہوائی بردار جہاز) حاصل کرنے کے لئے فوری طور پر قدم اٹھانا چاہئے‘۔

شپنگ: ’اس سلسلہ میں تجارتی بیڑہ قائم کرنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت تمام بحری تجارتی کمپنیاں غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں‘۔

(اخبار الفضل لاہور 11 جنوری ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۲۳۔۴۲۴ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

خارجہ سیاست:

’پاکستان کی اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہ کرنی چاہئے جس سے اس کے ہندوستان سے تعلقات خراب ہوں۔ اسے اپنی طرف سے صلح کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے لیکن یہ صلح باعزت ہو۔

۲۔ برطانیہ اور امریکہ سے بھی خوشگوار تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن ان کی چالوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

۳۔ روس کے متعلق بھی امن پسندانہ رویہ رکھنا چاہئے اور اپنی طرف سے کوئی وجہ اشتعال پیدا نہ ہونے دینی چاہئے۔

۴۔ عرب ممالک سے زیادہ سے زیادہ دوستانہ تعلقات قائم کرنے چاہئے۔

۵۔ عراق اور شام کے ساتھ ریل کے ذریعہ پاکستان کا اتصال قائم کرنا ضروری ہے۔

۶۔ برما اور سیلون... کے ساتھ... تعلقات مشرقی پاکستان کی مدد کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

۷۔ اسپین، ارجنٹائن، جاپان، آسٹریلیا، ابی سینا اور ایسٹ افریقہ سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے‘۔

(الفضل لاہور ۱۱ جنوری ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۴۲۵ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

روح القدس سے تائید یافتہ حضرت مصلح موعود کی یہ سب راہنما باتیں آج وقت گزرنے کے بعد اپنی سچائی ظاہر کر چکی ہیں۔ بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے آج سانس لینا دوبھر ہے۔ اور بیشتر وسائل قرض اور سود کی ادائیگی میں لگ جاتے ہیں۔ مشرقی پاکستان ہم کھو چکے ہیں۔ اردو زبان رنگ بدل چکی ہے۔ خارجہ معاملات مسائل کا شکار ہیں۔

۴۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی آخری کامیابی حاصل کرنا:

جنوری ۱۹۴۸ء میں ہندوستان کشمیر کے معاملہ کو اقوامِ متحدہ میں لے گیا۔ اس کی جوابدہی بھی ایک بزرگ احمدی کے سپرد ہوئی جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ آپ کی کامیاب کارکردگی کو یوں سراہا گیا۔’ آپ نے یو این او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ ظفر اللہ خان کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی

...کمشیر کمیشن کا قیام ظفراللہ خان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھول سکیں گے۔

(اخبار نوائے وقت لاہور ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۸۲ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

’سرظفراللہ خان کی معرکتہ الآراء جواب دہی کے بعد بین الاقوامی حلقوں میں...ہر جانب یہ تسلیم کیا جا رہا تھا کہ پاکستانی وزیر خارجہ نے بمصداق محاروۂ انگریزی آئینگر (ہندوستانی نمائندہ) پر میزالٹ دی، اسی طرح کہ ہندی نمائندوں کو الٹے لینے کے دینے پڑ گئے‘۔

(خونابہ کشمیر از فضل احمد صدیقی ایم اے صفحہ نمبر ۲۳۰ بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۸۱ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

سرظفراللہ خان کی اس مساعی کا نتیجہ اس قرارداد کی شکل میں ظاہر ہوا جو اقوامِ متحدہ نے متفقہ طور پر منظور کی۔ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں تھا۔ صرف روس اور یوکرائن غیر جانبدار رہے۔ اس قرارداد کی پہلی شق تھی: ’ریاست جموں وکشمیر ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ جمہوری طریق سے آزادانہ غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعہ ہوگا‘۔ یہ قرارداد آج تک مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے حاصل کی گئی آخری کامیابی ہے۔ اور اس کے بعد پاکستان کی تمام تر کوشش اس پر عمل درآمد پر زور دینا رہا ہے۔ یوں جب کبھی اس پر عمل درآمد ہوگا۔ مسئلہ کشمیر کے حل کا سہرا بھی ایک احمدی کے سر بندھے گا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

’انہوں نے جس انداز سے کشمیر کے مسئلہ کو سیکیورٹی کونسل کے سامنے پیش کیا یہ اس کا ثمرہ تھا کہ سیکیورٹی کونسل نے متفقہ طور پر کشمیر کے مستقبل کو عوام کے استصواب رائے سے مشروط کر دیا‘۔

(م ش کی ڈائری مطبوعہ اخبار نوائے وقت ۲۱ ستمبر ۱۹۹۰ء بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۹۰)

’آج ہم کشمیر کے متعلق سیکیورٹی کونسل کی جس قرارداد کو اساس بنا کر کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اسے سیکیورٹی کونسل سے متفقہ طور پر پاس کروانے میں ظفراللہ خان کا ہاتھ تھا‘۔

(م ش کی ڈائری۔ اخبار نوائے وقت لاہور میگزین ۶ مارچ ۱۹۹۲ء بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۶۵۔۱۶۶)

۵۔ پاکستان کے لئے نیک نامی کمانا:

1۔ مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے بہترین کوشش کرنا:

اس معاملہ میں اقوام متحدہ میں حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی تقاریر نے تمام مسلمان ملکوں میں بالعموم اور عرب ملکوں میں بالخصوص ان کے لئے محبت اور پاکستان کے لئے احترام کا رشتہ قائم کر دیا۔ تقریر انتہائی مدلل، پر اثر اور شاندار تھی۔ نوائے وقت نے فخریہ اظہار کیا: ’سرظفراللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتہ کا عالم طارہ ہوگیا‘ ’امریکہ، برطانیہ اور روس کی زبانیں گنگ ہوگئیں‘ ’فلسطین کے متعلق سرظفراللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی‘

’عرب لیڈروں کی طرف سے سرظفراللہ خان کو خراج تحسین‘ (اخبار نوائے وقت لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۷۵ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

امیر فیصل کی شکر گزاری:



سعودی عرب کے امیر فیصل (بعد میں شاہ فیصل) اس وقت اقوامِ متحدہ میں شاہی مندوب تھے۔ انہوں نے اپنے مئی ۱۹۴۸ء میں ایک خط میں حضرت چوہدری صاحب کو اپنے خط میں لکھا: ترجمہ از انگریزی: ’اس خط کے ذریعہ میں اپنے دلی شکر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون اور ہمارے حق میں نہایت اعلیٰ مؤقف اختیار کیا ہے‘۔

(خط کے عکس کے لئے ملاحظہ ہو کتاب تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۶۴۔۱۶۵ کا درمیان)

خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا جانا:



یہی تعلق تھا کہ ایک دہائی کے بعد مارچ ۱۹۵۸ء میں جب حضرت چودھری صاحب نے عمرے کی غرض سے حرمین شریفین کا قصد کیا تو آپ شاہ سعود کے ذاتی مہمان ٹھہرے اور آپ کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا گیا۔ اور آپ کو اس مقام پر کھڑے ہو کر نفل ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نفل ادا کئے تھے۔

(تحدیثِ نعمت از محمد ظفراللہ خان صاحب صفحہ نمبر ۶۴۴۔۶۴۵ طبع ثانی ۱۹۸۱ء)

۲۔ مسلمان ملکوں کی آزادی میں اہم کردار:

ایک احمدی ہی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انہوں نے اپنے منصب کو کئی مسلمان ملکوں کی آزادی کے لئے استعمال کیا۔ اس کا اعتراف عام طور پر ہوا۔ جیسا کہ یہ تحریریں: ۱۔ ’اقوام متحدہ کے مستقل مندوب کی حیثیت میں چوہدری صاحب نے

افریقہ اور عالم اسلام کے ممالک خصوصاً مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کی گراں بہا خدمات انجام دیں اور آپ کی مخلصانہ وکالت کے نتیجہ میں مراکش، الجزائر اور لیبیا کو آزادی اور خودمختاری حاصل ہوئی۔ اور پاکستان کو عرب ممالک کے محسن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ تیونس، مراکش اور اُردن نے آپ کو اپنے سب سے بڑے نشان اعزاز سے نوازا'۔ (اخبار نوائے وقت لاہور ۲ ستمبر ۱۹۸۵ء تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۱۶۵)

'عرب ممالک کی آزادی میں اقوام متحدہ میں ان کی نمائندگی کا بھرپور کردار ظفر اللہ نے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت میں تاریخی کارنامے انجام دئے۔

(م ش کی ڈائری۔ اخبار نوائے وقت لاہور میگزین ۶ مارچ ۱۹۹۲ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۱۶۶)

مسلمان ملکوں کی انہی خدمات کا نتیجہ تھا کہ جب مفتی مصر نے ۱۹۵۳ء میں احمدی مخالف شورش کی حمایت کی تو وہاں کے اخبارات نے کھل کر آپ کے حق میں یہ اظہار کئے :

عزام پاشا سیکرٹری عرب لیگ نے لکھا:

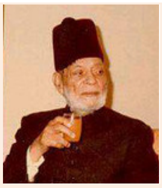
'ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خان اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں۔ روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہوگئے۔ آپ ان قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے'۔

(الاخبار الجدیدہ قاہرہ ۲۲ جون ۱۹۵۲ء)

ازہر یونیورسٹی کے ڈائریکٹر خشابہ پاشا نے لکھا:

' مسلمانوں اور عربوں کے معاملات میں بالعموم اور مصر کے معاملات میں بالخصوص چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اسلامی مفادات کے تحفظ کی خاطر ہمیشہ ہی جس دلیری سے کام لیا ہے اس پر ذمہ دار حلقوں نے احسان مندی کا اظہار کرتے ہوئے اسے خوب سراہا ہے..مَیں اس عظیم شخص کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیونکہ اس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے'۔

(اخبار الزماں قاہرہ ۲۵ جون ۱۹۵۲ء)



۳۔ عالمی عدالت انصاف کا جج ہونا:

'سر ظفر اللہ...عالمی عدالت کے سربراہ رہے۔ اقوام متحدہ میں اہم ترین مناصب پر فائز رہے۔ یہ پہلے اور ابھی تک آخری پاکستان ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہیں' (تحریر نفیس صدیقی روزنامہ جنگ لاہور یکم اپریل ۱۹۹۸ء بحوالہ بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۹۴) اس تحریر کو ۲۰ سال مزید گزر گئے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب تا حال آخری پاکستانی ہیں جو اس مقام کو پہنچے۔

' آزادی کے ۴۳ برسوں میں ہم نے چار مرتبہ کوشش کی کہ عالمی عدالت کی بنچ پر ایک نشست ہمیں مل جائے۔ پہلی کوشش تو سر محمد ظفر اللہ کی کامیابی کی صورت میں بار آور ہوئی باقی ناکام۔

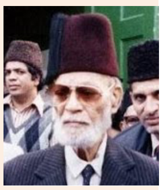
(مضمون ایڈووکیٹ افتخار علی شیخ مطبوعہ اخبار نوائے وقت لاہور ۴ دسمبر ۱۹۹۰ بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۳۱)

۴۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور عالمی عدالت انصاف کی صدارت کا منفرد اعزاز:

'انہیں یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ وہ بین الاقوامی عدالت کے سربراہ اور جنرل اسمبلی کے صدر رہے اور یہ ایسا منفرد اعزاز ہے جو دنیا بھر میں آج تک کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوا'۔

(روزنامہ مشرق لاہور ۷ ستمبر ۱۹۸۵ء بحوالہ بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۷۵)

۵۔ سر ظفر اللہ کی وفات پر اقوام متحدہ کا پرچم سرنگوں کیا جانا:



'لاہور میں اتوار کے روز انتقال کر جانے والے پاکستانی محمد ظفر اللہ خان کے سوگ میں منگل کے روز اقوامِ متحدہ کا پرچم سرنگوں رہا۔ اقوام متحدہ کا سکریٹریٹ ان کی موت کی خبر پہنچتے ہی بند کر دیا گیا تھا۔ اور تین دن کے بعد جب کام شروع ہوا تو پہلے روز پرچم سرنگوں رکھا گیا'۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۵ ستمبر ۱۹۸۵ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۶۴)

۶۔ پہلے مسلمان نوبل لائریٹ بننے کا اعزاز:



پہلے پاکستانی اور پہلے مسلمان سائنسدان کی حیثیت سے ڈاکٹر عبدالسلام کا نوبل انعام حاصل کرنا پاکستان کے ماتھے کا ایک سدا بہار جھومر ہے۔ جو ہمیشہ پاکستان کی نیک نامی اور اس کی شناخت

رہے گا۔کون محب وطن پاکستانی ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ کا وہ نظارہ بھول سکتا ہے جب شاہ سوئیڈن کی صدارت میں نوبل انعامات کی تقسیم میں ایک بلند قامت داڑھی والا شخص، سیاہ رنگ کی شیروانی،سفید شلوار،سفید پگڑی اور طلّے کے کام والے کھسّے پہنے سٹیج کی طرف چلا۔یہ سرتاپا پاکستانی عبدالسلام تھے۔جنہوں نے ڈائس پر آکر بسم اللہ کے ساتھ اردو زبان میں تقریر کا آغاز اس شکریہ کے ساتھ کیا کہ منتظمین نے انہیں اپنی قومی اردو زبان میں اظہار کی اجازت دی۔مملکتِ پاکستان،اس کی تہذیب،اس کے لباس اور اس کی زبان کو بین الاقوامی دنیا میں عزت واحترام عطا کئے جانے کی یہ ایک انوکھی مثال تھی،ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ڈاکٹر سلام کے اس بے مثل کارنامے پر بے تحاشا داد وتحسین دی گئی ہے ایسے چند اظہار:'صدر مملکت نے اپنے تہنیتی پیغام میں بجا طور پر یہ بات کہی ہے کہ پروفیسر عبدالسلام کا نوبیل انعام ملنے سے پاکستان اقوام عالم میں سربلند ہوگیا ہے'۔

(روزنامہ مشرق لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۹ ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۱۷)'ہر پاکستانی کے لئے یہ بات باعث فخر واعزاز ہے کہ ان کے ایک ہم وطن ڈاکٹر عبدالسلام نے علم طبیعات میں اس سال نوبیل پرائز حاصل کیا ہے...وہ ایک مسلمان سائنس دان ہیں'۔

(اداریہ روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۱۸)

'بہت کم پاکستانیوں نے پروفیسر عبدالسلام کی طرح پاکستان کا وقار بڑھایا ہے'۔

(مضمون ڈاکٹر منیر احمد خان مطبوعہ روزنامہ آجکل ۳۰ نومبر ۱۹۹۶ ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۶)

'ان کے کارناموں کے باعث پاکستان کو تمام دنیا میں ہمیشہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے گا۔انہوں نے پاکستان کے لئے وہ کارنامہ سرانجام دیا جو کوئی دوسرا پاکستانی انجام نہیں دے سکا' (تحریر اسرار ایوب مطبوعہ روزنامہ خبریں ۵ دسمبر ۲۰۰۶ ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۳)'پاکستان میں پچھلے ساٹھ برسوں میں اس سے بڑی عزت افزائی پاکستان کے حصے میں نہیں آئی'۔(تحریر میمونہ کلثوم مطبوعہ روزنامہ وقت ۱۰ دسمبر ۲۰۰۷ ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۴)'ان کی دریافتوں سے سائنسی دنیا کے نقشے میں پاکستان کا نام منور ہوا ہے۔اسے سربلندی ملی ہے'(مضمون ڈاکٹر انور سدید مطبوعہ روزنامہ خبریں ۲۷ نومبر ۱۹۹۶ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۵)' ڈاکٹر سلام جیسے لوگ قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہوتے ہیں'۔

(خطاب پروفیسر خالد آفتاب وائس چانسلر مطبوعہ اخبار ڈان ۲۲ نومبر ۲۰۰۶ ء بحوالہ تعمیر وترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۵۸)

' ڈاکٹر عبدالسلام موجودہ صدی میں آفتاب بن کر ابھرے ...انہوں نے..عالمی برادری میں مسلمانوں کے کھوئے ہوئے علمی وقار کو بڑی آن بان کے ساتھ بحال کیا اب مغربہ کا وہ منہ نہ رہا جو یہ کہہ سکے کہ اسلام کی سرزمین علومِ جدیدہ کے لئے بنجر ہے۔سچ تو یہ ہے کہ سلام عالمِ اسلام کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں'

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۱۷۶ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

۶۔دفاعِ پاکستان میں بے مثال کردار:

پاکستان کو ۱۹۴۸ ء میں کشمیر میں محاذ آرائی کے علاوہ دو بار جنگوں سے گزرنا پڑا۔ان تینوں مواقع پر احمدیوں نے مثالی کارکردگی دکھائی۔

۱۹۴۸ء میں کشمیر کا محاذ :

اس موقع پر جماعت نے حکومتِ پاکستان کی خواہش پر کشمیر محاذ پر جون ۱۹۴۸ ء میں ایک رضا کار بٹالین بھجوائی۔تین ہزار سے زائد مجاہدین کی اس فرقان بٹالین کی کمان پہلے کرنل حیات قیصرانی صاحب اور پھر حضرت مصلح موعود کے صاحبزادے مرزا مبارک احمد صاحب کے ہاتھ رہی۔اس بٹالین کے ذمہ وادی سعد آباد کی حفاظت تھی۔جو اس نے بڑی کامیابی سے دو سال تک ادا کی۔اس اعلیٰ کارکردگی کے دوران نو مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا جبکہ پانچ مجاہد حوادث کا شکار ہو کر عمر بھر کے لئے معذور ہوگئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۱۵ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۶۹۹۔۷۰۴ نیا ایڈیشن)

کام ختم ہونے کے بعد سبکدوشی پر پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف نے اپنے پیغام مؤرخہ ۱۷ جون ۱۹۵۰ء میں لکھا :

'دشمن نے ہوا پر سے اور زمین پر سے آپ پر شدید حملے کئے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی اپنے قبضہ سے نہ

جانے دی۔آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی انتہائی قابل تعریف‘۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۵ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر ۷۰۶ نیا ایڈیشن)

۱۹۶۵ء کی جنگ:

اس حملہ میں چار محاذوں پر جنگ ہوئی جن میں لاہور کے علاوہ دیگر تینوں محاذوں پر کمان احمدی افسروں کے سپرد تھی جنہیں اعلیٰ ترین کارکردگی کی توفیق ملی۔

1۔ کشمیر میں فتح:

پہلا محاذ کشمیر تھا جہاں لیفٹنٹ جنرل اختر حسین ملک نے چھمب کو فتح کیا۔ یہ ایک بڑی فتح تھی۔جس کے صلے میں آپ کو سب سے پہلے دوسرا سب سے بڑا اعزاز ہلالِ جرأت دیا گیا۔آپ اکھنور بھی فتح کر سکتے تھے لیکن کمانڈ میں تبدیلی کے سبب یہ ممکن نہ ہوسکا۔ان کی اس شجاعت اور دلیری کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ایسی چند تحریریں درج ذیل ہیں: ’میجر جنرل اختر حسین ملک نے ناکافی فوج اور مشکل حالات کے باوجود بھارتی فوج کا بری طرح قلع قمع کر دیا...میجر جنرل اختر حسین کی ذہانت، اعلیٰ منصوبہ بندی، پرعزم اور ولولہ انگیز قیادت نے اس علاقہ میں بھارتی فوج کو عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔صدر مملکت نے میجر جنرل اختر حسین کو ان کے عظیم کارنامے پر ہلالِ جرأت کا اعزاز دیا‘۔

(روزنامہ امروز لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۶۵ء بحوالہ تعمیر و ترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۷) ’جس ہنر مندی سے اختر ملک نے چھمب پر اٹیک کیا اسے شاندار فتح کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔وہ اس پوزیشن میں تھے کہ آگے بڑھ کر جوڑیاں پر قبضہ کرلیں کیونکہ چھمب کے بعد یہاں دشمن کے قدم اکھڑ چکے تھے‘۔

(تحریر جنرل سرفراز خان ہلال جرأت مطبوعہ اخبار جنگ لاہور ۶ ستمبر ۱۹۸۴ء بحوالہ تعمیر و ترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۶۷)

’فوجی دستہ کی کمان جنرل اختر حسین ملک کر رہے تھے۔یہ حملہ اتنا اچانک کیا گیا کہ ہندوستانی افواج اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلیں اور اکھنور پر قبضہ کے امکانات روشن ہوگئے تھے‘۔

(تحریر میجر جنرل محمد شفیق مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین ۷ ستمبر ۲۰۰۳ء صفحہ نمبر ۱۷ بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۷۰) ’چھمب جوڑیاں سیکٹر کی منصوبہ بندی جنرل اختر حسین ملک نے کی تھی۔ یہ اسی کامیاب منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کہ پاک فوج بڑی آسانی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اکھنور کے اطراف میں پہنچ گئی۔ اور اس نے بھارت کی دو ڈویژن فوج کو گھیرے میں لے لیا۔عین اس وقت جب پاک فوج اکھنور پر قبضہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھی پاک فوج کی ہائی کمان نے جنرل اختر حسین ملک کو واپس بلا لیا اور ان کی جگہ یحییٰ خان کو سیکٹر کمانڈر بنا کر بھیج دیا۔اس طرح اکھنور پر قبضہ کرنے کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا گیا۔بقول شاعر:

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

جنرل اختر حسین ملک کو چھمب جوڑیاں سیکٹر سے صرف اس لئے ہٹایا گیا کہ آپ کا تعلق قادیانی جماعت سے تھا اور پاک فوج کے جنرل اتنی بڑی کامیابی کا کریڈٹ ایک قادیانی جرنیل کو نہیں دینا چاہتے تھے‘۔

(آمریت کے سائے از ممتاز حسین ایڈوکیٹ صفحہ نمبر ۸۸ بحوالہ تعمیر و ترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۶۲)

ii۔ رن کچھ میں فتح:

دوسرا محاذ جس میں فتح ہوئی رن کچھ تھا۔ یہاں برگیڈیئر افتخار جنجوعہ نے دشمن کے وسیع علاقے پر قبضہ کیا اور ہیرو آف رن کچھ کہلائے۔ اس شجاعت و جرأت کے اعتراف میں آپ بھی دوسرے سب سے بڑے اعزاز ہلالِ جرأت کے حق دار ٹھہرے۔

iii۔ چونڈہ کے محاذ پر کامیاب دفاع:

بھارتی فوج کے حملہ کا ہدف جی ٹی روڈ کو کاٹنا اور سیالکوٹ پر قبضہ تھا۔اس راستہ میں چونڈہ کے قریب پاک فوج نے اس کا راستہ روک لیا اور یہاں کئی دنوں تک جنگِ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی ہوئی۔ جنرل گل حسن نے لکھا: ’چونڈہ ہمارے دفاع کا بنیادی اور فیصلہ کن مقام تھا‘۔

(یادداشتیں صفحہ نمبر ۱۹۳ بحوالہ تعمیر و ترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۹۱)

ایک صحافی نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا:

’سیالکوٹ بلکہ پاکستان کی سلامتی کا دارومدار اس جنگ کی ہار جیت پر تھا‘۔

(بدر سے باٹاپور تک از عنائیت اللہ صفحہ نمبر ۱۹۴ بحوالہ تعمیر و ترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۹۱)

اس اہم ترین محاذ پر ملک کے کامیاب دفاع کا فریضہ بریگیڈیئر عبدالعلی ملک

نے انجام دیا۔ جیسا کہ لکھا ہے

’عبدالعلی نے چونڈہ کے محاذ پر ٹینکوں کی عظیم جنگ میں پاکستانی فوج کی کمان کی اور ایسے کارنامے سرانجام دئے کہ تاریخِ حرب کے ماہرین حیران وششدرہ گئے ۔اس وقت موصوف بریگیڈیئر تھے‘۔ (روزنامہ امروز لاہور ۲۳ اگست ۱۹۶۹ء)

’سیالکوٹ چونڈہ سیکٹر پر بھارت نے پورے آرمرڈ ڈویژن سے حملہ کیا تھا اور اس حملے کو ایک قادیانی بریگیڈیئر نے صرف ایک ٹینک رجمنٹ اور دو انفنٹری پلٹنوں سے روکا تھا۔ اس بریگیڈیئر کو اس کے ڈویژن کمانڈر نے حکم دیا کہ سیالکوٹ خالی کردو ۔ہم پیچھے ہٹ کر لڑیں گے۔ اس قادیانی بریگیڈیئر نے یہ حکم ماننے سے انکار کردیا اور حملہ روک لیا تھا اس بریگیڈیئر کا نام عبدالعلی ملک تھا‘۔

(ماہنامہ حکایت نومبر ۱۹۸۴ء صفحہ نمبر ۱۱۴)

۱۹۷۱ء کی واحد کامیابی:

اس جنگ میں واحد کامیابی دوبارہ چھمب کی فتح تھی ۔اس بار بھی یہ فتح ایک احمدی میجر جنرل افتخار جنجوعہ کے ہاتھوں ہوئی۔ چھمب کا نام ان کے نام پر افتخار آباد رکھا گیا اور انہیں دوسری بار ہلال جرأت کا اعزاز دیا گیا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

’صدر نے میجر جنرل افتخار خان شہید کو چھمب کے محاذ پر حالیہ جنگ میں بے شمار جرأت وشجاعت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے پر ہلال جرأت کا اعزاز دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ نمایاں خدمت کے عوض ہلال جرأت، ستارۂ پاکستان اور ستارۂ قائداعظم حاصل کر چکے ہیں۔ چھمب کی لڑائی میں میجر جنرل افتخار نے دشمن کے مضبوط مورچوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے فوجیوں کے ہراول دستوں کی قیادت کی اور میدانِ جنگ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے مثال عزم اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ چھمب کو فتح کرلیا۔ دس دسمبر ۱۹۷۱ء کو وہ ایک ہیلی کاپٹر میں اگلے مورچوں میں پرواز کر رہے تھے کہ ان کا طیارہ گر کر تباہ ہوگیا اور شہید ہوگئے‘۔

(روزنامہ امروز لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۷۱ء)

دونوں جنگوں میں دادِ شجاعت دے کر جان کا نذرانہ دینے والے چند اور افسر

۱۔ میجر قاضی بشیر احمد شہید:

مردان کے رہنے وثر و والے جنگِ ۱۹۶۵ء کے شہید کے بارے میں لکھا ہے:

’میجر مرحوم نے زندگی کے آخری تین دن اس طرح گزارے کہ کھانے پینے اور آرام کرنے کی مہلت بھی ان کو نہ ملی۔ وہ مسلسل لڑتے رہے۔ جب ان کی لاش محاذ سے گاڑی پر لائی گئی تو سپاہی اور افسر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے‘۔

(حق کے پرستار از نسیم کاشمیری صفحہ نمبر ۲۹۶)

۲۔ میجر منیر احمد شہید: لاہور کے محاذ پر جان کا نذرانہ پیش کیا۔

۳۔ اسکوارڈن لیڈر خلیفہ منیر الدین شہید:



جنگِ ۶۵ء میں امرتسر کے راڈار اسٹیشن کو تباہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور ستارۂ جرأت کا اعزاز پایا۔ ان کے بارے میں ناقابل تقلید ہواباز، کے زیرِ عنوان لکھا گیا: ۳۶ سالہ منیر بڑا ذہین اور نڈر ہواباز تھا۔ ہماری ایئر فورس میں وہ بڑی مقبول اور ہردلعزیز شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے جوہر فضائے آسمان پر کھلتے تھے۔

(ہمارے غازی اور ہمارے شہید از آغا اشرف ۷۷۰۔۷۷۱)

۴۔ لیفٹنٹ ممتاز انور شہید:

۱۹۷۱ء کی جنگ میں شہید ہوئے۔ لکھا ہے: ’آپ خیبر جہاز پر بطور چیف انجینئر خدمت انجام دے رہے تھے کہ جہاز دشمن کے میزائلوں کا نشانہ بن گیا۔ انجن روم میں آگ لگنے کی وجہ سے خالی کرنے کا حکم دیا لیکن آپ آخری دم تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور ادائیگئ فرض میں اپنی جان قربان کردی۔ اس بے مثل بہادری اور شجاعت کے نتیجہ میں آپ کو ستارۂ جرأت کے اعزاز سے نوازا گیا‘۔

(روزنامہ امروز ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء)

احمدی افسروں کے حاصل کردہ منفرد اعزاز:

ان جنگوں نے احمدی افسروں کے حاصل کردہ درج ذیل اعزاز آج تک تو بے مثل ہیں ہی لیکن شائد تاریخ انہیں کبھی بھی دہرا نہ سکے گی:

۱۔ جنرل رینک کے میدانِ جنگ میں شہید ہونے والے واحد افسر میجر جنرل افتخار جنجوعہ (۱۹۷۱ء کی جنگ میں)

۲۔ دو بار سب سے بڑا فوجی اعزاز ہلال جرأت پانے والے۔ ۱۹۶۵ء میں بریگیڈیئر اور ۱۹۷۱ء میں میجر جنرل افتخار جنجوعہ

۳۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سب سے پہلے دوسرا بڑا فوجی اعزاز ہلال جرأت پانے والے لیفٹننٹ جنرل اختر حسین ملک۔

۴۔ کشمیر محاذ پر دونوں بار چھمب فتح کرنے والے۔ ۱۹۶۵ء میں لیفٹنٹ جنرل اختر حسین ملک اور ۱۹۷۱ء میں میجر جنرل افتخار جنجوعہ۔

۵۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں دشمن کی وسیع علاقے پر پاکستانی پرچم لہرا کر ہیرو آف رن کچھ کہلانے والے بریگیڈیئر افتخار جنجوعہ۔

۶۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ لڑ کر ملک کا کامیاب دفاع کرنے والے بریگیڈیئر عبدالعلی ملک۔ ہلالِ جراٴت (۱۹۶۵ء کی جنگ میں)۔

۷۔ جنرل رینک کے میدانِ جنگ میں زخمی ہونے والے واحد افسر میجر جنرل ناصر احمد (۱۹۷۱ء جنگ میں)

۸۔ اگلے مورچوں پر لڑتے ہوئے جنگی قیدی ہونے والے اپنے رینک کے واحد افسر۔ لیفٹننٹ کرنل بشارت احمد۔ تمغۂ امتیاز (۱۹۷۱ء کی جنگ میں)

۷۔ احمدیوں کی نئے شہر کی تعمیر کی حیرت انگیز مثال :

۳۱ اگست ۱۹۴۷ کو قادیان سے ہجرت کے محض ایک ہفتہ بعد ہی ۷ ستمبر کو جماعت کے اولوالعزم خلیفہ نے یہ حیرت انگیز قدم اٹھایا کہ پاکستان میں ایک مرکز کے کام کے لئے ایکمہ دار مقرر کر دیا۔ اور صرف ایک سال بعد ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو جماعت کو نئے مرکز ربوہ کا افتتاح فرمادیا۔ ۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو حضرت مصلح موعود نے ربوہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ شرکاء میں سے ایک نے اپنے اخبار میں لکھا: 'ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوہ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اجڑے اور یہاں بھی کس مپرسی نے انہیں منتشر رکھا... لیکن ان (احمدیوں) کی تنظیم، ان کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی ہے... ربوہ حکومت اور عوام کے لئے ایک مثال ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعوے کئے بغیر سب کچھ کر دکھاتے ہیں'۔

(روزنامہ سفینہ لاہور ۱۴ نومبر ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد ۱۳ صفحہ نمبر ۶۱ نیا ایڈیشن)

ہزاروں سالوں سے غیر آباد یہ شورزدہ زمین اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلد جلد ایک آباد شہر بنتی گئی۔ جماعتی دفاتر، بیوت، اور بہشتی مقبرے کے ساتھ ساتھ یہاں اعلیٰ معیار کے لڑکوں، لڑکیوں کے الگ الگ اسکول، طلباء و طالبات کے لئے علیحدہ علیحدہ کالج، اور جامعہ احمدیہ جس میں بیرونی ممالک سے طلباء بھی آتے۔ قائم ہوئے۔ اسکول، کالجوں نے امتحانی نتائج میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ باسکٹ بال، کشتی اور کبڈی کے کھیلوں میں ربوہ نے نام کمایا۔ یہاں سے ایک روزنامہ، ایک انگریزی ماہنامہ اور چار پانچ اردو ماہنامے شائع ہوتے رہے۔ یہاں بڑے بڑے اجتماعات ہوتے رہے۔ غرضیکہ یہ ایک کمال شہر ہے جو تمام تر حیرت انگیز بلند نگاہی، اعلیٰ ترین منصوبہ بندی، انتہائی محنت، زبردست قربانیوں اور پایۂ قبولیت کو پہنچی ہوئی دعاؤں پر اللہ کے فضل کا نشان ہے۔

۸۔ احمدیوں کی بے مثال شجاعت کی منفرد مثالیں:

احمدی بہادر اور شجاع ہوتا ہے۔ یہ بات ہر احمدی کی عام زندگی سے ظاہر ہے۔ اسے ہمیشہ سے مخالفتوں، حق تلفیوں اور ظلم و زیادتیوں کا سامنا ہے۔ وہ ان سب کا سامنا کرتے ہوئے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ ان مشکلات کو وہ راہ کی دھول جان کر نظر انداز کر کے آگے بڑھتا ہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو جماعت اور ملک و قوم کی خدمت کے لئے وقف رکھتا ہے۔ یہی بہادری وہ اجتماعی طور پر بھی دکھاتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی قربانیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

i۔ باؤنڈری کمیشن کے غیر منصفانہ فیصلہ کے نتیجہ میں جب گورداسپور ضلع ہندوستان کو دے دیا گیا اور حضرت مصلح موعود ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ تو قادیان کی حفاظت ۳۱۳ رضا کار احمدیوں نے اپنے ذمہ لی۔ پورے مشرقی پنجاب میں یہ مسلمان آبادی کا ایک ایسا جزیرہ تھا جس کے اطراف مخالفت کا سمندر موجزن تھا۔ آفرین ہے ان بہادروں پر جنہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کی۔ اورینٹ پریس انٹرنیشنل کی جاری کردہ ۹ اپریل ۱۹۴۸ء کی پشاور سے جاری کردہ درج ذیل خبر کا پسِ منظر یہی بہادری ہے: 'امام جماعت احمدیہ سے لنڈی کوتل کے شنواری اور آفریدی سرداروں کے ایک وفد نے ملاقات کی۔ آپ نے ان پٹھان سرداروں سے پوچھا کہ وہ ملاقات کرنے کی کیوں خواہش رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب میں کہا: قادیان کے احمدیوں نے نہایت جانبداری سے اپنے شہر کی حفاظت کی۔ ہم مسلمانوں کے اس بہادر فرقے کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتے تھے'۔

(الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۳۱۳ نیا ایڈیشن)

جنگوں میں وطن کا کامیاب دفاع اور فتوحات حاصل کرنے والے بہادر اور شیر دل احمدی شہداء اور غازیوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وطن کی حفاظت میں جان دینے والے ایک اور شہید:

'سوات کے علاقہ چہار منگ کے لئے جان قربان کرنے والے میجر افضال کو ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں مکمل فوجی اعزازات کے ساتھ چناب نگر کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ میجر افضال کا تعلق قادیانیت سے تھا... میجر افضال کی شادی چار سال قبل ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک بیٹا، بیٹی اور بیوہ پس ماندگان

چھوڑے ہیں۔

(روزنامہ ایکسپریس ۲۱ جون ۲۰۰۹ء بحوالہ تعمیر و ترقی ´ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۵۱۹)

۔فرائض کی ادائیگی میں جان کی قربانی دینے والے چند احمدی :

۱۔ اے۔ایس۔آئی پولیس سعید احمد بٹ:

۱۳ جولائی ۱۹۹۵ء کو کراچی میں فرائض کی ادائیگی کے دوران اپنی جان کی قربانی دی۔اس غیر معمولی جرأت، دلیری پر انہیں قائداعظم پولیس میڈل دیا گیا گیارہ سال بعد ان کی وفات کے دن پر ایک اخبار نے ان کی تصویر شائع کر کے لکھا: 'وہ پولیس کے ایک فرض شناس اور ایماندار افسر تھے جنہوں نے اپنا آج دوسروں کے کل کے لئے قربان کر دیا تھا' (روزنامہ خبریں کراچی ۱۳ جولائی ۲۰۰۶ء)

۲۔اے۔ایس۔آئی پولیس سفیر احمد بٹ:

'۲۵ ستمبر ۲۰۱۱ء کو کراچی میں گھات لگائے ہوئے نا معلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں ۳۵ سال کی عمر میں شہید کئے گئے ۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں نماز جنازہ کے موقع پر آئی جی سندھ نے سفیر احمد بٹ کی بہادری پر بھی تبصرہ کیا اور کہا کہ محکمہ پولیس کی جانب سے مقتول کے اہل خانہ کو ۲۰ لاکھ روپے دیے جائیں گے'۔

(روزنامہ امت کراچی ۲ ستمبر ۲۰۱۱ء)

۵۔۲۰۱۰ء کے سانحہ میں شجاعت کی ایک نئی تاریخ رقم ہوئی جس کے روشن کردار وہ سب بہادر اور جی دار احمدی تھے جنہوں نے حق کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔وہ سب بہادر احمدی مرد، خواتین اور بچے جنہوں نے اپنے بیٹوں، شوہروں، باپوں، اور بھائیوں کے اللہ کی راہ میں قربان ہو جانے پر کمال درجہ صبر کا نمونہ دکھایا اور وہ بہادر، جری اور حوصلہ مند واحمدی جنہوں نے کلاشنکوف بردار خودکش جیکٹ پہنے ہوئے دہشت گردوں کو خالی ہاتھوں قابو کیا۔

۶۔ مردان کا درج ذیل واقعہ بھی اسی ذیل کا ہے:

۳ ستمبر ۲۰۱۰ء کو دو خودکش حملہ آوروں نے مردان کی ایک بیت میں جمعہ کی نماز کے لئے یکجا احمدیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔تاہم مستعد محافظین کی بروقت کارروائی سے وہ اپنے بدارادوں میں ناکام رہے۔فائرنگ کرتے ہوئے ایک دہشت گرد نے زخمی ہونے کے بعد خود کو اڑا لیا اور دوسرا راہ فرار اختیار کر گیا۔یکم جنوری ۲۰۰۷ء سے اس وقت تک ایسے ہونے والے ۲۳۴ واقعات میں اس سے پہلے ایک بھی ایسا واقعہ نہ ہوا تھا جس میں محافظین نے حملہ آوروں کو ناکام کیا ہو یا کوئی دہشت گرد ناکام ہو کر فرار ہونے پر مجبور ہوا ہو۔یہ جی داری کی ایک نئی تاریخ رقم کرنا تھا۔

۹۔ احمدیوں کا بے مثالی صبر و استقامت:

انفرادی طور پر احمدیوں کو ستانے اور دکھ دینے کے واقعات عام ہیں جن پر احمدی عرصہ سے صبر کرتے چلے آئے ہیں۔مختلف جگہوں پر محدود لوٹ مار، گھر بار جلانا اور خون ریزی کے واقعات بھی کم نہیں۔ جن پر ہمیشہ احمدیوں نے صبر کیا ۔ دوبار ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں ملک گیر پیمانے پر احمدیوں کے خلاف ہنگامے، لوٹ مار اور قتل کا سلسلہ چلایا گیا۔احمدی ان امتحانوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے صابر اور ثابت قدم رہے۔ ۱۹۸۴ء میں مزید قانون سازی کر کے عدالتوں اور حکومتی طاقت کے ساتھ احمدیوں کے لئے قید و بند کی ایک نئی راہ تلاشی گئی ۔سینکڑوں احمدیوں پر مقدمات ہوئے اور بہتوں کو پابند سلاسل ہونا پڑا اور خدا کا نام لینے کے جرم میں لمبی لمبی میعادوں کے سزاوار ہوئے۔اس دوران ۲۰۱۰ء کا سانحۂ لاہور بھی ہوا جس میں دہشت گردوں کے ہاتھوں دو خانۂ خدا میں بے گناہ احمدیوں کا قتلِ عام ہوا۔ اور سینکڑوں احمدیوں کی جان لی گئی یا انہیں زخمی کیا گیا۔مصائب کا یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی احمدیوں کے صبر و استقامت کی چٹان کے سامنے بے بس رہا ہے۔احمدی آج بھی اسی طرح اللہ کی رضا پر صابر و شاکر اور خوش و خرم ہیں۔ان کے چہرے مسکراہٹوں سے سجے ہوئے ہیں۔احمدیوں کا یہ مثالی صبر و استقلال کسی ثبوت کا محتاج نہیں اور ہمیشہ اہل نظر کو متاثر کرتا ہے۔مثلاً ذیل کا واقعہ: جنوری ۱۹۴۸ء میں استحکامِ پاکستان پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دو لیکچرز سر شیخ عبدالقادر کی صدارت میں ہوئے۔جن میں سے دوسرے لیکچر کے بعد اپنی تقریر میں انہوں نے کہا: 'ایک چیز کا میرے دل پر خاص اثر ہے باوجود اس کے کہ فاضل مقرر اور ان کی جماعت کو گزشتہ ہنگاموں میں خاص طور پر بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن آپ نے ان حوادث کی طرف اشارہ تک نہیں کیا'۔ (الفضل ۸ جنوری ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت از مولانا دوست محمد شاہد جلد ۱۱ صفحہ نمبر ۲۱۰ مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

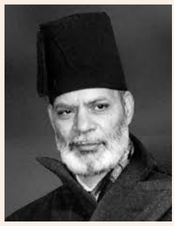
سر عبدالقادر اس نقصان کی بات کر رہے تھے جو قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پنجاب میں خونی ہنگاموں اور قادیان سے ہجرت کی صورت میں ہوا اور جس پر ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے۔

۱۰۔احمدیوں کی بے مثل امن پسندی اور پابندیٔ قانون:

دینِ حق کے اصولوں کے مطابق تربیت پانے کے سبب ہر احمدی مزاجاً امن پسند اور صلح جو ہوتا ہے۔اپنے اوپر کی جانے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کو وہ حوالہ بخدا کرتا ہے اور خود نہ کسی کا بُرا چاہتا ہے نہ اس کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے۔ احمدیوں کے اس حسنِ کردار پر ان کی سوا سو سالہ تاریخ گواہ ہے۔وہ شروع سے

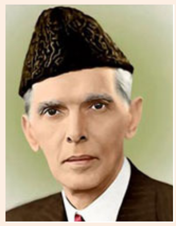
انفرادی مخالفانہ بدسلوکیوں کا نشانہ رہے ہیں جبکہ اجتماعی طور پر بھی انہیں لوٹ مار اور قتل وغارت کا بھی کئی بار نشانہ بنایا گیا۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کے بڑے فسادات کے علاوہ ۱۹۸۴ء کے قانون کی پشت پناہی کے ساتھ تین دہائیوں سے ان کی حق تلفیوں اور قربانیوں کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔اس دوران ۲۰۱۰ء میں وہ لاہور کا وہ خون آشام سانحہ بھی ہوا جس میں بیک وقت سو کے قریب احمدیوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔ان سب کے باوجود احمدی کمال صبر و استقامت سے پُر امن رہے ہیں۔اور قانون کو ہاتھ میں لینے کا کسی نے سوچا بھی نہیں۔نظم وضبط اور قانون پسندی کی انتہاء وہ واقعہ تھا جب نہتے احمدیوں نے ماڈل ٹاؤن کے اللہ کے گھر میں مسلح دہشت گرد پر قابو پا لیا اور کسی نے اسے کچھ نہ کہا بلکہ کمال رسانیت سے قانون کے محافظین کے حوالے کر دیا۔یہ طرزِ عمل انوکھا ہے کہ اس زمین کے باسی ان حالات میں جو ردِ عمل دکھاتے ہیں وہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ اگر عام ڈاکو بھی بس میں آجائیں تو ان کا حشر نا قابل دید ہوتا ہے۔ڈاکوؤں کو زندہ جلا دینے کے واقعات بھی ہو چکے ہیں۔

۱۱۔ پاکستان کی شناخت تاریخ پاکستان کے روشن احمدی ستارے: چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب:



قائداعظم کے معتمد، باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کے وکیل، اقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے وفد کے قائد، پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ بعرصہ سات سال، اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے، جنرل اسمبلی کے صدر، عالمی عدالت انصاف کے جج اور عالمی عدالت انصاف کے صدر رہنے والے نادر وجود۔آپ کی عظیم الشان شخصیت کے بارے میں چند آراء:

قائداعظم کا ارشاد:



’حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں قابل لوگوں خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے اس لئے جب بھی ہمیں مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں‘

(تحریر قائداعظم uaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers V Vol
(vi, Page 165, 1st Edition 2001 published by Govt of Pakistan

بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۳۳) ’جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفر اللہ خان نے فوراً یہ خدمت سر انجام دینے کی حامی بھر لی...اور اسے ایسی قابلیت سے سر انجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سر انجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدہ پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا تھا‘۔

(تحریر ایڈیٹر حمید نظامی روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ اگست ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۱۹ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ ۵۷۸-۵۷۹ نیا ایڈیشن)

۱۹۷۳ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائر ہونے پر اس وقت پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے آپ کے نام اپنے پیغام میں لکھا: ’مَیں آپ کی ان خدمات کی وجہ سے جو آپ نے کئی دہائیوں کے عرصہ میں پاکستانی عوام اور عالمی برادری کے لئے نہایت ہی بے لوث طریقے سے انجام دی ہیں گہرے تشکر و تحسین کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔اس سیاسی تحریک کے ایک ممتاز رکن کی حیثیت سے جو کہ برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے حصول پر منتج ہوئی اور اس سے بھی پہلے ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے پاکستان کے حصول کے لئے نہایت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔مملکتِ خداداد کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ابتدائی سات سالوں میں وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے آپ نے پاکستان کو ایسی ریاست کے طور پر مستحکم کرنے میں مدد دی جس کو بیرونی دنیا میں باعزت مقام حاصل ہو گیا اور جس کے مؤقف کو بین الاقوامی سطح پر اہمیت دی جانے لگی۔لیکن پاکستان کے لئے آپ کی خدمات یہیں تک محدود نہ تھیں۔جنرل اسمبلی کے صدر اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج کی حیثیت میں آپ نے پوری انسانیت کی خدمت ہی نہیں کی بلکہ پاکستان کے وقار کو بھی بلند و بالا کیا۔مَیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو مختلف حیثیتوں میں عالمی برادری اور اقوامِ متحدہ میں جو تکریم ملی ہے اس پر ہم سب کو فخر ہے۔

(اخبار پاکستان ٹائمز لاہور ۱۸ مارچ ۱۹۷۳ء بحوالہ تعمیر وترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۴۷)

’چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص، دیانت داری، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے‘۔

تحریکِ پاکستان کے معروف رکن اور سابق وزیر و سفیر سعید احمد کرمانی صاحب کے الفاظ میں:

رائٹ مین: ’قائداعظم نے رائٹ مین فار رائٹ جاب، جناب ظفر اللہ خان کی

چانس بھی قائداعظم کی تھی۔ظفراللہ خان قیام پاکستان کے موقعہ پر نواب آف بھوپال کے آئینی مشیر تھے۔قائداعظم نے بلایا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے آگے مسلم لیگ کا کیس آرگو کریں۔وہاں سے اچھی خاصی تنخواہ اور مراعات چھوڑ کر آ گئے‘

صدیوں بعد:

’چوہدری محمد ظفراللہ خان بڑے آدمی تھے...سر ظفراللہ جیسا آدمی صدیوں بعد پیدا ہوگا۔بُرا نہ منائیں۔سر ظفراللہ صدیوں بعد پیدا ہوگا‘۔

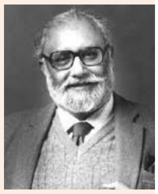
روضہ ٔاقدس کے اندر:

’شاہ فیصل ظفراللہ خان کے عاشق تھے۔انہوں نے چوہدری ظفراللہ خان کو حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے اندر جانے کی اجازت دی‘۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ اگست ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۳۰ بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۰۱، ۲۴۱ اور ۲۴۳)

دیو قامت: ’اقوامِ متحدہ وہ جگہ ہے جہاں دنیا کے بہترین اہلِ دماغ آتے ہیں اور سر ظفراللہ جیسی ہستی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔وہ دیو قامتوں میں یقیناً ایک دیو قامت شخصیت رکھتے تھے‘۔(خونابہ کشمیر از فضل احمد صدیقی ایم اے صفحہ نمبر ۲۴۷ بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۱۸۲ طبع سوم ۲۰۰۹ء)

ڈاکٹر عبدالسلام: خدمتِ پاکستان:



پاکستان میں ۱۹۵۹ء میں ممبر سائنس کمیشن، ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۴ء سائنسی مشیرِ اعلیٰ برائے صدر پاکستان، ۱۹۸۱ء۔۱۹۸۲ء میں صدر پاکستان ایسوسی ایشن برائے ترقی سائنس، ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۴ء بانی چیئرمین سپارکو اور ۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۴ء ممبر پاکستان اٹامک انرجی رہے۔۲۰۱۶ء میں ایک ٹی وی پروگرام میں مذکور درج ذیل کے مطابق پاکستانی ایٹم بم کا ڈیزائن بھی ان کی سرکردگی میں بنا تھا: ’۱۹۷۲ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستانی سائنس دانوں کو مدعو کیا تھا ملتان میں اور اُن سے کہا تھا کہ میں (ایٹم) بم بنانا چاہتا ہوں اور آپ میں سے کون بم بنا سکتا ہے تو اُدھر جو سارے سائنس دان تھے اُنہوں نے عبدالسلام کی قیادت میں یہ کام شروع کیا تھا۔پروفیسر عبدالسلام ایٹمی پروگرام سے کچھ عرصہ منسلک رہے تھے۔۷۲ء سے اور ۷۴ء سے کچھ آگے تک بھی...اے کیو خان ۷۶ء کے بعد اس میدان میں اترے جب کہ ایٹم بم کا ڈیزائن بن کے تیار ہو چکا تھا، بم کا ڈیزائن پروفیسر ریاض الدین (تیار) کر رہے تھے جو پروفیسر عبدالسلام کے شاگرد تھے...شاگرد (ڈاکٹر ریاض الدین) نے لکھا ہے اپنی کتاب میں کہ (ایٹم بم کا ڈیزائن اپنے) اُستاد (ڈاکٹر عبدالسلام) کی سرکردگی میں (تیار) کیا۔

(ڈاکٹر عبدالحمید نیئر و ڈاکٹر پرویز ہود بھائی۔پروگرام کراس چیک کیپٹل ٹی وی مورخہ ۱۰ دسمبر ۲۰۱۶ء بحوالہ http://youtu.be/mqg8UqUtB-g) ’پروفیسر عبدالسلام نے پاکستان میں سائنس کی ترقی میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں‘۔(مضمون ڈاکٹر منیر احمد خان مطبوعہ روزنامہ آج کل ۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۶) ’انہوں نے اپنے پیچھے تیسری دنیا اور خصوصاً پاکستان میں ہزاروں اعلیٰ تربیت یافتہ سائنس دان چھوڑے ہیں جو اکیسویں صدی میں ان کے مشن کو جاری رکھیں گے‘۔(تحریر ڈاکٹر منیر احمد خان مطبوعہ روزنامہ آج کل ۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۳۳۱)

’پاکستان کے ماہرین طبیعات کی ایک بڑی تعداد نے ...اس مرکز سے استفادہ کیا ہے‘۔(مضمون PINSTECH کے چیف سائنٹسٹ این ایم بٹ مطبوعہ دی نیوز ۱۱ جنوری ۱۹۹۸ء بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۲۹۷) ’ڈاکٹر سلام کی درخواست پر امریکی صدر جان ایف کینیڈی نے ماہرین کی ایک ٹیم پاکستان بھجوائی جس نے کئی لاکھ ایکڑ زمین کو برباد ہونے سے بچا لیا‘۔(مضمون زینب محمود مطبوعہ ہفت روزہ فرائیڈے ٹائمز لاہور ۱۹ نومبر ۲۰۰۴ء) ’دنیا نے انہیں ۲۷۴ سے زیادہ ایوارڈ، اعزازات اور انعامات دیئے ان کے ساتھ ملنے والی رقوم کا تخمینہ کروڑوں ڈالر تک پہنچتا ہے۔اس شخص نے یہ رقم اپنی ذات کی بجائے پاکستان اور تیسری دنیا کے ذہین اور ضرورت مند طلبہ کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق پر خرچ کئے‘۔ (تحریر زاہدہ حنا مطبوعہ اخبار ایکسپریس ۳ دسمبر ۲۰۰۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر ۳۲۹) ’سلام نے ۱۹۷۴ء میں لاہور میں منعقدہ پہلی اسلامی کانفرنس کے موقع پر اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے قیام کی تجویز پیش کی‘۔

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۱۳۶ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

کارنامے:

’آپ کی سائنسی کامیابیوں کے علاوہ انٹرنیشنل سینٹر برائے تھیوریٹیکل فزکس ICTP کا قیام اس صدی کی سب سے بڑی کامیابی ہے‘۔

(تحریر سائنس داں انیس عالم مطبوعہ دی نیشن ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ٔ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ نمبر

۲۹۷) 'وہ یہ مرکز (نظریاتی سائنس کا بین الاقوامی مرکز ICTP) پاکستان میں قائم کرنا چاہتے تھے لیکن ایوب خان کے مشیروں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور سلام کو اسے اٹلی میں قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔'

(مضمون فرحت اللہ بابر مطبوعہ دی نیوز ۲۵ دسمبر ۲۰۰۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۹۵)

پزیرائی:

'دنیا بھر میں شائد ہی کوئی ایسی علمی شخصیت گزری ہو جسے اتنے اعلیٰ درجہ کے خطابات، انعامات، میڈل اور اعزازی اسناد سے نوازا گیا ہو جتنا اب تک سلام کو'۔

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۱۷۶ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

۱۹۷۹ء میں اُنہیں پاکستان کا عظیم ترین سول ایوارڈ نشانِ امتیاز دیا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں انہیں اردن کا نشانِ استقلال، اٹلی کا نشانِ میرٹ اور وینزویلا کا نشان اندرس بیلو دیا گیا۔ انہیں ۲۳ ممالک کی ۳۶ یونیورسٹیوں کی طرف سے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری دی گئیں۔' عالم اسلام کے پہلے نیوٹن عبدالسلام ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ کو پیدا ہوئے'۔ (کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۱۷ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی) 'عبدالسلام برصغیر ہندو پاک بلکہ اسلامی دنیا کے پہلے سائنس دان تھے جنہیں کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچرار کے عہدے کی پیش کش کی گئی'۔

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۵۹ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

'۳۱ سال کی عمر میں کیمبرج کی لیکچرار شپ سے امپریل کالج لندن کے فل پروفیسر بن گئے۔ اس طرح وہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ... یہ اہم عہدہ حاصل کیا تھا'

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ۔ ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۶۴ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

'انہوں نے اتنی کم عمری میں سائنس کے میدان میں جو اکتسابِ علم کیا ہے اور جو تحیّر خیز کارنامے انجام دئے ہیں وہ ہم سب کے لئے فخر و مباہات کا باعث ہیں' (تقریر صدر ایوب ۴/ اگست ۱۹۵۹ء مندرجہ کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۱۰۵-۱۰۶ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی) 'وہ آج دنیائے سائنس کے متفقہ لیڈر ہیں'۔

(کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۸۵ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)

زمانہ اسکول سے ہی نابغہ:

'(میٹرک کے امتحان میں) انہوں نے کل ۸۰۰ نمبروں میں سے ۷۶۵ نمبر حاصل کئے جو کہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک ریکارڈ تھا جو اب تک کوئی نہیں توڑ سکا'۔ (Science for Peace and Progress Life & Work of Abdus Salam از انور دِل اقتباس مطبوعہ ڈیلی ٹائمز ۱۴ ستمبر ۲۰۰۸ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۲۸۰) 'میٹرک اور بی اے کے امتحانات میں تو انہوں نے پنجاب یونیورسٹی میں جو اعلیٰ ترین نمبر حاصل کئے وہ ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بی اے میں انہوں نے ہر مضمون میں الگ الگ ٹاپ کیا۔ یہ مضامین تھے انگلش انگلش لٹریچر (برائے آنرز) اور عملی ریاضی'۔

'انہوں نے کیمبرج میں آنرز ڈگری کا تین سالہ امتحان Tripos دو ہی سالوں میں مکمل کر لیا'۔ (کتاب ڈاکٹر عبدالسلام از ڈاکٹر عبدالغنی ترجمہ تورا کینہ قاضی صفحہ نمبر ۲۹ و ۳۰ مطبوعہ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی) 'ڈاکٹر عبدالسلام نے گورنمنٹ کالج کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی کے بی۔ ایس۔ سی اور ایم۔ ایس۔ سی کے امتحانات میں جو ریکارڈ قائم کئے تھے وہ آج بھی برقرار ہیں'۔

(روزنامہ مساوات لاہور ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۳۹۳)

ایم ایم احمد:



'جناب ایم ایم احمد کا شمار مملکت خداداد کے ایسے ہی (لیاقت اور صلاحیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ) بڑے دماغوں اور اعلیٰ منتظموں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے پاکستان کی انتظامی اور مالی تشکیل اور استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا وہ مختلف اوقات میں پاکستان کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ مرکزی سکریٹری خزانہ رہے۔ محکمہ کے مالیات کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہیں۔ پلاننگ کمیشن جیسے انتہائی مشکل اور حساس شعبے کی سربراہی پر وہ فائز رہے۔ انہوں نے اسکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان اور زیڈ اے بھٹو کی حکومتوں میں بھرپور طریقے سے متعینہ فرائض کی ادائیگی کی'۔ (کتاب ایم ایم احمد کے انکشافات از قیصر شاہد صفحہ نمبر ۹ مطبوعہ دنیا پبلیشرز بحوالہ تعمیر و ترقی ' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا

صفحہ نمبر ۴۲۵۔۴۲۶)'اس وقت (۲۶ جنوری ۱۹۶۷ء) منصوبہ بندی کمیشن کے سربراہ ایم ایم احمد تھے۔ جو سول سرونٹس میں سے اعلیٰ اور بہترین تھے۔ جن کو مالیات اور ترقیاتی میدان میں وسیع تجربہ حاصل تھا'۔

(Diaries of F.M M.Ayub Khan صفحہ نمبر ۵۴ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۷ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۰۷)

'ایم۔ایم۔احمد ہمارے بہترین افسران میں سے ہیں اور انہوں نے پلاننگ کمیشن کے سربراہ کے طور پر زبردست کام کیا ہے۔ مجھے ان پر پورا پورا اعتماد تھا اور مَیں ان کی بھرپور حمایت کرتا رہا ہوں'۔(Diaries of F.M M.Ayub Khan صفحہ نمبر ۳۰۷ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۷ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۱۲)'صدر یحییٰ خان کے مشیر برائے اقتصادی امور کی حیثیت میں وہ غالباً اپنے وقت کے سب سے طاقتور سول سرونٹ تھے اور انہیں مذکورہ بالا تینوں وزارتوں (تجارت، خزانہ، پلاننگ کمیشن) کے اختیارات حاصل تھے...محترم میاں صاحب متفقہ طور پر بہترین لوگوں میں سے بھی بہترین تھے۔ وہ ان تمام لوگوں سے جن کا ان کے ساتھ واسطہ پڑا عزت و احترام سمیٹتے ہوئے اپنی پیشِ نظر بلندیوں اور رفعتوں کو طے کرتے چلے گئے'۔(تحریر منیر عطاء اللہ مطبوعہ دی نیشن ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء اور ڈان ۲ اگست ۲۰۰۲ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۴۸۔۴۴۹)'۱۹۶۰ء کا عشرہ ہماری قومی پیداوار کے اعتبار سے بہترین وقت ہے جب سالانہ پیداوار میں ساڑھے چھ سے سات فی صد تک اضافہ ہوتا تھا۔ اس وقت پاکستان کی صنعتی پیداواری ترقی بلند ترین سطح پر تھی یعنی ۱۲ فی صد، ہماری سرمایہ کاری میں ۱۴ فی صد کا اضافہ ہوا اور افراطِ زر کی صرف دو فی صد کی شرح تھی'(تحریر سرتاج عزیز مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین ۲ جون ۲۰۰۲ء صفحہ نمبر ۵ بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۰۲)'۱۹۶۰ء کے عشرے میں جنوبی کوریا کے افسران اور قومی منصوبہ بندی کے کام سے منسلک افراد پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن اور دیگر اداروں میں تربیت حاصل کرنے آتے تھے'۔(تحریر ماہر معاشیات ایم آفتاب مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت ۱۰ اگست ۱۹۹۷ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۰۲)اس سنہرے وقت میں ایم ایم احمد پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین تھے اور یہ کامیابیاں آپ کی رہین تھیں۔'وہ وطنِ عزیز سے بے حد پیار کرتے تھے اور اس کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنی پوری اور انتہائی فعال زندگی وقف کردی تھی...ایم ایم احمد نے اپنا سب کچھ پاکستان کے لئے نچھاور کردیا'۔

(تحریر شاہد جاوید برکی مطبوعہ روزنامہ ڈان ۶ اگست ۲۰۰۲ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۵۱، ۴۵۶)

جنرل اختر حسین ملک:



'شیر دل جرنیل اختر حسین ملک کو جو واقعی شیروں کی طرح دشمن پر جھپٹ جھپٹ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ پیچھے بھیج کر یحییٰ خان کو اس کی جگہ بھیجا'۔(تحریر کرنل صدیق راجہ مطبوعہ ماہنامہ حکایت لاہور ماہنامہ فروری ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۵۷ بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۴۸)'چھمب اور جوڑیاں کے محاذ پر جنرل اختر حسین ملک نے جس بے اندازہ شجاعت اور حیرت انگیز عسکری مہارت سے دشمن کی 'سیگفرڈ لائن' کی اینٹ سے اینٹ بجادی اس پر ہر پاکستانی فوجی اور ہر پاکستانی باشندہ صدیوں تک فخر کرے گا'۔

(مضمون احمد ندیم قاسمی مندرجہ روزنامہ جنگ لاہور ۷ ستمبر ۱۹۹۸ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۸۰)

دہلی کی سر زمین نے پکارا ہے ساتھیو
اختر ملک کا ہاتھ بٹاتے ہوئے چلو
اس کے سوا جہاد کے معنی ہیں اور کیا
اسلام کا وقار بڑھاتے ہوئے چلو

(شاعر شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان ۱۳ ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۲)

'لیفٹننٹ جنرل اختر حسین ملک ملک و قوم کے ایک ایسے ہیرو تھے جن کا نام پاکستانی بچوں کو بھی یاد ہے جب ان کی سرکردگی اور نگرانی میں پاکستانی افواج چھمب اور جوڑیاں کے آہنی مورچوں کو مسمار کرتی ہوئی جموں کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنرل اختر حسین ملک پاکستانیوں کی بہادری، استقامت اور اولوالعزمی کی ایک مجسم تصویر بن کر ابھرے اور اہل پاکستان کے ذہنوں پر چھا گئے'۔

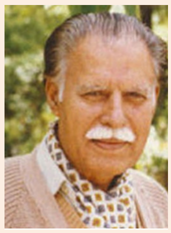
(تحریر احمد ندیم قاسمی مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ۴ ستمبر ۱۹۶۹ء بحوالہ تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۷۹)

'۱۹۶۵ء کی جنگ کے تذکرے کے دوران بھٹو صاحب نے جنرل اختر ملک کی بے حد تعریف کی۔ کہنے لگے اختر ملک ایک باکمال جنرل تھا اور فن سپہ گری کو خوب جانتا

تھا۔اس جیسا جنرل پاکستانی فوج نے ابھی تک پیدا نہیں کیا‘(بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن از کرنل رفیع الدین صفحہ نمبر ۶۶ بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۸۲)

’جنرل اختر حسین ملک کو فوت ہوئے اگرچہ کئی سال گزر چکے ہیں لیکن فوج کے اندر آج بھی ان کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔وہ بڑے بہادر اور جنگ جو قسم کے کمانڈر تھے وہ ایسے جرنیوں میں سے تھے جو جذبۂ شہادت سے سرشار ہوتے ہیں۔ جو طاقتور دشمن کے سامنے بھی بڑے بڑے خطرات مول لے لیتے ہیں‘۔
(تحریر تجزیہ نگار معین باری مندرجہ روزنامہ جنگ ۷ اگست ۱۹۸۵ بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۸۰)‘
میرے نزدیک جنرل اختر حسین ملک عظیم سپاہی اور جنرل تھے‘۔ یہ وہ جواب تھا جو جنرل نصیر اختر سابق کمانڈر کراچی نے اس سوال کا دیا کہ:’آپ کو پاکستانی جرنیوں میں کون سب سے زیادہ پسند ہے‘ ؟ مندرجہ اخبار جنگ سنڈے میگزین ۸ جون ۲۰۰۳ء بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۸۲‘)

جنرل عبدالعلی ملک:



’فورس کمانڈر بریگیڈیئر عبدالعلی ملک نے چونڈہ میں دشمن کی اسلحہ اور افرادی طاقت میں کہیں زیادہ فوج کو ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ دشمن نے چونڈہ پر قبضے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے۔بے تحاشہ گولہ باری اور بمباری کی اور ہر طرف سے یلغار کر کے قبضہ جمانے کی کوشش کی لیکن فرض شناس اور پرعزم بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کی قیادت میں پاکستانی جانبازوں نے دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔دشمن نے مسلسل کئی روز اندھا دھند گولہ باری کی اور ہر طرف سے زور ڈالا جو کسی بھی فوج کی ہمت شکنی کے لئے کافی تھا لیکن بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کی دلاوری، ہمت ،اور سوجھ بوجھ نے دشمن کی ایک نہ چلنے دی... بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کو ان کی عظیم خدمات کے صلے میں ہلالِ جرأت کا اعزاز دیا گیا‘۔
(روزنامہ امروز ۲۵ ستمبر ۱۹۶۵ء بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۵۰۲)
’جنرل ٹکا خان نے...کہا کہ جب مَیں نے سیالکوٹ میں کنٹرول سنبھالا تو اس وقت جنرل عبدالعلی چونڈہ کے محاذ پر دشمن کے دانت کھٹے کر رہے تھے۔اگرچہ انہیں دشمن کے ٹینکوں کا سامنا تھا‘۔(اخبار خبریں مؤرخہ ۶ ستمبر ۱۹۹۳ء بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۹۳)‘
راقم جہلم میں...جنرل عبدالعلی کا چیف اسٹاف آفیسر تھا۔میرا مشاہدہ یہ ہے کہ مَیں نے جنرل علی جیسا قابل اور بیدار مغز افسر اور اچھا انسان نہیں دیکھا‘۔
(تحریر بریگیڈیئر شمس الحق قاضی مطبوعہ اخبار نوائے وقت ۲۱ فروری ۲۰۰۸ء بحوالہ تعمیر وترقی ’پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر ۴۹۴)

میجر جنرل افتخار جنجوعہ شہید:



۱۹۶۵ء میں بریگیڈیئر افتخار جنجوعہ ہیرو آف رن کچھ کہلائے کہ آپ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اگلی صفوں میں جنگ لڑی اور زخمی بھی ہوئے لیکن دشمن کے وسیع علاقہ پر پاکستانی پرچم لہرا دیا۔اس شجاعت اور بہادری کے اعتراف میں آپ کو دوسرا بڑا فوجی اعزاز ہلال جرأت ملا۔ ۱۹۷۱ء میں رَن کچھ کے اس احمدی فاتح میجر جنرل افتخار جنجوعہ کے سپرد کشمیر محاذ تھا۔آپ ایک بار پھر فاتح ہوئے اور چھمب دوسری بار ایک اور احمدی کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ وطن کا یہ جیالا محاذ پر اگلے مورچوں تک جاتا تھا۔ایسی ہی ایک مہم میں ان کا ہیلی کاپٹر بھارتی فوجیوں کی زد میں آ گیا اور اس بہادر جرنیل نے پاکستان کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔میدانِ جنگ میں کسی پاکستانی جرنیل کی یہ پہلی اور آخری شہادت ہے۔
بہادری کے اس عظیم کارنامے پر جنرل افتخار جنجوعہ کو ایک بار پھر ہلال جرأت دیا گیا اور چھمب کا نام ان کے نام پر افتخار آباد رکھا گیا۔

ماہر لسانیات شیخ محمد احمد مظہر:

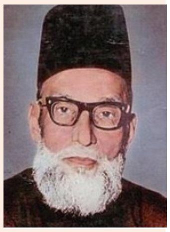


عربی زبان کے تمام زبانوں کی ماں ہونے کے اثبات میں حضرت مسیح موعود نے کتاب منن الرحمن میں جو اصول بیان فرمائے تھے ان کے مطابق تحقیق کر کے مکرم شیخ صاحب دنیا کی ۵۱ زبانوں کے بارہ میں ان کا عربی سے آغاز ہونا ثابت کیا اور اس موضوع پر کئی کتابیں شائع کیں۔آپ کی کتاب Arabic the source of all languages پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا:’کتاب زیرِ نظر کا ہر صفحہ حیرت انگیز و دل آویز ہے۔مصنف کے دریافت کردہ فارمولے روشن مثالوں سے مزین کئے گئے ہیں اور جو بات بظاہر ناممکن نظر آتی ہے وہ ایک حسابی صداقت کی طرح پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی‘۔(پاکستان ٹائمز لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۲)

دوسری کتاب English Traced to Arabic نومبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔مؤقر ادبی رسالہ صحیفہ نے لکھا: ’مصنف نے لسانیت کے شعبہ میں ایک ایسا صحیح اور محکم نظریہ پیش کیا ہے جس سے السّنہ عالم کے ادبی ماخذ کے متعلق اختلافات ختم ہو جانے چاہئیں۔تیسری کتاب Sankskirat Traced to Arabic نے بھی بہت سے اہل علم اصحاب سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۳)

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی :



آپ اردو زبان کے نامور محقق اور ۶۰ کے قریب کتب کے مصنف و مترجم تھے۔حکومتِ پاکستان نے آپ کو علمی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۷۰ ء میں تمغہ حسن کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ دیا۔

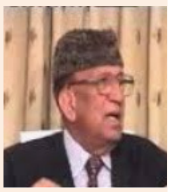
(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۳)

قلندر مومند:



اصل نام صاحبزادہ حبیب الرحمن ہے۔پشتو زبان کے ماہر، پشتو کی ایک لغات کے مصنف، پشتو زبان کے نامور شاعر، افسانہ نگار اور صحافی تھے۔کئی کتابوں کے مصنف تھے۔آپ کی تنقید کی کتاب ایم اے پشتو کے نصاب میں شامل کی گئی۔آپ کی علمی خدمات کے عوض ۱۹۷۹ء میں آپ کو تمغۂ حسن کارکردگی اور ۱۹۹۱ء میں ستارۂ پاکستان کا اعزاز ملا۔ (بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۳)

ڈاکٹر جنرل محمود الحسن :



فوج میں اعلیٰ خدمات کے صلہ میں ہلال امتیاز، ستارۂ امتیاز اور تمغۂ امتیاز (ملٹری) کے حق دار ہوئے۔صدرِ پاکستان کے مشیر سرجری رہے۔ڈائریکٹر سرجری پاکستان آرمی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۴)

ڈاکٹر قاضی محمد بشیر:

ڈاکٹری کے اپنے شعبہ میں کمال حاصل تھا۔انگریز حکومت نے آپ کو ۱۹۳۰ء میں خان اور ۱۹۳۶ء میں خان بہادر کے خطاب دیئے۔۱۹۵۱ء میں آپ کو اعزازی کرنل کا عہدہ دیا گیا۔۱۹۶۱ء میں آپ کی میڈیکل پروفیشن میں نمایاں خدامات کے صلہ میں ستارۂ امتیاز کا اعزاز دیا گیا۔آپ کی وفات کی خبر دیتے ہوئے اخبار پاکستان ٹائمز لاہور نے لکھا: ’The chapter of surgery is closed‘ ترجمہ: سرجری کا باب بند ہو گیا ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۴۔۱۳۵)

میجر جنرل ڈاکٹر نسیم احمد :



آپ ملک کی چوٹی کے آئی سرجن تھے۔آپ پاک آرمی میں میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی پانے والے پہلے ماہر امراضِ چشم تھے۔آپ کو ۱۹۹۶ء میں صدرِ پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل دیا گیا۔سعودی عرب کے فرمانرواشاہ فیصل نے بھی آپ سے آپریشن کرایا۔

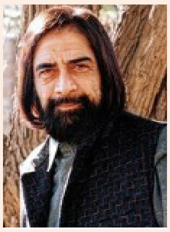
(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۵۔۱۳۶)

ڈاکٹر میر مشتاق احمد:



معروف سائنس دان ڈاکٹر مشتاق احمد کو ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں ۱۹۶۵ء میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے ستارۂ خدمت کا اعزاز دیا گیا۔ ۱۹۹۰ء میں پاکستان اکیڈمی آف سائنس نے واٹر مینجمنٹ میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے گولڈ میڈل دیا۔۱۹۹۴ء میں پاکستان انجینئرنگ کونسل نے انہیں بعد از وفات گولڈ میڈل دیا۔ (بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۷۔۱۳۸)

عبید اللہ علیم:



اردو کے نامور شاعر جن کا شمار دورِ حاضر کے بہترین غزل گو شعراء میں ہوتا ہے۔ان کا پہلا مجموعۂ کلام ’چاند چہرہ ستارہ آنکھیں‘ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔جس پر آپ کو اس وقت کا سب سے بڑا آدم جی ادبی انعام دیا گیا۔

ستارہ بروج اکبر:



احمدی ستارہ بروج اکبر دنیا بھر میں ۱۱ سال کی عمر میں ’O‘ لیول امتحان پاس کرنے والی سب سے کم عمر طالبہ ہیں۔انہوں نے پانچ مضمون بشمول میتھ، فزکس، کیمسٹری، اور بیالوجی پاس کئے۔اس کے علاوہ وہ ساڑھے سات میں سے سات نمبر لے کر IELTS پاس کرنے والی پاکستان کی سب سے کم عمر امیدوار بھی ہیں۔(ڈان کراچی ۱۳ راگست ۲۰۱۱ء)انہیں صدرِ پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے Talented children's Award دیا گیا۔

اپنے اپنے شعبوں میں اعلیٰ مہارت رکھنے والے چند مشہور نام: قاضی محمد اسلم :

ملک کے سنیئر ترین ماہرین تعلیم میں سے ایک۔گورنمنٹ کالج لاہور اور تعلیم

الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل رہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں ۱۵ سال تک اعلیٰ عہدوں پر رہے۔ بشمول بانی چیئرمین شعبہ فلسفہ اور تین سال تک پہلے اقبال پروفیسر، ۸ سال کراچی یونیورسٹی سے منسلک رہے۔ آپ آل پاکستان فلاسفیکل کانگریس کے سیکریٹری اور صدر رہے۔ سائیکلوجی کانگریس کے بانی صدر رہے۔ جرمن زبان میں شائع ہونے والے ایک مشہور انسائیکلوپیڈیا کے مضمون نگاروں میں آپ واحد مشرقی فرد تھے۔ آپ کا مقالہ سائیکلوجی اور اسلام کے موضوع پر تھا۔ (بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۶)

جسٹس شیخ بشیر احمد:

آپ ایک نامور ماہر قانون تھے اور پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان:



آپ فزکس کے میدان میں علمی حلقوں میں ایک جانی پہچانی شخصیت تھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ماہرین تعلیم میں ایک ممتاز فرد تھے۔ نیوکلیئر فزکس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں آپ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے شعبہ فزکس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں نئی تعلیمی پالیسی کے بارے میں حکومتی تجاویز پر نظرِ ثانی کمیٹی کے سیکریٹری رہے۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۸)

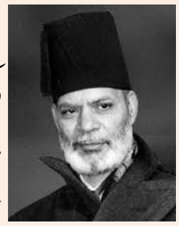
قمر اجنالوی:

آپ برصغیر کے منفرد اور ممتاز شاعر، نامور ادیب، ناول نگار اور بلند پایہ صحافی تھے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ علم و ادب کی تخلیق میں گزارا۔ ۳۰ سے زائد مشہور ناول تخلیق کئے۔ متعدد کتب پر ایوارڈ ملے۔ مشہور اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔

(بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست ۱۹۹۷ء صفحہ نمبر ۱۳۹)

پاکستانی احمدیوں کی عظیم کامیابیاں:

ا۔ اعلیٰ مناصب: حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب:



باؤنڈری کمیشن میں قائدِ اعظم کے منتخب کردہ مسلم لیگ کے وکیل۔ اقوامِ متحدہ میں پہلے پاکستانی وفد کے قائدِ اعظم کے مقررہ سربراہ۔ پاکستان کے پہلے سات سال میں قائدِ اعظم کے مقرر کردہ وزیرِ خارجہ۔ اقوامِ متحدہ میں دوسرے پاکستانی وفد کے قائدِ اعظم کے آخری دستخط سے مقرر کردہ سربراہ۔ عالمی عدالتِ انصاف کے جج اور پھر نائب صدر۔ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے۔ جنرل اسمبلی کے صدر عالمی عدالت انصاف کے جج اور پھر صدر۔

ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب:

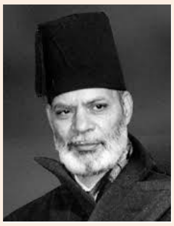


ممبر سائنس کمیشن۔ سائنسی مشیرِ اعلیٰ برائے صدرِ پاکستان۔ صدر پاکستان ایسوسی ایشن برائے ترقیٔ سائنس۔ بانی چیئرمین سپارکو۔ ممبر پاکستان اٹامک انرجی کمیشن۔ ایم ایم احمد صاحب:۔ ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن مشیر صدرِ پاکستان بعہدہ وزیرِ خزانہ۔ ڈاکٹر جنرل محمود الحسن:۔ مشیر سرجری صدرِ پاکستان

ڈاکٹر میجر جنرل نسیم احمد صاحب آئی سرجن:

پاک آرمی میں میجر جنرل کے عہدہ پر پہنچنے والے پہلے ماہرِ امراضِ چشم۔

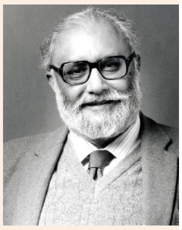
کارہائے نمایاں:



حضرت مصلح موعود کی پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لئے بے مثل راہنمائی۔

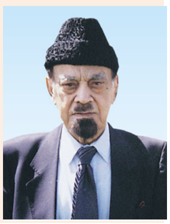
حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب: اقوامِ متحدہ میں مسئلہ فلسطین پر شاندار تقریر۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے آخری کامیابی کا حصول۔ اسلامی ممالک تیونس، مراکش، الجزائر، اور لیبیا کی آزادی و خودمختاری کے لئے کامیاب کوشش۔

ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب:



کئی لاکھ ایکڑ زمین کو سیم و تھور سے برباد ہونے سے بچانے کے لئے امریکی ماہرین بلوانے کی کامیاب کوشش کرنا۔ ۱۹۷۴ء میں لاہور میں منعقدہ پہلی اسلامی کانفرنس میں اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کے قیام کی تجویز پیش کرنا۔ نظریاتی سائنس کا بین الاقوامی مرکز (ICTP) پاکستان میں قائم نہ کر سکنے پر اسے اٹلی میں قائم کرنا اور پاکستان کے ماہرینِ طبیعات کی ایک بڑی تعداد کا اس سے استفادہ کرنا۔ انعامات میں ملنے والی تمام رقوم کو پاکستان اور تیسری دنیا کے ذہین اور ضرورت مند طلباء کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ کرنا۔ پاکستانی ایٹم بم ڈیزائن کرنے والی ٹیم کی راہنمائی کرنا۔

ایم ایم احمد صاحب:



۱۹۶۰ء کے عشرہ میں بلند ترین شرح قومی پیداوار اور سرمایہ کاری اور کم ترین شرح افراطِ زر کا حصول۔ پاکستان کی اس اعلیٰ معاشی ترقی کا رول ماڈل بننا اور اس کے مطابق کوریا کے افسران کا

تربیت پانا۔

اعزازات: حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب: ۱۹۵۳ء میں شاہ حسین نے اردن کا سب سے اعلیٰ اعزاز 'ستارہٗ اردن' دیا۔ ۱۹۶۲ء میں شاہ حسن نے مراکش کا سب سے بڑا اعزاز دیا۔

انتقال کی خبر پر اقوامِ متحدہ کے سیکریٹریٹ کا بند کیا جانا اور دوبارہ کھلنے پر پہلے روز پرچم سرنگوں رکھا جانا۔ صدر جنرل اسمبلی اور عالمی عدالتِ انصاف کے صدر ہونے والے دنیا کے واحد فرد۔ عالمی عدالتِ انصاف کے جج ہونے والے پہلے اور آخری پاکستانی۔ عالمی عدالتِ انصاف کے صدر ہونے والے پہلے ایشیائی۔

ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب: پاکستان کے عظیم ترین سول ایوارڈ نشانِ امتیاز دیا جانا۔ اردن، اٹلی اور وینز ویلا کے اعلیٰ نشانات دیا جانا۔ ۲۳ ملکوں بشمول امریکہ کی ۳۶ یونیورسٹیوں بشمول کیمبرج اور مسلم علی گڑھ کی طرف سے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگری دیا جانا۔ اسلامی دنیا کے پہلے سائنس دان جنہیں کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچرار کا عہدہ ملا۔

۳۱ سال کی عمر میں امپریل کالج کا مکمل پروفیسر بننا۔ پہلے مسلمان جنہوں نے یہ اہم عہدہ حاصل کیا۔ دنیا کی کسی بھی علمی شخصیت سے زائد ۲۷۴ سے زیادہ ایوارڈ، اعزازات اور انعامات ملنا۔

شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی:

علمی خدمات پر تمغۂ حسن کارکردگی Pride of Performance ملنا۔

قلندر مومند صاحب:

علمی خدمات پر تمغۂ حسن کارکردگی اور پھر ستارہٗ پاکستان ملنا۔

ڈاکٹر جنرل محمود الحسن صاحب:

اعلیٰ فوجی خدمات پر ہلال امتیاز، ستارہٗ امتیاز، اور تمغۂ امتیاز (ملٹری) ملنا۔

ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب:

میڈیکل پروفیشن میں نمایاں خدمات پر اعزازی کرنل اور ستارہٗ امتیاز ملنا۔ اور آپ کی وفات پر اخبار پاکستان ٹائمز لاہور کا لکھنا

The chapter of surgery is closed.

ڈاکٹر میجر جنرل نسیم احمد صاحب آئی سرجن:

صدرِ پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل ملنا۔

سائنس دان ڈاکٹر میر مشتاق احمد صاحب:

حکومت پاکستان سے ستارہٗ خدمت، پاکستان اکیڈمی آف سائنس سے گولڈ میڈل اور پاکستان انجینئرنگ کونسل سے گولڈ میڈل ملنا۔

عبید اللہ علیم: آدم جی ادبی انعام ملنا۔

ستارہ بروج اکبر: صدر پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے Talented Childern's Award ملنا۔

بلند ترین معیار قائم کرنا: میٹرک کے امتحان میں ۸۰۰ میں سے ۷۶۵ نمبروں کا حصول۔ پنجاب یونیورسٹی کا ایک ایسا ریکارڈ جو اب تک کوئی نہ توڑ سکا۔ بی۔ اے کے امتحان میں اعلیٰ ترین نمبروں کا حصول جو ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بی۔ اے کے امتحان میں تینوں پرچوں میں الگ الگ ٹاپ کرنا۔ کیمبرج کا تین سالہ آنرز ڈگری امتحان Tripos دو سال میں مکمل کرنا۔ 11 سال کی عمر میں او لیول پاس کر کے دنیا بھر میں سب سے کم عمر طالبہ کا اعزاز پانا۔

IELTS پاس کرنے والی پاکستان کی سب سے کم عمر طالبہ کا اعزاز پانا۔

حرفِ آخر:

پاکستان کی خدمت کی ان اعلیٰ ترین مثالوں کو قائم کرنے والے احمدیوں سے ہی پاکستان کی شان ہے۔ یہ احمدی ہی پاکستان کا سرمایۂ افتخار، اس کی شناخت اور پہچان ہیں۔ احمدیوں نے ہی پاکستان بنایا اور انہوں نے ہی اسے شان عطا کیا اور یہی اُسے مزید چار چاند لگائیں گے۔

پاکستان ہمارا وطن ہے اور آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہمارا اصول حیات ہے کہ حب الوطن من الایمان (موضوعات کبیر)

ترجمہ: وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح موعود کی یہ نصیحت جس طرح ہمارے بزرگوں کے پیش نظر رہی اسی طرح ہمارا بھی نصب العین ہے کہ: 'تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔ تمہیں اپنے وطن کو دنیا میں روشناس کرانا ہوگا۔ ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک دشوار کام ہے لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے... تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہیں۔ ایسی روایتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں'۔ (مشعل راہ جلد اول صفحہ ۵۶۱ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان طبع دوم)

پس حالات خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ محنت، جذبہ، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور دعائیں ہمارے اختیار میں ہیں۔ اس زادِراہ سے انجام کار کامیابی بھی ہماری ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے وطن سے محبت اور اس کی بہترین خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

***

حسینان عالم ہوئے شرمگیں



چوہدری نعیم احمد باجوہ

اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون عملاً اور سرعام رائج تھا۔ جو جتنا بڑا مجرم اتنا بڑا معزز تھا۔ بظاہر دین ابراہیم کے پیرو کہلانے والے عملاً دین حنیف سے کوسوں کیا ہزاروں کوسوں کی دوری پر تھے۔ اپنی پگڑی اونچی رکھنے کے لئے کچھ بھی کر جاتے اور پھر تکبر کرتے اور فخر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ معاشرہ، ذلت اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر کر گندگی اور عفونت کا عجیب وغریب مرکب بن چکا تھا۔ کہیں کہیں کسی دل میں سعادت کی ہلکی پھلکی روشن شمع بھی پریشان تھی۔ اس کے لئے کسی دوسرے کی راہنمائی کرنا اور تاریکی دور کرنا تو دور کی بات اپنی سمت قائم رکھنا ہی محال تھا۔ عام طور پر اسے دور جہالیت کہا جاتا ہے۔ شاید یہی ایک لفظ اس پورے تعفن زدہ، معاشرے کی کچھ عکاسی کر سکتا ہے۔

ایسے پرآشوب دور میں میرے آقا و مولا سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کا ظہور ہوا۔ آپ کے بابرکت وجود کا اثر صرف آپ کے ماننے والوں پر نہیں پڑا بلکہ پورے معاشرے پر ہوا۔ اور رہتی دنیا تک یہ چشمۂ فیض جاری و ساری ہے۔ آپ کو حقیقی معنوں میں ماننے والے تو ستارے بن گے۔ اور مینارہ روشنی ہوئے۔ قوموں نے ان سے روشنی پائی اور وہ اقوام عالم کے راہبر ٹھہرے۔ پر آپ کی عظیم الشان، عظیم المرتبت ہستی مبارک کا غیر محسوس اثر نہ ماننے والوں پر بھی ہوا۔ معاشرے کی اقدار بدل گئیں بلکہ کہنا چاہئے اقدار قائم ہوئیں۔ آپ ﷺ کو دیکھنے والے انگشت بدنداں تھے اور آج تک ہیں کہ کس قدر اعلیٰ معاشرے کی بنیاد مختصر ترین دور میں رکھ دی۔ اپنے آپ کو معاشرے کا فخر سمجھنے والوں کا نام نہ نشان مٹ گیا۔ اور آپ کے حسن کے سامنے منہ چھپاتے پھرنے لگے۔

حسینان عالم ہوئے شرمگیں ۔۔۔ جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اس وہ اخلاق اکمل تریں ۔۔۔ کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلق کامل زہے حسن تام ۔۔۔ علیك الصلوۃ علیك السلام

وجہ تخلیق کائنات، نبیوں کے سردار، افضل الرسل، خاتم النبین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے تو عالم کائنات بدل کے رہ گیا۔ ہم تاریخ عالم کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک آپ ﷺ کے ظہور سے پہلے کا دور ہے اور ایک بعد کی دنیا ہے۔ پھر آپ نے وہ کچھ کر دکھایا جو ناممکنات میں سے تھا۔ لیکن محبت ہے میرا پیغام جہاں تک پہنچے والا معاملہ تھا۔ دلائل و براہین ہیں میرے ہتھیار۔ انہی سے ہوگا دن آشکار۔

محبت سے گھائل کیا اُپ نے
دلائل سے قائل کیا آپ نے
جہالت کو زائل کیا آپ نے
شریعت کو کامل کیا آپ نے
بیاں کر دیئے سب حلال و حرام
عَلَيكَ الصَّلوٰةُ عَلَيكَ السّلام

دشمن جومبہوت کھڑا ہے۔ دلائل جس کے چکنا چور ہو چکے۔ جس کے زہرآلود تیر اپنا اثر کھو چکے۔ مقابلے کا اسے یارہ نہیں۔ وہ کیا کرے اب ہذیان گوئی کے علاوہ کیا کرے۔

مثل مشہور ہے کہ چاند پر تھوکنے والا اپنا منہ ہی گندا کرتا ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ اس کا ہے جسے رب کائنات نے چاند نہیں سورج قرار دیا ہے۔ اس پورے جوبن پر چمکتے سراج منیر پر تھوکنے والا نہ صرف اپنا منہ گندا کرتا ہے بلکہ جلایا بھی جاتا ہے۔ اس کی لپٹیں ہر بدخواہ کو اس دنیا میں ذلیل وخوار اور بھسم کرنے اور آخرت میں جلانے کے لئے کافی ہیں۔ تاریخ عالم اٹھا کر تو دیکھو۔ میرے محبوب ﷺ کا کون سا بدخواہ آج تک کامیاب ہوا۔ ذلت و نامرادی و ناکامی ہمیشہ ان کا منہ چڑاتی رہی۔

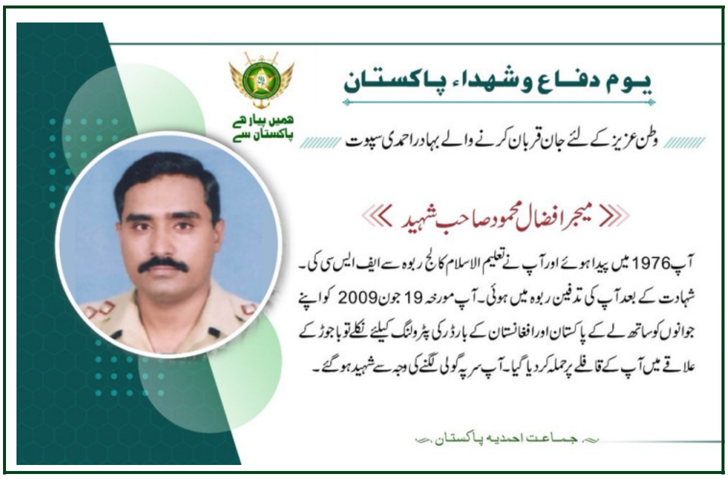
اپنی سیاہ بختی سے سراج منیر ﷺ پر حملہ کرنے والا یہ گیرٹ ویلڈرز پہلا دشمن نہیں اور نہ ہی آخری ہے۔ میرے نزدیک یہ اہم نہیں کہ دشمن کیا کر رہا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ اہم یہ ہے کہ ہم بطور مسلمان کیا کر رہے ہیں اور ہمیں کیا کرنا ہے۔ جتنی تاریکی بڑھ رہی ہے ہمیں اپنے دلوں کی لو اتنی بلند کرنا ہے۔ جتنے حملے

ذات مبارک ﷺ پر ہو رہے ہیں اتنا زیادہ میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کے نمونوں کو اپنانا ہے۔ ہمیں معاف کرنا ہے کہ ہم جانتے ہیں دشمن کو معاف کرنا کہ ہمارے آقا و مولیٰ نے یہ کر کے دکھایا۔ جس برتن میں جو ہے اس سے وہی باہر نکل سکتا ہے۔ گالی دینے والی گالی ہی دے گا۔ پر ہمارے آقا و مولیٰ نے تو ہمیں گالی دینا سکھایا ہی نہیں۔ ہم گالی دے کر کیوں اپنے محبوب کو ناراض کر لیں۔ ہمیں دورود سلام بھیجنے ہیں اپنے نبی ﷺ کی ذات پر اور آپ کی آل پر۔ ہمیں درود و سلام کی صداؤں سے بھرنا ہے اس عالم کی فضا کو۔ اتنا درود پڑھیں کہ کائنات عالم زبان حال سے پکار اٹھے۔

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

حقوق قائم فرمانے والے آپ۔ بچوں سے شفقت کا سلوک کرنے والے آپ۔ ہمسائیوں کے حقوق قائم فرمانے والے آپ۔ معاشرے کے کمزور طبقات کو اٹھا کر بلند کرنے والے آپ۔ غلاموں کو آزاد کرنے والے آپ۔ ان پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھانے والے آپ۔ عورتوں کے حقوق کی بات کرنے والے آپ اور پھر یہ حقوق قائم کر کے دکھانے والے آپ۔ ماں کے قدموں میں جنت کی بشارت دینے والے آپ۔ باپ کو جنت کا دروازہ کہنے والے آپ۔ مذہبی آزادی، رواداری کے چیمپئن آپ۔ امن کے سفیر آپ۔ رحمۃ اللعالمین آپ۔ خاتم النبیین آپ۔ فخر ولد آدم اور سید ولد آدم آپ۔ فتح نصیب جرنیل آپ۔ معارف کا قلزم بے کراں آپ۔ ساقی کوثر آپ۔

بہادری و جوانمردی کے نمونے دکھانے والے آپ۔ کمزور ہوتے ہوئے بھی توحید کی غیرت پر خاموشی توڑ کر دشمن کو للکارنے والے آپ۔ صفات جلال اور صفات جمال میں یکتا آپ۔ خلق کے ہر رنگ میں عدیم المثال آپ۔ مکارم اخلاق کے بلند تر مقام پر فائز آپ۔ ھادیوں سے بڑھ کر ھدایت دینے والے آپ۔ سب شجاعوں سے شجاع آپ۔ لشکر روحانی کے سردار آپ۔



مندرجہ بالا بیان کردہ چند ایک خصوصیات کے علاوہ بے شمار صفات کے حامل آپ ﷺ ہیں۔ اپنے مذہب اور عقیدے میں آپ ﷺ کے ہم پلہ نہ پا کر دشمن سیخ پا نہ ہو تو اور کیا کرے۔ اپنی جلن کا اظہار نہ کرے تو کہاں جائے۔ حسد کی آگ میں نہ جلے تو اور کیا کرے۔ کہ اس کا کھیسہ خالی ہو چکا۔ صداقت مدھم پڑھ چکی۔ دلائل ہوا ہو گئے۔ براہین کے میدان میں ہار چکا۔ زہر آلود تیر بے اثر ہو چکے۔ شاہسوار جہانگیر سینہ پر چڑھ چکا۔ دشمن اوندھے منہ گر کر مٹی چاٹ چکا۔

ضروری یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ اور ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم دنیا کو دکھادیں۔ جس نبی کو ہم مانتے ہیں وہ محمد ﷺ ہے۔ تم اس کا کوئی بھی نام رکھ لو وہ محمد تھا۔ محمد ہے اور محمد ہی رہے گا۔ یہ بگڑی شکلیں تمھاری اپنی ہی ہیں۔ یہ تمھارے گند ہیں اور تمھیں مبارک ہوں۔ ان کا میرے محبوب کوئی تعلق تھا نہ ہے۔ وہ تو نور ہے اور نور عطا کرنے والا ہے کہ

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر میرا یہی ہے

اگر ہم صحیح معنوں میں عاشق رسول ہو جائیں۔ آپ کی محبت سے لبریز ہو جائیں۔ آپ کی سیرت کے پیرو بن جائیں۔ عشق کے مقام طے کرتے ہوئے اسمقام تک جا پہنچیں کہ ہمارے درود سلام کا جواب دینے خود آپ کی روح پلٹ آئے۔ پھر ایک غیرت تو کیا یہ لاکھوں بھی ہوں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آیئے محبت کا عملی نمونہ درود سلام پڑھ کر اور سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر دکھادیں۔

بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفی نبیوں کا سردار

***





احمدیوں اور قادیانیوں کو ایک مفت مشورہ
فرام مولانا امیر حمزہ ایڈیٹر مجلہ لشکر طیبہ

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ



احمدی قادیانی نیلے کافر ہیں، پیلے کافر ہیں، اِن کے یہ عقائد درست نہیں اور ان کے وہ عقائد درست نہیں۔ یہ ایسا کرتے ہیں اور یہ ویسا نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ قومی اسمبلی میں ہم تمام مسلمانوں نے ان کو کافر قرار دیا مگر یہ ہیں کہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔ گزشتہ ایک صدی سے ہم ان کو سمجھا سمجھا کے تھک گئے ہیں۔ یہ ہر نقصان برداشت کر رہے ہیں مگر ہماری بات پر کان دھرنے پر آمادہ نہیں۔ گزشتہ دنوں میں ہمارے مجاہد ختم نبوت نے ''قادیانیو تمہیں اسلام بلاتا ہے'' جیسی معتبر کتاب لکھ کر کچھ سمجھانے کی کوشش کی اور انہیں بتایا کہ اگر آپ ''ہمارے بتائے ہوئے رستے'' پر چل کر ''اسلام'' میں داخل ہو جاؤ تو ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں آپ بھی ہماری طرح قومی اسمبلی کی سیٹ تو کیا سینٹ کی برکات سے بھی متمتع ہو سکیں گے اور جو امریکہ سے ڈالروں کی بوریاں آئیں گی تو آپ بھی بخدا اس کے اتنے ہی حصہ دار ہو گے جتنے ہم۔ مگر برا ہو تعصب کا، بات سمجھنے کی بجائے یہ حضرات مزید خم ٹھونک کر سوشل میڈیا پر نکل آئے کہ اسلام بلاتا ہے کیا مطلب ہے؟ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں قرآن تلاوت کرتے، اللہ کی راہ میں مالی جانی قربانی کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ میں ساری دنیا میں مصروف ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے دل وجان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے اس بے جا اصرار پر آخری اتمام حجت کے لئے جناب مولانا امیر حمزہ صاحب نے بیڑہ اُٹھایا اور اپنی گونا گوں مصروفیت سے ٹائم نکال کر ایک 245 صفحات پر مبنی ایک قیمتی سرمایہ تحریر کر دیا ہے اب ان احمدیوں اور قادیانیوں کے لئے اس سوال کے ساتھ کوئی جائے فرار نہیں ہے کہ جو ڈھٹائی سے یہ پوچھتے پھرتے ہیں۔

* ۔آخر وہ کون سا اسلام ہے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہو؟
* ۔آخر وہ کون سے اصلی اسلامی اعمال ہیں جن سے ہم روگردانی کئے بیٹھے ہیں؟
* ۔وہ کون سی ہستیاں ہیں جو آج کے اس دور میں اسلام کی اصلی اور سچی تصویر ہیں؟
* ۔اور آخر وہ کون سے عقائد ہیں جن سے ہم بیزار ہیں؟
* ۔اور ایسا کون سا ایسا اسلامی کام ہے جو ہم کریں تو ہم بھی پاکستان کی قومی اسمبلی کی رو سے پکے سچے اور سکہ بند مسلمان کہلانے والے بن جائیں۔ مولانا امیر حمزہ صاحب نے آپ لوگوں کے ان تمام سوالات کے تشفی بخش جوابات دیئے ہیں اپنی تحریر ''مذہبی وسیاسی باوے'' میں اور آپ کو بتایا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہلی فرصت میں ''اس اسلام'' میں آجاؤ اور ہمارے جیسے بن جاؤ، ہم آپ کو اپنے سینے سے لگا لیں گے۔ اگر نہیں تو ''پھر ہماری اسمبلی سے سدا کافر ہی رہو گے''۔ اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا حاضر ہے۔

1۔'' راقم نے بلوچستان اور کراچی کے ساحلوں سے لے کر اسلام آباد اور ''سرحد'' کے پہاڑوں تک پیروں اور ولیوں کے آستانوں کو دیکھا اور بعض سے ملاقاتیں بھی کی ہیں '' (ص23)

2۔لسبیلہ سے دیبل کی طرف آئیں تو راستے میں منگھا پیر کا دربار آئے گا۔ خاص چیز تالاب اور ان میں موجود مگر مچھ ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ بابا پیر کی جوئیں تھیں جواب بڑی ہو گئی ہیں۔ مرید بکرے کی قربانی کرتے اور گوشت مگرمچھوں کے سردار مگرمچھ کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ پھر اسے پھولوں کا ہار پہناتے ہیں۔ (ص50)

3۔'' وہاں ملنگوں کا ایک غول دکھائی دیتا ہے ان کے جسم سے بدبو کے بھبھوکے اُٹھ رہے تھے۔ ایک ملنگ کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ غالباً 80 سال کی عمر میں فوت ہوا اور کبھی نہیں نہایا۔ وہ سرکار کے تالاب عشق میں ہر وقت غوطے لگایا کرتا تھا'' (ص53)

4۔عبداللہ شاہ اصحابی کا مزار۔'' جنھیں جادو اور جنات کا مرض ہوتا ہے وہ یہاں آتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا جوان عورتیں سب مداریوں کی طرح بازیاں لگاتے ہیں اور پھر ایک جم غفیر ہوتا ہے جو یہ بازیاں ملاحظہ کرتا ہے'' (ص60)

5۔لٹن شاہ...'' ہندو۔ جو انسان کے مخصوص عضو کو بھی اپنا دیوتا مانے ہوئے ہے مگر یہاں لٹن شاہ کو دیکھو اور ہندووں کی پرستش کو بھول جاؤ'' (ص63)

6۔حضرت میاں متو جو اس مکلی کے قبرستان میں مدفون ہیں فرمایا جو ہمارے مزارات کے درمیان سے گزرے گا وہ بلا حساب جنت میں جائے گا''
(ص67)

7۔حضرت شیخ میاں اربعائی کا مزار بھی مکلی میں ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میرا وصال بھی 975ھ بروز بدھ ہوگا کیونکہ پیدائش بھی بدھ کے دن ہوئی تھی مگر

وصال منگل کو ہوگیا۔ جب جنازہ اُٹھنے لگا تو ٹھٹھ کی ایک عورت نے شیخ اربعائی کو اس کی بات یاد دلا دی جس کے مطابق وصال بدھ کو ہونا تھا۔ یہ بات سنتے ہی پیر اربعائی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور مسلسل بیٹھے رہے پھر جب بدھ کی رات آئی تو لیٹ گئے اور وصال کر گئے۔ (ص 68)

8۔قطب الاقطاب حضرت شاہ مراد کی پیدائش سے قبل ہی حضرت ''لنگوٹی شاہ'' نے آپ کی بشارت دی تھی۔جس شب آپ کی ولادت ہو رہی تھی ان لمحات میں آپ کی والدہ شدید دردزہ میں مبتلا تھیں۔ جب آپ کے والد گرامی سے ذکر کیا گیا تو انھوں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے کہ آپ کا بچہ اپنی ماں کے شکم میں پورا قرآن اور اس کے علوم پڑھ رہا ہے صرف ایک سبق باقی رہ گیا ہے، تھوڑی دیر صبر کرو! وہ خود بخود اس جہان میں جلوہ افروز ہونے والا ہے'' (ص 69)

9۔ یہ جو مکلی کی زمین ہے یہ وہ جگہ ہے جسے عرش پر بھی فوقیت ہے۔
(ص 71)

10۔ حیدرآباد کے مادرزاد ننگے ولی چھتن پیر... دربار کے اندر ایک پلنگ اور اس کے اوپر مسہری لگی ہوئی ہے۔ جن عورتوں کو اولاد لینی ہوتی ہے وہ اس پلنگ کو بوسے دیتی ہیں اس پر ہاتھ پھیر کر اپنے جسم پر پھیرتی ہیں اور بعض تو اس پلنگ کے نیچے لیٹ جاتی ہیں۔ سامنے ریشمی پردہ لٹک رہا ہے جس کے پیچھے حضرت ولی کامل چھتن شاہ قدس سرہ اور مدظلہ کی بالکل برہنہ تصویر ہے۔ عورتیں پردہ اٹھا کر اندر جاتی ہیں تصویر کو بوسہ دیتی ہیں اور سلامی دیتی ہیں۔ (ص 81)

11۔ ناںگا پیر ککڑ شاہ۔ سندہ کی تیسری بڑی گدی ملکانی شہر میں پیر ککڑ شاہ کی ہے۔ ہر مرید یہاں ککڑ لے کر آتا ہے۔ اور صرف ککڑ ککڑی نہیں کیونکہ بابا جی کو صرف ککڑ پسند تھے۔ آپ بالکل برہنہ جنگل میں گھوما کرتے تھے آگ ہمیشہ جلائے رکھتے جو مل جاتا کھا لیتے۔ ان کی عادت مبارکہ یہ بھی تھی کہ وہ ککڑ کے سالن میں چرس کی جلی ہوئی راکھ ڈال کر زیادہ شوق سے تناول فرماتے خوب حقہ پیتے اور اس کا پانی بھی نوش فرماتے۔ ان کے جسم کے سارے بال بڑھے ہوئے تھے انھیں بالکل نہ مونڈتے اور اس درگاہ میں جو تالاب ہے اس میں پڑے رہتے۔ وہ مجذوب اور ابدال بن چکے تھے شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے تھے'' (ص 87)

12۔ بھائی طارق محمود جو دربار پر ولائیت کی منزلیں طے کرنے جاتا ہے تو اس کا ننگا مرشد ایک روز اس کے ہاتھ میں پیالہ تھما دیتا ہے اس میں تھوکنا شروع کر دیتا ہے۔۔ تھوک تھوک کر پیالہ آدھا کر دیا تو اسے کہا کہ اسے پی جاؤ۔ سلوک کی منزلیں کراہت کر کے تو طے نہیں ہو سکتیں۔ میرا یہ مرشد اس قدر موٹا ہو گیا تھا کہ ایک قدم بھی چلنے کے قابل نہ تھا اور وہ یہیں بیٹھا قضائے حاجت کرتا تھا۔ اس نے مجھے ہاتھوں سے گندگی صاف کرنے کا حکم دیا میں نے حکم کی تعمیل کی کیونکہ یہ بات تو میں نے پہلے سے سن رکھی تھی کہ بزرگ آزمانے کے لئے گندی چیزیں کھانے کا بھی حکم دیتے ہیں اگر کھا لی جائیں تو بیڑہ پار اور اگر نفرت کی جائے تو معرفت وولائیت کی گاڑی مس ہو سکتی ہے چنانچہ میں نے اپنے ہاتھوں سے وہ گندگی صاف کی اگر حکم دیتے تو میں تھوک کی طرح پاخانہ کھانے سے بھی گریز نہ کرتا'' (ص 93)

13۔ دربار پر ایک بڑا درخت چھوٹی چھوٹی پنجالیوں سے لدا ہوا تھا۔ جب ککڑ پیش کر کے یہاں سے کسی کو پتر ملتا ہے اور جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس کے گلے میں پنجالی ڈال کر دربار پر لایا جاتا ہے سلام کیا جاتا ہے اور پھر یہ پنجالی اس درخت پر لٹکا دی جاتی ہے۔'' زرداری اور بینظیر صاحبہ بلاول کو لے کر اسی دربار پر حاضر ہوئے تھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ گلے میں پنجالی ڈالی تھی یا نہیں (ص 95)

14۔ حضرت لٹن شاہ کی قبر سے سیمنٹ کا ایک گولہ باہر نکلا ہوا دیکھا جو دربار سے باہر کئی میٹر تک چلا گیا تھا میں نے گدی نشین سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ یہی تو حضرت کی کرامت ہے حضرت لٹن شاہ صاحب دریائے سندہ کے ایک کنارے پر بیٹھ جاتے اور دوسرے کنارے پر رہنے والے مرید لٹن شاہ کے اس پل پر سے چل کر اس کے پاس آجاتے تھے۔ اس کی یاد میں یہ سیمنٹ کا گولہ ہے جو حضرت کی قبر سے نکلا گیا ہے'' (ص 100)

اب ان احمدیوں اور قادیانیوں کے لئے اس سوال کے ساتھ کوئی جائے فرار نہیں ہے کہ جو ''ڈھٹائی'' سے یہ پوچھتے پھرتے ہیں۔

* ۔ وہ کون سا اسلام ہے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہو؟

15...'' آج یہاں قرآن کی سنتا کون ہے؟ تصوف کی دنیا میں تو سنی جاتی ہے قوالوں اور گویوں کی اور ان کے منہ سے جو نکل جائے وہی درباری دنیا کا مذہب بن جاتا ہے'' (صفحہ 128)

16...'' شہباز قلندر...ہم نے سچ مچ یہاں مستی کے مناظر دیکھے۔ زائرین مرد اور عورتیں کمرا نما برآمدوں اور ایک بڑے سے ہال میں لیٹے ہوئے تھے ایک جگہ مستی لانے والی اشیاء کے کش لگ رہے تھے۔ اس دربار کی یہ انفرادیت ہے ہر شام دربار کے دروازے پر ڈھولکیوں کی تھاپ پر خوب دھمال ہوتی ہے تب مرد اور عورت کا کوئی امتیاز نہیں رہتا'' (صفحہ 130)

17...چاچڑ وانگ مدینہ دسے تے کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ بابا فرید ن تے باطن دے وچ اللہ (صفحہ 155)

18...''ڈیرہ غازی خان کے قریب لکھ داتا سخی سرور کا دربار ہے۔اسی دربار پر خوجہ اجمیری نے کہا تھا کہ ہماری بت پرستی درحقیقت حق پرستی ہے جو بخشی ہے رسول اللہ نے مدینہ جیسی بستی ہے اور خواجہ صاحب نے فرمایا کہ قیامت تک آپ کے مزار پر راگ رنگ اور ڈھول بجتا رہے گا'' (صفحہ 155)

19...''بابا بگے شاہ۔ملتان چونگی نمبر 14 پر ایک اور عیسائی ملنگ جو ہمیشہ ننگ دھڑنگ رہتا تھا اور اس کا ختنہ بھی نہیں تھا۔عورتوں کو ننگی گالیاں ارشاد فرماتا لیکن تھا زمانے کا ولی۔اس کے تھوک اور سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑے پر عورتیں دیوانہ وار پل پڑتیں'' (صفحہ 188)

19...''لاہور میں گھوڑوں اور بلیوں والی سرکار تو موجود ہے جبکہ گجرات میں کانواں والی سرکار اور کراچی میں مگر مچھوں والی سرکار مگر یہ جوناخنوں والی سرکار ہے گوجرانوالہ میں گاؤں کوٹلی مقبرہ دھوم دھام سے ان کا عرس ہوتا ہے۔پیر صاحب نمودار ہوئے تو اردگرد مرید ہو لئے۔صرف ایک ڈھیلی ڈھالی لنگوٹی باندھے ہوئے تھے پھر آپ نے لنگوٹی اتار کر کندھے پر ڈال لی۔تقدس کے لباس میں اب پیر صاحب مادر زاد ننگے تھے۔پھر پیر صاحب اپنے گندے،کالے سیاہ اور میل کچیل سے بھرے ناخن کو نمودار کیا...انگوٹھے کا یہ ناخن کافی لمبا تھا۔لوگ اس کی زیارت کر رہے تھے...حضرت سب پر گشت کر رہے تھے۔۔ایک عورت کو حکم دیا کہ ہاتھ لگائے بغیر کتوں کی طرح روٹی کھاؤ۔تب عورت زمین پر پڑی خشک روٹی کتے کی طرح کھانے لگی۔(صفحہ 210-211)

20...''عضو مخصوص کی پوجا والا دربار...کمالیہ میں ایک مزار بنا دیا گیا ہے جہاں انسان کے عضو مخصوص کی پوجا شرع کر دی گئی ہے۔یہ اعضاء وہاں لکڑی کے بنا کر رکھے گئے ہیں'' (ص 215و216)

21...صدر ایوب خان بھی ایک ننگے پیر کا مرید تھا جو مری کے جنگلات میں رہا کرتا تھا اور اپنے معتقدین کو گالیاں بکتا تھا اور پتھر مارتا تھا۔اس وقت کی آدھی کابینہ اور ہمارے بہت سے جرنیل اس کے مرید تھے'' (صفحہ 221)

22...''ہمارے یہاں قلندر،قطب،غوث،داتا، ابدال،اور مجذوب ولی بنائے گئے اور مجذوبوں کے کپڑے اتار دیے گئے تو یہی چیز ہندوؤں میں ہمیں اس طرح ملتی ہے کہ ان کے ولیوں کو سادھو،سنیاسی،یوگی،گرو،اور باوا کہا جاتا ہے جو بالکل ننگے پھرتے ہیں۔۔ان کے ہاں پیشاب پینا تو معمولی بات ہے یہ تو اپنا پاخانہ گندگی اور غلاظت تک کھا جاتے ہیں...یہی کچھ درباروں پر ولی بننے کے لئے ہوتا ہے'' (صفحہ 92)

23...میں جب اندر گیا تو دیکھا بابا نوواں والا الف ننگا اپنی حویلی میں گشت کر رہا تھا۔تھوڑی ہی دیر گزری تھی کی بیگم ریحانہ سرور جو بینظیر بھٹو کی کابینہ میں وفاقی وزیر رہ چکی ہے طرح طرح کی چیزیں بابا جی کے لئے اُٹھائے پہنچ چکی تھی۔جس پر ہمیں باہر نکال دیا گیا۔سوچنے کی بات ہے کہ اس ملک میں اس قدر جہالت ہے کہ جو اپنی آخری حدوں کو بھی پھلانگ چکی ہے۔اس ملک میں یہ ایک ننگا بابا ہی نہیں کہ جس کی پوجا ہو رہی ہے بلکہ بے شمار ہیں نہ جانے کتنے قاتل اشتہاری جو کہ اپنا روپ بدل کر ایک دم ولائیت کی آخری منزل کو چھو چکے ہیں۔کیونکہ صوفیاء میں الف ننگا ہونا ولایت کی آخری منزلوں میں سے ایک ہے جسے''مجذوب ولی'' کہا جاتا ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ پاگل اور مجرم جب مرتے ہیں تو پھر عالی شان مقبرے بنتے ہیں اور پھر عرسوں کی صورت میں پوجا کا وہ دھندا شروع ہوتا ہے کہ جسے دیکھ کر یہ الفاظ بے ساختہ منہ سے نکلتے ہیں''یہ مسلمان ہیں کہ جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود'' (ص214)

مولانا امیر حمزہ صاحب بقول آپ کے''یہ مسلمان ہیں کہ جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود'' اور''یہ ایک ننگا بابا ہی نہیں کہ جس کی پوجا ہو رہی ہے بلکہ بے شمار ہیں نہ جانے کتنے قاتل اشتہاری جو کہ اپنا روپ بدل کر ایک دم ولائیت کی آخری منزل کو چھو چکے ہیں''۔آپ کا مندرجہ بالا مستند اسلام...سرکاری مہر یافتہ اسلام...قومی اسمبلی سے منظور شدہ اسلام...مولویان کرام کا تصدیق شدہ اسلام...سجادہ نشین گدی نشین علماء ومشائخ کرام کا approved اسلام۔جس پر کوئی کفر کا فتویٰ نہیں ،کوئی گستاخی اسلام کا شائبہ نہیں،کسی ختم نبوت پر ڈاکے کا اندیشہ نہیں،کسی توہین،کسی شرم،کسی حیا کا کوئی خدشہ نہیں جس کے ساتھ کسی قومی اسمبلی،صوبائی اسمبلی اور سینٹ میں جانے ،الیکشن لڑنے پر کوئی پابندی نہیں،وزیر اعظم بننے اور صدر بن کر مزے نہ لوٹنے کی کوئی قدغن نہیں جس کی خوبصورتی یہ قرار پائی ہے کہ''صوفیاء میں الف ننگا ہونا ولائت کی آخری منزل ہے۔جس میں درباروں کے عرسوں پر قوالیاں سننا،دربار کے کچھووں،مگر مچھوں ، بلیوں ،کتوں اور کووں کو دانہ ڈال کر مرادیں مانگنا۔چرس پینے والے ننگے ملنگوں سے گالیاں کھانا باعث برکت سمجھنا اور وہ دیگر تمام اعمال جو آپ نے اپنے سرکاری اسلام کے گنوائے ہیں...ان تمام ہوش ربا جہالتوں کے ٹیلے پر کھڑے ہو کر فخر سے جماعت احمدیہ کو گالی دینا اور انہیں دعوت دینا کہ جتنی جلدی ہو سکے ہمارے ان چرسی بابوں کے پاس چل کر ہماری طرح ''زمین پر پڑی روٹی کتوں کی طرح کھاؤ'' بابے کی جووں یعنی مگر مچھوں کی خدمت کرو۔بابے دھنکے سے ڈنڈے کھاؤ۔لٹن شاہ کے دربار پر چل کر ان کے عضو مخصوص کی پوجا کرو،اپنی عورتوں کو مجبور کرو کہ چھتن شاہ کے دربار پر حاضر ہو کر

ان کی ننگی تصویر کو بوسے دیں اوراس کے خالی پلنگ کے نیچے جا کر لیٹ جائیں، بابا گکڑ شاہ کے دربار کی راکھ میں چرس ڈال کر تناول فرماؤ اپنے بچوں کے گلے میں بیل جانوروں والی پنجالی ڈال کر دربار پر حاضری دلواؤ۔ مولانا یہ اسلام اوراس کی یہ برکات آپ کو بہت مبارک ہوں۔ نہ ہمیں ان عقائد کے ساتھ قومی اسمبلی کی سیٹ چاہئے اور نہ ہی ایسی عزت چاہئے۔ ہم تو آنحضور ﷺ کے چچا جان کی طرح یہی جواب دیں گے کہ ہم بھی ایسی ہی حرکات کے مرتکب تھے کہ اللہ کی رحمت نے جوش مارا اوراس نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے الٰہی وعدوں کے عین مطابق امام مہدیؑ کو مبعوث فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عاشق صادق نے ایک دفعہ پھر سے زندہ اسلام کا چہرہ دنیا کو دکھایا اور تمام بابے دھنکوں، ننگے پیروں اور جھوٹے تصوف سے ہماری جان چھڑائی۔ آج ایک احمدی کو آپ کی تمام نفرتیں قبول ہیں تمام ظلم منظور ہیں مگر اسے رشک ہے کہ اللہ نے اسے امام مہدیؑ کی بیعت کرنے کی سعادت دی۔ آج جماعت احمدیہ اسلام کی کیسی سچی تصویر کی امین بن کر ابھری ہے کہ مخالف سے مخالف بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی ایڈیٹر صدق جدید خلیفہ مجاز مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی حکیم الامت

’’قابل رشک ہے وہ احمدی یا قادیانی جس کا تمغہ امتیاز ہی خدمت قرآن یا قرآنی ترجموں کی طبع واشاعت کو سمجھ لیا جائے‘‘۔(صدیق جدید 26دسمبر 1961ء)

جماعت کا شدید مخالف مولوی عبدالرحیم اشرف مدیر المنیر لائل پور:

’’ہر وہ چیز جو انسانیت کے لیے نفع رساں ہو اسے زمین پر قیام وبقا ہوتا ہے۔قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اولین اہمیت اُس جدوجہد کو حاصل ہے کہ جو اسلام کے نام پر وہ غیر ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔تثلیث کو باطل کرتے ہیں۔ سیدالمرسلین سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن وسلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔غیر مسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلام تبلیغ کا کام صرف اصول ’’نفع رسانی‘‘ کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ ہے ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا1954 میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم دور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔قادیانی عین انھیں دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ قرآن مکمل کر چکے تھے اورانہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے گویا وہ بزبان حال وقال کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مسلم اور خارج از ملت اسلامیہ جو اس وقت جبکہ آپ لوگوں ہمیں کافر قرار دینے کے لیے پر تول رہے ہو غیر مسلمانوں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں۔‘‘(المنیر لائل پور 2مارچ 1956ءصفحہ 10)

مشہور بریلوی مولوی مولانا ارشدالقادری ایڈیٹر جام نور جمشید پور بھارت

’’یورپ، ایشیا، امریکہ اور افریقہ کے جن ملکوں میں قادیانی جماعت نے اپنے تبلیغی مشن قائم کئے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ منظم طریقے پر بنام اسلام اپنے مذہب کا پیغام اجنبی دنیا تک پہنچا رہے ہیں کام کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ان کے نام پڑھیے: انگلینڈ۔ امریکہ۔ ماریشس۔ مشرقی افریقہ۔ مغربی نائیجیریا۔ انڈونیشیا۔ ملایا۔ اسپین۔ سوئٹزر لینڈ۔ ایران۔ فلسطین۔ ہالینڈ۔ جرمنی۔ جزائر غرب الہند۔ سیلون۔ بورنیو۔ برما۔ شام۔ لبنان۔ مسقط۔ پولینڈ۔ ہنگری۔ البانیہ۔ اٹلی۔ قادیانی جماعت کے تبلیغی سرگرمیوں اور دائرہ عمل کی وسعتوں کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا معلوم کرنا کافی ہوگا کہ دنیا کی چودہ اجنبی زبانوں میں انہوں نے قرآن کریم کے تراجم شائع کئے ہیں ان کی فہرست ملاحظہ فرمایئے انگریزی۔ ڈچ۔ جرمنی۔ سواحیلی۔ ہندی۔ گورمکھی۔ ملائی۔ فینسٹی۔ انڈونیشین۔ روسی۔ فرانسیسی۔ پرتگیزی۔ اطالوی۔ ہسپانوی‘‘

نوٹ: یہ 1977ء کی بات ہے۔

(جماعت اسلامی صفحہ 106۔107 نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

اور بقول مولانا نیاز فتح پوری مدیر نگار لکھنو:

’’اس وقت مسلمانوں میں ان (احمدیوں) کو بیدین وکافر کہنے والے تو بہت ہیں لیکن مجھے تو آج تک ان مدعیان اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آئی جو اپنی پاکیزہ۔ معاشرت۔ اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ۔ اپنی تاب مقارمت اور خوئے صبر واستقامت میں احمدیوں کی خاک پا کو بھی پہنچتے ہوں‘‘۔(ماہنامہ نگار لکھنؤ ماہ جولائی 1960ء صفحہ 117 تا 119)

احمدیت کی پاکیزہ معاشرت زندہ باد عشق رسول ﷺ زندہ باد

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا - نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

جان ودلم فدائے جمال محمد است - خاکم نثار کوچہ آلِ محمد است ﷺ

نواں آیا ایں سوہنیا



وسعت اللہ خان

مبارک ہو تین پاکستانی نژاد بین الاقوامی ماہرینِ معیشت سے پاک ہو جانے کے بعد اب قومی اقتصادی مشاورتی کونسل کے بقیہ 15 ماہرین خالص پاکستانی اور مسلمان ہیں۔ تمام طبقات و دینی حلقوں کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کے سائے سائے اب یہ کونسل پاکستان کو اقتصادی دلدل سے نکالنے کے لیے غیر ملکی مفاد کے بجائے اول تا آخر ملک کے بارے میں سوچے گی۔

پچھلے ایک ہفتے میں پرانا پاکستان نیا بنتے بنتے اس وقت بس کنوں سے رہ گیا جب کسی نے عمران خان کے کان میں کہا 'نواں آیاں ایں سوہنیا؟' خان صاحب کو بات ترنت سمجھ میں آ گئی کہ جس طرح خالص سونے میں کھوٹ ملائے بغیر زیور نہیں بن سکتا اسی طرح خالص میرٹ کے بل پر کوئی نظریاتی مملکت نہیں چلائی جاسکتی۔ سب (طاقتور طبقات) کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔

قائدِ اعظم کا پاکستان بحال کرنے کا خواب دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ کہنے میں بھی کوئی خطرہ نہیں کہ اس ملک میں اگر کوئی ایک ادارہ صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر چلتا ہے تو وہ فوج ہے۔

مگر نہ تو تم قائدِ اعظم ہو اور نہ ہی فوج۔ لہٰذا کسی تجربہ کار مستند ماہر کی نگرانی کے بغیر میرٹ کا کرتب دکھانا جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔

نیز ایسی تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں جن کا بغیر ڈاکٹری مشورے کے استعمال آپ کو بلا امتیاز میرٹ کے مالیخولیا میں مبتلا کر کے ذہنی توازن بگاڑ سکتا ہے۔

وسعت اللہ خان کے دیگر کالم پڑھیے

* ۔اپنا سنجو بابا سب ٹھیک کر دینے کا
* ۔قائدِ اعظم نے بھی کونا پکڑ لیا
* ۔میں نے کیا سعودیوں کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟
* ۔سعودی عرب اور تایا صبغت اللہ

جو بات 124 دن کا دھرنا نہ سمجھا سکا وہ خان صاحب کو حکومت کے پہلے 20 روز نے کسی حد تک سمجھا دیا کہ اچھی اچھی باتیں کرتے رہو مگر ان باتوں کو عملی جامہ ایسے مت پہناؤ کہ اپنا پاجاما ہی کھسکنے لگے۔

بلوریں گھر کے مکینوں، جوان لڑکی کے والدین، نوعمر لمڈے اور دس بارہ ووٹوں پر کھڑی حکومت کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے آنکھیں، کان اور ناک کھلے رکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سچ ضرور بولیے مگر کمرے میں، بااعتماد لوگوں کے سامنے، ہو سکے تو تنہائی میں یا زیادہ سے زیادہ شیشے کے روبرو اور خبردار، سچ کو کبھی تنہا باہرمت جانے دینا، بھیجنا ضروری بھی ہو تو جھوٹ کے کپڑے پہنا کے بھیجنا، ورنہ پیروں پر جائے گا ایمبولینس میں آئے گا۔ ابھی تو پانچ برس گزارنے ہیں۔ یہی لچھن رہے تو پانچ ماہ بھی گزارنا محال ہو جائیں گے بابو۔

شش ایک بات تجھے کوئی نہ بتائے گا مورکھ لہٰذا بہت کان لگا کے سن۔ یہ جناح کے پاکستان کی رٹ لگانا آہستہ آہستہ چھوڑ دے۔ جناح کے حریف گاندھی، نہرو، پٹیل، آزاد تھے، تیرے حریف دراصل تیرے حلیف ہی ہیں۔ جناح کو مظلوم اقلیت کے لیے ایک پاکستان درکار تھا۔ تیرے پاکستان میں تو اقلیت ہی ظالم بتائی جا رہی ہے۔ جناح کے دشمن بیلچے والے خاکسار تھے۔ اب خودکش خاکساروں کا زمانہ ہے۔ اور تم کبھی جناح نہیں بن سکتے، جناح نے پاکستان ضیا الحق سے نہیں ماؤنٹ بیٹن سے لیا تھا۔

***







مولانا امیر حمزہ کی نصائح اور چیف جسٹس صاحب کے آنسو

اصغر علی بھٹی



وادی ہزارہ کی معروف شخصیت مرحوم ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بچہ کافی دیر سے سنجیدہ وخاموش ہو، امیر کبیر آدمی نماز کے بعد گڑگڑا کر دعا کررہا ہو اور مولوی صاحب وارثین جنت کی لسٹ اعلان کرنے کی بجائے احترام انسانیت پر خطبہ دے رہے ہوں تو سمجھ لیں معاملہ سیریس ہے۔ بچہ ضرور بیمار ہے یا حوائج ضروریہ میں مصروف ہے۔ امیر آدمی کے اپنے لاڈلے بیٹے نے اس سے سخت بدتمیزی کی ہے یا کوئی بہت بڑا مالی معاملہ گڑبڑ ہو گیا ہے اور مولوی صاحب کے پاس سے نیلی بتی والی گاڑی ہو کر گئی ہے۔ بہرحال معاملات کچھ بھی ہو سکتے ہیں لیکن نارمل نہیں کیونکہ نارمل ہونے کا مطلب صرف اور صرف شرارت ہے۔ روکھاپن ہے۔ اور جنت وحور کے حصول و وصول کی تبلیغ ہے فقط۔ میں گزشتہ دو ماہ سے مولانا امیر حمزہ صاحب صاحب کو دنیا اخبار میں انتہائی سنجیدگی سے گریہ و زاری کرتے اور ماں باپ کی محبت اور احترام انسانیت کی دہائیاں دیتے دیکھ اور سن رہا ہوں تو ایسے میں مجھے ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب بہت یاد آرہے ہیں۔ مولانا حمزہ صاحب پنجابی میں کہتے ہیں کہ کجھ اُوپرا اُوپرا جیا لگ ریا اے تاڈے منہ تے یعنی کافی عجیب سا لگ رہا ہے یقیناً آپ کی نصائح تو بہت پیاری ہیں۔ الفاظ بھی بہت چنیدہ ہیں۔ احادیث مبارکہ اور آیات قرآنیہ سے استدلال بھی بہت عمدہ ہے۔ ظلم اور ظالموں کو قیامت کے روز سے انتظار ہے تو برطانیہ کے ایک کافر مگر فاضل جج مسٹر ہیڈن کو انصاف پر شاباشیاں ہیں۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں کے کھٹورپن کا نوحہ ہے تو حضرت عمرؓ کے سورہ یوسف پڑھ کر زاروقطار رونے کا قصہ ہے۔ اور اس ساری روحانی حکایات کے ساتھ اینٹیلی جنس والوں کو دلسوزی اور دل دوزی کے ساتھ عاجزانہ نصائح ہیں کہ آپ جس بچے کو اپنے ماں باپ سے دور کرتے ہوئے اُٹھا لے جاتے ہو اس کے ماں باپ کوئلوں پر بھن جاتے ہیں۔ میاں بیوی کے رشتے کی محبت اور چاشنی میں گلہ گھوٹنے والا زہر ملا جاتے ہو۔ اس کے بہن بھائیوں کو زندہ پھانسیوں پر لٹکا جاتے ہو۔ ایسے باپ کے دن ہمالیہ جتنے بڑے اور نانگا پربت جیسے بلند ہو جاتے ہیں۔ یہ باپ اپنے بچوں کی یاد میں ایسے تڑپتے ہیں جیسے بھٹی میں دانے۔ ظالم جب ظلم کرتا ہے تو اس کا دماغ روشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ مکمل اندھیرے میں چلا جاتا ہے اور پھر جو سب سے بڑا اندھیر وہ مچاتا ہے کہ وہ کسی انسان کا قتل ہے۔ ماں جب بیٹے کے قتل کی خبر سنتی ہے تو اس کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے باپ سنتا ہے تو اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے بیوی سنتی ہے تو سہاگ اجڑ جاتا ہے۔ بچے لاوارث ہو جاتے ہیں'' پھر آپ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں''ظالم شخص وہ رعایا میں سے ہو یا حکمرانوں میں سے تو جس طرح مظلوم لوگ دنیا کے اندھیرے میں پریشان ہو رہے ہیں اس طرح ظالم لوگ قیامت کے دن اندھیروں میں پریشان ہوں گے اور قیامت کے اندھیرے وہاں کی تاریکیاں، وہاں کی کال کوٹھڑیاں، وہاں کے سخت داروغے، ایک ظالم کو قیامت کے اندھیروں میں سزا کے ایسے مزے چکھائیں گے کہ اللہ کی پناہ''

اللہ ہم سب کو ان اندھیروں سے محفوظ رکھے (آمین) مولانا صاحب کے یہ ارشادات دنیا نیوز میں 30/03/2018 کو زیر عنوان برطانوی جج ہیڈن کے عدل کو خراج تحسین 13/04/2018 کو زیر عنوان حساس رشتوں کی پامالی کیوں؟ اور 27/04/2018 کو زیر عنوان چیف جسٹس کے آنسو زینت تحریر بنے۔

مولانا آپ کے ارشادات سر آنکھوں پر یقیناً انٹیلی جنس والوں کا ایک باپ کے بیٹے کو قانون کے نام پر اُٹھا لے جانا اور قواعد کی پابندی کرتے ہوئے والدین کو 72 گھنٹوں کے اندر اطلاع نہ دینا ظلم ہے اور وہ اللہ اور رسول کے مجرم ہیں اور قیامت کے دن اندھیرے اُن کا مقدر ہوں گے تو مولانا صاحب میرا ایک سادہ سا سوال ہے کہ ایک قیدی، جنگی قیدی، کافر ہو یا مشرک، ملحد ہو یا کیمونسٹ جب وہ دوران جنگ گرفتار ہوتا ہے تو اُسے بغیر کسی عدالت کے فیصلے کے دوسرے قیدیوں کے سامنے لٹا کر چھری سے بکرے کی طرح ذبح کرنا کیا عین شریعت اور قانون ہے یا ظلم اور بربریت؟ اور ایسے انسان ذبح کرنے والے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ قرآن کیا کہتا ہے؟ اور انسانیت کیا کہتی ہے؟ اور جو انسان ایسے وحشی قاتل کو ہیرو آف اسلام کے طور پر پیش کرے اس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیا اللہ کے نبی نے کسی کافر، کسی مشرک کو دوران جنگ

گرفتار کیا تو کتنے کافروں کو ایک ایک کر کے سب کے سامنے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا اور پھر فخریہ اس کو اپنے صحابہ میں بیان کیا۔مولانا دیکھئے اور ٹٹو لئے۔ یہ آپ ہی ہیں جو آج سورہ یوسف پڑھنے اور پڑھ کر رونے کا مشورہ دے رہے ہیں جن کو حضرت یعقوب کے آنسو بہت یاد آ رہے ہیں جو ایک کتیا کے بچے کو گاڑی کے نیچے دے کر مارنے کو ظلم کہہ رہے ہیں۔مگر یہ بھی آپ ہی ہیں جو 40، 40 انسانوں کو ذبح کرنے کے واقعات کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے۔آپ کے ہی الفاظ آپ کی دکھی انسانیت پر آنسو بہاتی آنکھوں کی روشنائی بحال کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی جہاد افغانستان والی کتاب ''قافلہ دعوت و جہاد'' میں اپنے سلفی کمانڈر کا انٹرویو کیا اور پھر اُسے چسکے لے کر بیان کیا۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے روسی کیمونسٹوں کو ذبح بھی کیا ہے تو یہ بات اگر صحیح ہے تو آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں؟

جواب : جب کھیوا فتح ہوا تو دوسو 200 آدمیوں کو ہم نے گرفتار کر لیا تھا۔ ان میں سے 40 چالیس کو ذبح کیا تھا۔اور شیخ کے ایک ساتھی موسیٰ خان کے بدلے میں ہم نے کیمونسٹ جنرل کو رہا بھی کیا تھا۔

سوال: ذبح کرتے وقت چیخ وپکار یا منت سماجت تو نہیں کرتے تھے؟

جواب: اس وقت وہ ایسے ہوتے تھے جیسے پہلے ہی مر گئے ہوں چیخ و پکار کی ان میں سکت ہی نہ ہوتی تھی۔''

(قافلہ دعوت وجہاد مصنفہ امیر حمزہ ص 218 مکتبہ دارالاندلس 4۔لیک روڈ چوبرجی لاہور 7230549-042)

آپ اپنے یہ افکار پاکستان سے کئی دفعہ شائع کر چکے ہیں۔آپ نے جہاد کیا یا بقول ولی عہد سعودی عرب شہزادہ محمد بن سلیمان آپ امریکہ اور روس کی لڑائی میں تنخواہ دار ملازم تھے یہ بات زیر بحث نہیں ہے زیر بحث آپ کے وہ آنسو ہیں جو ایک کتیا کو گاڑی کے نیچے دینے پر بھی تھمنے کا نام نہیں لیتے اور اُسے ظلم اعلان کر رہے ہیں مگر دوسری طرف آپ ذبح کرنے کو فرمائش کر کے سننا چاہتے ہیں کہ جب وہ لوگ ذبح کئے جاتے تھے تو کیسے ترلے کرتے تھے؟ کیسے تڑپتے تھے؟ کیسے چیختے تھے؟ کیسے روتے تھے؟ کیسے ایڑیاں رگڑتے تھے؟ مولانا واہ کیا جذبہ تسکین ہے اور کیا قول وفعل میں تضاد ہے۔یہ آپ کے آج کے دکھی ڈائیلاگ قابل تحسین ہیں یا وہ آپ کے ذبح والے چسکے؟ مولانا پھر آپ سورہ یوسف ،حضرت عمرؓ کے سورہ یوسف پڑھ کر رونے ، حضرت یعقوب کا بیٹے کی جدائی کا دکھ اور ہر باپ جس سے اُس کا بیٹا کوئی جدا کر دیتا ہے اُس کے دکھ کا مرثیہ لکھا ہے۔بہت اچھی بات ہے اللہ کسی باپ کو بیٹے سے جدا نہ کرے۔ چلئے میں بھی آپ کو ایک باپ سے ملواتا ہوں۔ایک بلکتے ہوئے باپ سے۔جس کی کمر ٹوٹ چکی ہے کیونکہ کسی ظالم نے اُس کا بیٹا قتل کر دیا ہے۔وہ ظالموں کے نام کی دہائیاں دیتا ہوا پھر رہا ہے۔

کراچی سے شائع ہونے والے آپ کے ہی بھائی بند اہل حدیث کے ترجمان رسالے صراط مستقیم میں مشہور اہل حدیث عالم دین قاری عبد الحفیظ فیصل آبادی کا انٹرویو شائع ہوا۔جس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ قاری صاحب کے بیٹے کو خود لشکر طیبہ کے جہادی سینٹر میں ہی مار دیا گیا یعنی آپ کے اپنے سنٹر میں جس کے آپ بھی اہم ذمہ دار ہیں۔مگر شائع یہ کیا گیا کہ وہ ایک کیمونسٹ کے خلاف جہاد کرتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا ہے۔اس کے والد کو جب اصل حقیقت کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کا برملا واویلا شروع کر دیا۔اسی سلسلے میں آپ نے یہ انٹرویو دیا۔

''سوال: قاری صاحب آپ عوامی اجتماعات میں سخت الفاظ میں ضیاء الحفیظ شہید کے قتل کا ذمہ دار مرکز الدعوۃ کو ٹھہراتے ہیں آپ کے پاس اس کے کیا ثبوت ہیں؟

جواب: میں پوری ذمہ داری اور اعتماد کے ساتھ اس سوال کا جواب دے رہا ہوں۔۔جس جگہہ ان لوگوں نے اپنا معسکر بنایا ہوا ہے اور جہاں یہ لوگ رہ رہے ہیں وہاں کسی مخالف سے دوبدو لڑائی کا کوئی خدشہ نہیں۔دھوکہ ہے دھوکہ۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔کاروباری مقاصد کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا نام جہاد دیا جا رہا ہے۔ناول نگاری اور افسانہ نگاری کی طرز پر جھوٹی ٹیبل اسٹوریاں اپنے رسالے میں شائع کرتے ہیں...(آگے تفصیل ہے کہ کس طرح اپنے لوگوں کو خود ہی مار دیتے ہیں)

سوال: اگر آپ کی یہ بات صحیح بھی مان لیں تو ان بچوں کے قتل سے ان کا کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟

جواب: یہ وسائل، گاڑیاں ائیر کنڈیشن، دفاتر، دولت یہ سب انہیں شہداء کے قتل کی قیمت ہی تو ہے جو عربوں اور پاکستان کے سادہ لوح اہل حدیثوں سے وصول کی جاتی ہے۔یہی فائدہ ہے بچوں کے قتل کا۔ان کے مسقط، بحرین، کویت، اور دیگر بیرونی ممالک میں بینک بیلنس موجود ہیں...یہ مجلہ الدعوۃ والوں کی عادت ہے وہ عوام کو کیش کروانے کے لئے جھوٹے اور من گھڑت شہادتوں کے واقعات بالکل افسانوی انداز میں لکھ کر چھاپتا ہے...جہاد کے مفہوم کو ایک خاص مقصد کے تحت محدود کیا جا رہا ہے۔وہ خاص

مقصد دولت اکٹھی کرنا ہے۔ مرکز الدعوۃ اور اس کے لیڈر خود اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں جہاد وہاد کچھ نہیں بلکہ یہ ان کا کاروبار ہے۔ اگر جہاد کشمیر کو واقعی جہاد سمجھتے تو ان میں سے کسی کا ایک بچہ وہاں شہید ہوا ہوتا کوئی زخمی ہوا ہوتا۔ لیکن یہ اپنے بچوں کو بچا کر رکھتے ہیں دوسروں کو مرواتے ہیں‘‘ (ماہنامہ صراط مستقیم اہل حدیث اکتوبر 1994ء کراچی بحوالہ پاسبان مسلک رضا تحریر مولانا ابو داؤد محمد صادق مرتبہ محمد حفیظ نیازی ناشر مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ تقسیم کارسنی دار الشاعت علویہ رضویہ 150 قائد اعظم مارکیٹ ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد۔

ہر دکھی باپ کو انصاف ملنا چاہئے کیونکہ آپ ہی کا فرمان ہے کہ ’’ایک اور اندھیرا جو سب کے قلب وجگر کو زخمی کرتا ہے اور بار بار نمک اور مرچ زخموں پر چھڑکتا ہے وہ انصاف کی عدم فراہمی اور تاخیر ہے۔ قاتل کا دندناتا ہے۔‘‘ مولانا آپ کے اقوال قابل تحسین ہیں اور یہ اور قابل تحسین ہوں گے اگر آپ اپنے سابقہ خلاف اسلام خلاف انسانیت مئوقف سے رجوع کریں اور قاری عبدالحفیظ صاحب کو انصاف کی فراہمی میں ان کا ساتھ دیں۔ کیونکہ یہ بات تو آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ’’مظلوم کی بددعا سے بچ جاؤ چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو‘‘ اللہ ہم سب کو قیامت کے اندھیروں سے بچائے۔ (آمین)

نزول مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں عقیدہ کی کوئی بنیاد ہے؟

عاصی صحرائی

نوٹ: نزولِ مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں اپنے عقیدہ کا قرآن کریم اور ارشاداتِ نبویہؐ کی روشنی میں جائزہ لیں۔ بہت نافع علم حاصل ہوگا! انشاءاللہ!

سوال نمبر 1: کیا آپ حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

سوال نمبر 2: کیا حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کے آخری زمانہ میں آنے کا احادیث نبویہؐ میں ذکر ہے، ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں یا وہ دو علیحدہ علیحدہ وجود ہیں؟

سوال نمبر 3: اگر آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو علیحدہ علیحدہ وجود ہیں تو:۔

☆۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کن لوگوں میں سے ہوں گے۔ قریش، اہل بیت یا اہل فارس؟

☆۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کب تشریف لائیں گے؟

☆۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی شناخت کیا ہوگی؟

سوال نمبر 4: اُنہیں امام مہدی کون مقرر کرے گا؟ اللہ تعالیٰ بذریعہ...... وحی یا لوگ بذریعہ...... انتخاب؟

☆۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بریلوی، دیوبندی، چکڑالوی، اثناعشریہ، منہاج القرآن، جماعت اسلامی وغیرہ میں سے کس فرقہ کو فرقہ ناجیہ یعنی جنتی فرقہ قرار دیں گے۔

☆۔ یا حضرت امام مہدی علیہ السلام اپنا فرقہ بنا کر باقی سب کو غیر ناجیہ قرار دیں گے؟

سوال نمبر 5: حضرت امام مہدی علیہ السلام کس فقہ پر عمل کریں گے؟ مالکیؒ۔ شافعیؒ۔ حنبلیؒ۔ حنفیہؒ۔ یا جعفریہؒ پر؟

☆۔ کسی ایک فقہ کے انتخاب پر دیگر فقہوں کے پیروکاروں کا ردِّعمل کیا ہوگا؟

☆۔ اگر آپ علیہ السلام نے خود اجتہاد فرما کر اپنا فقہ رائج فرمایا۔ تو مقلدوں اور غیر مقلدوں کا ردِّعمل کیا ہوگا؟

سوال نمبر 6: آخری زمانہ میں آنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی اسرائیلی نبی ہیں جو دو ہزار سال پہلے تشریف لائے تھے؟

اگر جواب...... ہاں...... میں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر بجسدِ عنصری چلے جانے، آج تک زندہ ہونے اور آخری زمانہ میں آسمان سے نزول فرمانے پر قرآن کریم سے کوئی دلیل؟

سوال نمبر 7: جب یہ اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو کیا اللہ تعالیٰ کے نبی ہوں گے یا نہیں؟

☆۔ اگر نبی نہیں ہوں گے تو جو آیاتِ قرآنیہ اُنہیں اور رسولاً الی نبی اسرائیل کہتی ہیں وہ قرآن کریم میں سے نکال دی جائیں گی؟ اگر جواب...... ہاں...... میں ہے تو کس کے حکم سے؟

☆۔ وہ اسرائیلی نبی جو صرف رسُولاً الی بنی اسرآئیل بن کر آئے تھے دوبارہ عالمی نبی بن کر آئیں گے تو ختم نبوت کے منکر کون ہوئے؟ ظاہر ہے مزعومہ ختم نبوت کے مدعی۔

قارئین کرام! گذشتہ 121 سال سے جماعت احمدیہ عقیدہ نزول مسیح علیہ السلام کے حوالہ سے مسلم علماء سے وقتاً فوقتاً یہی سات سوالات دریافت کر رہی ہے۔ ان کا صرف ایک ہی جواب ہوسکتا ہے کہ اُن کا عقیدہ قرآن کریم اور ارشاداتِ نبویہؐ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ***



اب شوکت عزیز صدیقی صاحب کس سے لڑ رہے ہو؟

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ



کبھی اردو ادب میں کہا جاتا تھا کہ بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر مگر آج کے پاکستان میں بنتی نہیں ہے جماعت احمدیہ کو گالی دیئے بغیر۔ پاکستان کی 70 سالہ تاریخ میں مذہبی اسلامی پارٹیوں نے مسلسل اس اصول کو سرمایہ حیات بنایا ہوا ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے ایک دفعہ اسلام آباد مل جائے یعنی مولویاں کرام کو حکومت دے دی جائے تو پھر سب مسائل حل ہوجائیں گے۔ ہم متقی ہوجائیں گے اور معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا او رمذہبی بادبان بتاتے ہیں کہ اس سہانے خواب کی تعبیر ایک چھوٹے سے نذرانے کے بغیر ممکن نہیں اور وہ ہے ایک اقلیت یعنی جماعت احمدیہ کی بلی۔ اس لئے کبھی اس کو کافر تو کبھی اس کو اقلیت قرار دینے کے مطالبے کئے گئے۔ وہ منظور ہوئے تو ان کے سوشل بائیکاٹ کا نعرہ لگا۔ سلام کرنے ،قرآن پڑھنے،کلمہ کا اقرار کرنے ، پر جیلوں میں ٹھونسنے کے آرڈر دے دیئے گئے۔ مزید مساجد گرانے۔ گھر جلانے اور سب کچھ لوٹ لینے کے بھی تجربے کئے گئے اور پھر آخر کار بم دھاکوں سے بھری مساجد کو اُڑا دینے کا تجربہ بھی کرڈالا۔ تسلی پھر بھی نہیں ہوئی۔ اور آخر یہ تان اسی پر ٹوٹی ہے کہ ان کی لسٹیں بنائی جائیں انکے نام بدل دیئے جائیں۔ احمد اور احمدی ان کیلئے ممنوع کر دیا جائے۔ ان کو مرتد قرار دیا جائے اور یوں مذہب کے نام پر سب کی گردنیں کاٹ کر اس مذہبی اقلیت سے نجات حاصل کر لی جائے۔ مولوی تاج محمود صاحب تحریک تحفظ ختم نبوت پنجاب کے صدر تھے ہفت روزہ لولاک لائل پور کے مرکزی روح رواں اور اگر کہا جائے کہ پنجاب میں جماعت مخالف تمام تحاریک کے محور ومصدر تھے تو کسی طرح سے غلط نہ ہوگا۔ آپ کے جماعت کے حوالے سے دل میں پروان چڑھنے والے منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا اخبار لکھتا ہے:

’’مولانا سب سے زیادہ غمگین اس وقت نظر آئے جب ایک قادیانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز ملا‘‘ پھر درج ہے کہ ’’ایک مرتبہ گھر کے باہر محفل جمی ہوئی تھی ۔ احباب چار پایوں پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ موضوع بحث ارتداد تھا۔ مولانا فرمارہے تھے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل رکھی گئی ۔ میں نے عرض کی کہ مولانا موجودہ قادیانیوں کا مسئلہ کچھ مختلف ہے۔ انہیں ہم مرتد نہیں کہہ سکتے۔ مرتد تو ان کے والدین تھے۔ یہ تو ان کی اولاد ہیں۔ قادیانیت ان کو ورثہ میں ملی ہے۔ میں نے دیکھا مولانا کا چہرہ تمتما اُٹھا،فوراً جلال میں آگئے۔ اور فرمانے لگے۔ قاری طاہر تو نے تازہ تازہ فقہ پڑھی ہے۔ میں فقہی موشگافیوں میں نہیں پڑتا ۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر مجھے اقتدار ملے اور میں پاکستان کا سربراہ بنوں تو میرا فیصلہ مولانا نے اپنا ہاتھ کھول کر بازو پھیلایا اور اسے تلوار کی طرح لہراتے ہوئے فرمایا کہ میں تو ان سب کا صفایا کر دوں گا ان کو اقلیت قرار دینا ہماری منزل نہیں، یہ تو محض ہم نے اپنے حقوق کا تحفظ کیا ہے‘‘

(ختم نبوت کے محافظ ص 35 مصنف محمد طاہر رزاق حضوری باغ روڈ ملتان)

مولانا تاج محمود کیوں نہ خون کے چھینٹے اُڑانے کی باتیں کرتے جبکہ ان کے امیر شریعت تو اس سے بھی آگے مورچہ زن تھے لیکن یہ سب کا مرید قرآن تو کیا چینی مفکر سن زو کی بھی نصیحت کو بھول گئے کہ جنگ میں اپنے مقابل دشمن کے اسلحہ کا برانڈ سمجھنا ، اس کی دفاع اور حملہ کی صلاحیت کو جانچنا اور سب سے زیادہ اس کی برداشت کی کیفیت کو جانچنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر وہی ہوا ڈھول کی تھاپ پر مذہبی دھمال کرنے والے احرار پچھلی پہر کے سجدوں میں تڑپنے والوں سے ہمیشہ کے لئے ہار گئے،شرمندہ ہوگئے۔

یہ مذہبی جنگ شروع کرتے ہوئے امیر شریعت نے کیا فرمایا تھا کہ ’’مرزا محمود کو آگاہ رہنا چاہیئے کہ اس کی بڑ کا سال گزر گیا ہے۔ لو اب 53ء بخاری کا سال ہے اور میں اپنے مولا کریم کے فضل وکرم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہوشیار ہوجاؤ۔ آخری فتح میری ہوگی‘‘۔ (تقریر سید عطاء اللہ شاہ بخاری ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ 26 دسمبر 1952ء اخبار آزاد 16 جنوری 1953)

’’آج ظفر اللہ خاں کو ہٹا دو اگر کل کو پچاس فیصد مرزائی مسلمان نہ ہوجائیں تو میری گردن ماردو۔ اگر مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دو تو محمود ڈھونڈے گا کہ میرے باوا کی امت کہاں ہے؟‘‘ (احراری اخبار آزاد 18 جنوری 1953ء)

’’ہمارا ایمان ہے کہ مرزائیوں کو شکست ہوگی اور جو طاقت بھی ہمارے پروگرام میں حائل ہوگی ہم اسے بھی ہٹا دیں گے۔‘‘

(اخبار آزاد 6 فروری 1953ء)

مگر زندگی کے میدان سے بازی ہار کر نکلتے ہوئے مختار مسعود کو مخاطب کر کے دل کا حال چھپائے نہ چھپا "میں نے شاہ جی سے جو بھی سوال کئے وہ سب سود و زیاں کے بارے میں تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ گزشتہ چالیس برس میں جو آپ کی عوامی زندگی پر محیط ہیں آپ نے برعظیم کے مسلمانوں کو اسلام سے قریب ہوتے ہوا دیکھا یا دور جاتے ہوئے پایا ہے۔ جواب ملا کہ مسلمانوں میں دو طبقے پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ ایک مذہب سے قریب دوسرا اس سے کچھ دور۔ ان دونوں طبقوں کا درمیانی فاصلہ اس چالیس سال میں بہت بڑھ گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ مذہب سے بیگانہ ہیں ان کی تعداد اور قوت میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ میں نے دوسرا سوال پوچھا۔ برعظیم کی گزشتہ چالیس سالہ تاریخ میں زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں ایسے نامور مسلمان ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر ان سب کی موجودگی میں اسلام سے بیگانہ ہو جانے والوں کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہوا تو اس کے مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جس کے مسائل آپ کے عہد سے زیادہ الجھے ہوئے اور رہنما آپ کے معیار سے کم پایہ ہونگے۔ کیا یہ بات قابل افسوس نہیں کہ جو ملی سرمایہ آپ کو اسلاف سے ملا تھا اس سے آپ کا ترکہ کم ہوگا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہمیں اپنے مقصد میں اس لئے کامیابی نہ ہو سکی کہ ہمارا سرمایہ خوب تھا مگر نسل ناخوب تھی نتیجہ ظاہر ہے آبائی ورثہ بھی کھو یا، اپنی کمائی بھی گنوائی اور مستقبل کو بھی مخدوش بنا دیا۔ میں نے آخری سوال کی اجازت چاہی اور اسے دو طرح سے پوچھا، ایک شکل یہ تھی کہ اگر قیامت کے دن آپ سے پوچھا گیا کہ اے وہ شخص جسے بیان وکلام میں چالیس کروڑ افراد پر فوقیت دی گئی تھی اس خطابت کا حساب پیش کر تو آپ ناکام تحریکوں کے علاوہ کیا پیش کریں گے؟۔ اسی سوال کی دوسری شکل یہ تھی کہ آپ اپنی خطابت اور طلاقت کا دوبارہ وہی استعمال کریں گے یا آپ کی زندگی بالکل نئی ہوگی۔ شاہ جی یکا یک خاموش ہو گئے۔ ان کی خاموشی میں آزردگی بھی شامل تھی۔ میں نے موضوع بدل دیا اور اپنی آٹو گراف البم ان کے سامنے کر دی۔ شاہ جی نے اسے پہلو پر رکھا اور لکھا:

وہ اُٹھتا ہوا اک دھواں اول اول
وہ بجھتی سی چنگاریاں آخر آخر
قیامت کا طوفان صحرا میں اول
غبار رہِ کارواں آخر آخر
چمن میں عنادل کا مسجود اول
اور گیاہ رہ گلرخاں آخر آخر

(آواز دوست مصنف مختار مسعود ص 132)

مشہور کالم نگار جناب ہارون الرشید صاحب نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ انسان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کامیاب زندگی دوسروں کی خرابیوں پر نہیں اپنی خوبیوں پر جی جاتی ہے۔ 1953 ہو یا 1974، 1984 ہو یا 2018 کوئی قانون، کوئی لسٹ، کوئی حربہ، کوئی طنز، کوئی تمسخر، کوئی ظلم، اور کوئی ناانصافی ممکن نہیں جو اس اقلیت کے ساتھ ہم نے روا نہیں رکھی۔ شادی ہالز سے دولہوں کو اُٹھا کر جیلوں میں جھونک دیا۔ صرف اس لئے کہ شادی کارڈ پر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ اور طرفہ تماشا تو تب ہوا جب اس کارڈ کے داعیان میں ایک شیر خوار بچہ بھی شامل نکلا جو باپ کے کندھے پر سوار منہ میں فیڈر دبائے ضمانتوں کے لئے ننکانہ سے شیخوپورہ کی کچہریوں کے چکر لگا کر جج صاحبان سے اپنا پمپر بدلنے کے لئے باتھ روم جانے کی اجازت مانگا کرتا تھا۔ کلمہ کا بیج لگانے والے سینکڑوں لوگ واصل زنداں کر دیئے گئے۔ مساجد سے ہتھوڑے برسا کر کہیں کلمہ کھرچ دیا گیا تو کہیں گندھی سیاہی سے مٹا دیا گیا اور بقول حنیف رامے صاحب ایسی بھی کیا دشمنی کہ کلمہ کے مطہر الفاظ سے ہی وحشت ہونے لگ جائے دوستو! جب تمسخر یا پکڑ دھکڑ بازی، کسی شرمندگی کی بجائے متاع زندگی، دینی فریضہ اور تربیتی نصاب متصور ہو جائیں تو ایسے لیڈر اور ایسی قوم کے دامن میں تقویٰ کیسے پناہ لے سکتا تھا؟ اور ایسی تربیت سے گزرے ہوئے نادران لیاقت سے کسی کی عزت وحشمت کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔

یوں جماعت احمدیہ کا مذاق اُڑاتے اُڑاتے، ان کی مساجد سے کلمے کھرچتے کھرچتے اپنے نامہ اعمال سے ہر اخلاقی بلندی کو بھی کھرچ بیٹھے۔ جماعت احمدیہ کا تو کچھ نہ بگڑا ان کے سجدے اور گہرے اور لمبے ہو گئے مگر احرار تاریخ کے صفحات پر ایک قصہ پارینہ بن گئے۔ پھر کیا ہوا ابھی جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی قبر کی مٹی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کے وارثین میں دال جوتیوں میں بٹتی نظر آئی۔ آغا شورش کاشمیری اور مولانا محمد علی جالندھری رئیس الاحرار۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے دو اہم ستون اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے شاگردان خاص۔ ایک دوسرے سے ختم نبوت کے نام پر اکٹھے ہونے والے چند ٹکوں پر دست و گریبان ہو گئے۔ شورش صاحب نے اپنی اخبار میں بعنوان "مولانا محمد علی صاحب جالندھری سے التماس" اس لڑائی کو یوں جگہ دی "مجلس تحفظ ختم نبوت آپ کی املاک نہیں یہ ایک دینی ادارہ ہے اور آپ زیادہ سے زیادہ اس کے کسٹوڈین کہلا سکتے ہیں۔ آپ سے دردمندانہ گزارش ہے کہ آپ مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام

حسابات کسی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی توثیق کے بعد شائع کریں تا قوم کو معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے نام پر جو روپیہ آپ وصول کرتے ہیں وہ کس طرح خرچ ہوتا ہے اور کہاں کہاں خرچ ہوتا ہے‘‘ (ہفت روزہ چٹان لاہور 14 مارچ 1966 ص 7)

دوسرے شمارے میں تحریر کیا کہ:

1۔’’معاف کیجئے حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے تو اپنے دامن سے ہوا دے کر اس گھر کو آگ لگا دی ہے جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دم قدم سے بس رہا تھا‘‘

2۔’’سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رحلت کے وقت مجلس کا ایک یا ڈیڑھ لاکھ روپیہ مولانا محمد علی کے پاس تھا وہ کہاں صرف ہوا؟ اراضی کی خرید پر آڑھت میں، یا اس عمارت پر جو ملتان میں آپ نے کھڑی کی ہوئی ہے‘‘

3’’حضرت مولانا نے احرار کی قربانیوں پر پانی پھیر دیا اور جو کچھ ان کے دامن میں تھا اپنے نام پر ہبہ کر لیا‘‘(ہفت روزہ چٹان لاہور 7 مارچ 1966 ص 5)

وقت تھوڑا سا اور آگے سرکا تو تحریک تحفظ ختم نبوت کے باقی اساتذہ بھی ایک دوسرے کو قدرتی لباس میں دیکھنے کے جویاں نظر آئے۔ آغا شورش کاشمیری اور بنوری صاحب ایک گروپ کے سرخیل قرار پائے تو مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود صاحب دوسرے کیمپ کے کیپٹن مقرر ہوئے اور پھر دونوں طرف سے وہ بد اُڑائی گئی کہ ہر انسان سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعتاً یہ مذہبی علم کا ادراک رکھتے ہیں؟؟ آئین کانفرنس میں جب غلام غوث تقریر کرنے آئے تو فرمایا:

’’شریف مقرر چلے گئے میں پاجامے اتار دوں گا اور بانس دے دوں گا۔کیا خطابت تھی کہ ہر شخص پریشاں نکلا سیل الفاظ میں دشنام کا طوفاں نکلا‘‘

(شورش کاشمیری چٹان 6 جولائی 1970 ص 4)

نوائے وقت نے ایک اشاعت میں مندرجہ بالا قول درج کر کے لکھا کہ’’خیر سے یہ وہی سلاجیت فروش ہزاروی ہیں جنہوں نے اُس جلسے کی صدارت کی تھی جس میں مظہر علی اظہر نے دیوبندی نے قائداعظم کو کافر اعظم کہا تھا‘‘

(نوائے وقت 26 اپریل 1973ء)

آغا شورش کاشمیری صاحب مولوی فضل الرحمن صاحب کے والد گرامی اور مولوی غلام غوث کا تعارف کرواتے فرماتے ہیں’’مولانا بنوری حکم دیں تو ہم آپ کو بتائیں کہ وہ کیا زبان استعمال کرتے ہیں۔ایسی زبان کہ ہم نے یہ زبان اُن لوگوں سے بھی نہیں سنی جو دوزخ کا ایندھن ہیں۔ہم ایسے گنہگاران کے ساتھ بہشت میں رہنے کا حوصلہ نہیں کر سکتے۔اور اگر اسلام وہ ہے جو جمیعت کے آخری اجلاس میں حضرت مولانا اور اُن کے ارشد تلامذہ نے پیش کیا اللہ ہمیں ان کے اسلام سے محروم کر دے آمین ثم آمین‘‘ (چٹان 6 جولائی 1970 ص 8)

20 جولائی کے چٹان میں ان علماء کا تعارف یوں درج تھا’’حقیقت یہ ہے کہ ہزاروی گروپ کے 99 فیصد خطیب اب گالی دیئے بغیر قرآن بھی نہیں سنا سکتے‘‘ (چٹان 20 جولائی 1970 ص 5)

’’جمیعت کے موجودہ راہنماوں کا حال دوسرا ہے انھوں نے گزشتہ 24 برس میں کچھ کیا تو فقط یہ کہ اپنے بزرگوں کا نام بیچا۔1962 کے ایوبی دستور میں دوسری ترمیم کے موقع پر مشہور ہے کہ مفتی محمود نے ترمیم کے حق میں ووٹ ڈالنے کے بدلے ایوب خان سے 2 لاکھ چہرہ شاہی گن کر لئے تھے مگر یہ دور بے ایمانی کا تھا جس میں کوئی کسی سے حساب نہ لے سکتا تھا‘‘ (چٹان 7 ستمبر 1970 ص 8)

مزید ارشاد فرمایا کہ’’حقیقت یہ ہے کہ غلام غوث اسلام کا میر جعفر اور مفتی محمود اسلام کا میر صادق ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا جعفر از بنگال اور صادق از دکن ننگ ملت ننگ دیں ننگ وطن‘‘۔ (چٹان 17 اگست 1970 ص 3)

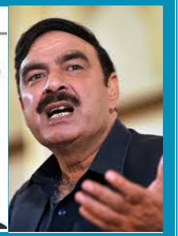
جج صاحب پاکستان میں کس کے نام کے آگے سے احمد مٹا دینا چاہئے اور کس کو احمدی کہلانے کی اجازت نہیں؟ کس کو کافر بنکر رہنا چاہئے اور کس کو مومن؟۔کس کو مرتد بنا کر مٹا دینا ہے اور پھر اس شیر خوار خون کی ارزانی سے کون سا گلستان آباد کرنا ؟۔کس کو زندہ رہنے دینا ہے اور کس پر رزق کے دروازے بند کر دینا ہے؟ یہ لسٹیں بنائیے ضرور بنائیے مگر اتنا نہ بھولئے کہ ہم سب کے اوپر ایک نیلی چھتری بھی ہے اور ایک نیلی چھتری والا بھی۔اسی لئے شاعر کہتا ہے کہ:

تو فیصلہ تو کر مگر اتنا نہ مسکرا ---کہ ہے اک اور فیصلہ بھی اس فیصلے کے بعد

تاریخ کے جھروکوں میں احرار کے امیر شریعت کے مزار سے آتی اس نوحہ کناں کراہٹ میں کہ’’ ہمارا سرمایہ خوب تھا مگر نسل ناخوب تھی نتیجہ ظاہر ہے آبائی ورثہ بھی کھویا، اپنی کمائی بھی گنوائی اور مستقبل۔

***






شیخ رشید، آغا شورش کاشمیری اور احمدی قبر

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ



گزشتہ ہفتے چودھری شجاعت صاحب کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ''سچ تو یہ ہے'' کی تقریب رونمائی ہوئی جس میں بہت سے مقررین نے خطاب کیا۔جناب شیخ رشید صاحب نے نہ صرف چودھری شجاعت صاحب سے اپنے تعلق کو بیان کیا بلکہ حاضرین میں پہلی لائن میں بیٹھے آج کے عقل کل اور کروڑ پتی صحافی جناب مجیب الرحمٰن شامی صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ اُس زمانے میں میرے اور آپ کے حالات ایک جیسے ہی پتلے ہوتے تھے اور پھر اسی غربت کے ذکر کے تسلسل میں ایک آہ بھر کر جناب آغا شورش کاشمیری صاحب کا ذکر کیا کہ وہ کیسے لاچاری کی موت اس دنیا سے علاج کے چند ٹکے نہ ہونے کے باعث رخصت ہوئے۔ ہر سامع کی طرح مجھے بھی ان کی بے بسی کی موت پر گہرا رنج ہوا۔دکھ کے سائے گہرے ہوئے تو مجھے ان کی زندگی سے جڑے کچھ لمحات اور خصوصاً آخری لمحات کے آخری الفاظ ایک فلم کی طرح یاد آ گئے۔

آپ 25اکتوبر 1975ءکو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔جناب شورش صاحب نے ساری عمر اپنے ہفت روزہ چٹان میں جماعت احمدیہ کے لئے شدید سخت زبان استعمال کی مگر جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی وفات پر حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب نے تعزیت کرتے ہوئے بہت ہی خوبصورت الفاظ میں اس ساری کہانی کو تاریخ کا حصہ بنا دیا اور رہتی دنیا تک کے لئے یہ مثال قائم کر دی کہ ہم لوگ نور و تسنیم سے دھلے ہووں کی بیعت میں ہیں۔ ہماری نفرت اور محبت دونوں دنیا سے جدا ہیں۔آپ نے لکھا:

''آپ نے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور بیٹیاں بھی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ آغا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ابھی کسی کی شادی نہیں ہوئی۔بڑی بیٹی کی انہی دنوں شادی کی تجویز تھی کہ آغا صاحب چل بسے۔موت ہر انسان کے لئے لازمی ہے کسی کو اس سے فرار نہیں۔موت دشمن کی ہو تب بھی افسوسناک ہے روحانی ہدایت کی علمبردار جماعت کے لئے کسی شخص کی موت بالخصوص مخالفت کی حالت میں موت بھی رنج کا باعث ہوتی ہے۔شاعر نے کہا ہے

مرا بمرگ عدد جائے شادمانی نیست
کہ زندگانئ مانیز جاودانی نیست

فوت ہو جانے کے بعد آغا صاحب کا معاملہ ہم سے ختم ہو گیا وہ اپنے اعمال و اقوال کا بدلہ لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں اس لئے ان کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔ہاں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کے زخم مندمل فرمائے اور ان کے لئے ہدایت اور ترقی کی راہیں کھولے۔آمین!

شورشؔ صاحب سے میری ایک ملاقات

چند برس گزرے کہ عزیز مکرم عبدالطیف صاحب ستکوہ کی دکان پیپر کارنرؔ میں خرید کاغذ کے سلسلہ میں گیا۔ وہاں پر آغا شورشؔ صاحب بھی آ گئے۔ستکوہی صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا۔چند منٹ تک ان سے گفتگو ہوئی۔انہوں نے مجھے کہا کہ مجھے دو احمدیوں سے واسطہ پڑا ہے اور میری طبیعت پر ان کا بڑا اثر ہے ایک تو میجر سید حبیب اللہ صاحب تھے جن سے میری جیل میں واقفیت ہوئی اور وہ وہاں انچارج تھے پھر شورش صاحب نے مرحوم میجر صاحب کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔دوسرا ایک نامعلوم احمدی ہے مجھے ایک مرتبہ انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا میں نے ادھر ادھر دیکھا مجھے ایک داڑھی والا مسلمان نظر آیا میں نے جھٹ جیب سے بٹوا نکالا اور کلائی کی گھڑی اتاری اور اس شخص کو دے دی۔پولیس مجھے لے گئی۔کوئی چھ سات ماہ کے بعد جب میں رہا ہو کر گھر پہنچا تو ایک شخص آیا۔اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور میرے ہاتھ میں گھڑی اور بٹوا دے دیا۔میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں سے ہیں اور کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں فلاں شہر سے ہوں اور میں احمدیؔ ہوں۔آغا صاحب نے یہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھ پر احمدیوں کے اخلاق کا بڑا اثر ہے۔ہماری یہ گفتگو صرف چند منٹ رہی۔

حضرت سید میجر حبیب اللہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے شورشؔ صاحب نے اپنی کتاب ''پس دیوار زنداں'' میں سنٹرل جیل لاہور کے ذکر پر لکھا ہے:۔

''مجھے یہاں (سنٹرل جیل لاہور میں) تشدد و انتقام کے سبھی مرحلوں سے گزار کر لایا گیا تھا۔اب مجھ پر کوئی سا تجربہ کرنا باقی نہ رہا تھا۔میجر حبیب اللہ شاہ صاحب کا سلوک بہرحال شریفانہ تھا۔لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پکے قادیانی تھے

ان کی ہمشیرہ مرزا بشیر الدین محمود کے عقد میں تھیں۔ قادیان کے ناظر امور عامہ سید زین العابدین ولی اللہ ان کے بڑے بھائی تھے۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ میں آل انڈیا مجلس احرار کا جنرل سیکرٹری ہوں اور احرار قادیانیوں کے حریف ہیں بلکہ دونوں میں انتہائی عداوت ہے میجر حبیب اللہ شاہ نے اشارۃً بھی اس کا احساس نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اخلاق و شرافت کی انتہاء کر دی پہلے دن اپنے دفتر میں اس خوش دلی اور کشادہ قلبی سے ملے گویا مدۃ العمر کے آشنا ہیں۔ انہوں نے مجھے بیماروں میں رکھا اور اچھی سے اچھی دوا و غذا دینا شروع کی۔ نتیجۃً میری صحت کے بال و پر پیدا ہو گئے اور میں چند ہفتوں ہی میں تندرستی کی راہ پر آ گیا۔ وہ بڑے صبور انتہائی حلیم، بے حد خلیق اور غایت درجہ دیانتدار آفیسر تھے ان کے پہلو میں یقیناً ایک انسان کا دل تھا۔ ان کی بہت سی خوبیوں نے انہیں سیاسی قیدیوں میں مقبول و محترم بنا دیا تھا۔'' (پس دیوار زنداں صفحہ ۲۵۷)

شیخ رشید صاحب کے بیان کے ساتھ ہی جو چیز مجھے شدت سے یاد آئی وہ شورش صاحب کا آخری بیان تھا۔ یقیناً اس تحریر میں عقلمندوں کے لئے بہت سے سبق ہیں۔ شورش صاحب کا انداز تحریر و تقریر جماعت احمدیہ کے بارے میں سدا سے جارحانہ تھا مگر چٹان کے آخری پرچہ میں وہ جارحیت کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی اعلان کر گئے۔ اور ایک قبر بنانے پر تل گئے۔ دیکھئے پھر قدرت کا تماشہ کیا ہوا۔ آپ نے اداریہ زیر عنوان ''میزائیو باز آ جاؤ ورنہ تمہارا علاج ہمارے پاس ہے'' میں لکھا کہ: ''ہم ان کے چہرے سے نقاب اٹھانے کا تہیہ کر چکے ہیں فی الحال انہیں وارننگ دے رہے ہیں کہ باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں ایسا سبق سکھا سکتے ہیں کہ تم اس ملک سے رخصت سفر باندھ کر چلے جاؤ۔''

(چٹان 13 اکتوبر 1975)

اور پھر اسی شمارہ میں دوسری جگہ لکھا کہ:

''وہ (احمدی) مسلمانوں کی اس ریاست میں حقیر سے حقیر اقلیت ہیں اور دستور میں ان کا مقام طے ہو جانے کے بعد ان کی حفاظت ہمارا اخلاقی۔ اسلامی یا پھر قانونی و معاشرتی فرض ہے۔ ہم لوگ چاہیں تو ان کے لئے پاکستان کی زمین قبر سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔''

(چٹان 13 اکتوبر 1975 ص 8)

رات کے اس پہر بھی کچھ لوگ سیالکوٹ میں جماعتی املاک اور مسجد کو ہتھوڑوں سے توڑتے ہوئے سمجھ رہے ہیں کہ وہ پاکستان کو جماعت احمدیہ کے لئے قبر سے تنگ کر دیں گے مگر یاد رکھیں کہ ہر دشمن دین کی یہ خواہش پوری ہوئی نہ ہوگی اللہ والوں کے لئے اللہ کی زمینیں سدا کشادہ رہتی ہیں تم اپنی فکر کرو کہیں شورش صاحب کی طرح آخری علاج اور آخری خواہش سے بھی نامراد نہ رہ جاؤ۔ شورش صاحب نے اپنے جنازہ کے متعلق ایک وصیت کی تھی پھر کیا ہوا فاعتبروا یا اولا ابصار۔ اخبار لولاک لائل پور میں درج ہے کہ:۔

''نماز جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں مولانا مفتی محمود نے پڑھائی اور اس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔'' (3 نومبر 1975)

جناب شورش نے اپنے اخبار میں مفتی محمود اور جمیعۃ علماء اسلام یعنی محافظین تحفظ ختم نبوت کے سب علماء کے بارے میں حسب ذیل وصیت کر رکھی تھی:۔

''ہم اپنے رب سے ہر صبح یہی دعا کرتے ہیں کہ اے پرودگار عالم منبر رسالت کے ان وارثوں سے محفوظ رکھنا۔ ہم میں ان کے احسان لینے کا برتاؤ نہیں رہا۔ ان کے ہاتھ کا پانی ہمارے لئے حرام کر دے اور اگر ان کی نگہ لطف سے زندگی بڑھتی ہو تو گھٹا دے۔ ان سے عزت ملتی ہو تو ذلت اچھی۔ مر جاؤں اور کوئی مسلمان جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ان سے جنازہ پڑھوانا ایسا ہی ہے جیسا کسی مسلمان کی لاش کو چتا پر رکھا جائے۔ ان کو جنازہ پر شریک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ لاش اٹھا کر بازار میں پھینک دی جائے۔ جسم کتے کھا جائیں۔ نہ ہم ان کے نہ وہ ہمارے۔ تجربے ہمیشہ نہیں کئے جاتے زندگی میں ایک ہی دفعہ ہوتے ہیں۔''

(چٹان 8 فروری 1971ء)

رمضان کی اس بھیگی ہوئی رات کے آخری پہر میں مولا سے یہی دعا ہے کہ انہیں کرگس اور عقاب کا فرق سمجھا دے۔

***



شذرات

عاصی صحرائی

۱۔وفاقی وزیر ریلوے میاں عطاءاللہ کا شرانگیز اور ناپاک بہتان

ہفت روزہ چٹانؔ لاہور لکھتا ہے:

’’میاں عطا اللہ وفاقی وزیر ریلوے نے لاہور کے ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ قادیانی موجودہ آئین کے خلاف سازشیں کر رہے اور پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ میاں صاحب نے کھلے الفاظ میں کہا کہ حکومت کے پاس قادیانیوں کے ان مذموم ارادوں کا دستاویزی ثبوت ہے اور وہ اس کو عوام کی آگاہی کے لئے شائع کر دے گی۔‘‘

(چٹانؔ لاہور۔۲۰ اکتوبر ۷۵ء)

چٹانؔ کے ایک نامہ نگار نے لکھا کہ:

’’اب وہی بات حکومت کے ایک انتہائی ذمہ دار وفاقی وزیر جناب میاں عطاءاللہ نے کہی کہ قادیانی پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ حکومت کے پاس اس کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ ایک شہری کی حیثیت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر حکومت کے پاس بھی ایسا ٹھوس ثبوت آ گیا ہے تو اس کو منظر عام پر لانا چاہئے اور قادیانیوں کو غداری کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جانی چاہئے۔‘‘

(چٹانؔ۔۲۰ اکتوبر ۷۵ء صفحہ ۲۰)

جماعت احمدیہ کے ترجمان الفضلؔ نے میاں عطاءاللہ وفاقی وزیر ریلوے کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق لکھا کہ:

’’ہم قرآن کریم کے الفاظ میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہتے ہوئے اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ اس رپورٹ میں لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد شرانگیز اور ناپاک جھوٹ ہیں۔‘‘ (الفضلؔ۔۱۵ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

الفرقانؔ:

میاں عطاءاللہ وفاقی وزیر ریلوے کے اعلان اور اس کی پرزور متحدہ یا نہ تردید پر ایک ماہ گزر گیا ہے مگر نہ حکومت نے کوئی دستاویزی ثبوت شائع کیا ہے اور نہ ہی اب خود میاں عطاءاللہ بول سکتے ہیں۔ میاں عطاءاللہ نے نہ صرف جماعت احمدیہ کو بدنام کرنے کے لئے سیاہ جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے بلکہ دستاویزی ثبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا کے حکومت پاکستان کو بھی بدنام کیا ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت پاکستان اپنے وفاقی وزیر ریلوے سے باز پرس کرے اور اس ذمہ داری کے اتنے بڑے عہدہ سے فوراً فارغ کر کے اس پر مقدمہ چلائے کہ اس نے پاکستان کی ایک وفادار جماعت پر ایسا ناپاک بہتان باندھا ہے اور خود حکومت کو بھی بدنام کیا ہے۔

۲۔ہدایت یافتہ فرقہ اور تنظیم سے بے بہرہ

ہفت روزہ خدام الدینؔ لاہور قمطراز ہے کہ

’’افسوس کہ وہ فرقہ جس کو حدیث میں ہدایت پر کہا گیا ہے مغلوب ہو کر رہ گیا ہے۔ اب ہے تو ضرور لیکن تنظیم سے بے بہرہ ہے۔‘‘

(خدام الدینؔ لاہور۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

الفرقانؔ:

اس عبارت میں اس حدیث نبویؐ کی طرف اشارہ ہے جس میں ذکر ہے کہ مسلمان کہلانے والوں فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا اور باقی ناری۔ خدامؔ الدین والے اپنے فرقہ کو اس کا مصداق ٹھہرا کر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے تنظیم سے بے بہرہ اور مغلوب ہونے کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ حالانکہ اس فرقہ ناجیہ کی تو یہ لازمی علامت ہے ’’ألا وھی الجماعۃ‘‘ کہ وہ منظم فرقہ ہوگا۔ وہ ایک واجب الاطاعت امام کا تابع نہ ہوگا۔ ہدایت یافتہ فرقہ تنظیم سے بے بہرہ نہیں ہوسکتا۔ نیز اسی فرقہ کے لئے ظاھرین علی الحق کے الفاظ بھی آئے ہیں اس لئے وہ دلائل کے رو سے مغلوب بھی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو منظم ہے اور دلائل کے رو سے غالب ہے ألا وھی الجماعۃ الاحمدیۃ۔

۳۔معاشرہ کی حالت اور علماء کی ناکامی:

ہفت روزہ الاعتصامؔ لاہور لکھتا ہے:

’’ہر قسم کی بدعات کی سرپرستی کی جا رہی ہے یہ تو عقائد کا حال ہے۔ عملی طور پر یہ صورت ہے کہ ناحق ظالمانہ اور لاپروائی کے قتلوں کی وارداتوں میں ہر نئے

سورج کا اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈکیتی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ جوا اور اس کی مہذب شکلیں عام ہیں۔ عریانی، فحاشی اور دوسرے جرائم شرفاء کا ناک میں دم کرتے رہے ہیں بلکہ بعض بدکرداریوں کو قانونی سزا حاصل ہے۔ عبادات میں جہاں نماز کا۔ وہ ہمارے معاشرہ کی عملی زندگی کے گویا پروگرام ہی سے خارج ہے۔"

(الاعتصام لاہور۔ ۱۷ اکتوبر ۷۵ء صفحہ ۵)

الفرقان:

جب معاشرہ کی یہ حالت ہے تو علماء کی اکثریت کا مسلمانوں کو کیا فائدہ ہے کیا یہ حالت علماء کے ناکام و نامراد ہونے کا ایک ناقابل تردید ثبوت نہیں؟

۴۔ "آئندہ دو برس نہایت کٹھن ہونگے۔"

وزیر اعظم بھٹو نے ایرانی اخبار کیہان انٹرنیشنل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"پاکستان کو سنگین اقتصادی صورت حال کا سامنا ہے گزشتہ برس میں مجموعی صورت قدرے بہتر ہوگئی تھی اور ہم پرامید تھے کہ تیزی سے اقتصادی پیش رفت کر سکیں گے لیکن شومئ قسمت سے سیلابوں نے آلیا اور تربیلا بند کا سانحہ رونما ہوا۔ انہوں نے کہا نئی صورت حال کے پیش نظر پیداوار میں اضافے کی حد ۹ فیصد سے کم کر کے چھ فیصد کر دی گئی ہے..... انہوں نے کہا پاکستان کے لئے آئندہ دو برس نہایت کٹھن ہوں گے۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ اکتوبر ۷۵ء)

الفرقان:

قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں پر ایسے حالات ان کی بداعمالیوں کے باعث آیا کرتے ہیں۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہمارے ابنائے وطن نیکی اور تقویٰ کی طرف توجہ کریں اور اپنی ظالمانہ روشوں سے باز آ جائیں؟

۵۔ آغا شورش مدیر چٹان کی وفات

اخبارات راوی ہیں کہ ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹر مشہور شاعر اور شعلہ بیان مقرر آغا شورش کاشمیری ۲۵ اکتوبر کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے ان کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور بیٹیاں بھی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ آغا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں میں سے ابھی کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ بڑی بیٹی کی انہی دنوں شادی کی تجویز تھی کہ آغا صاحب چل بسے۔

موت ہر انسان کے لئے لازمی ہے کسی کو اس سے مفر نہیں۔ موت دشمن کی ہو تب بھی افسوسناک ہے روحانی ہدایت کو علمبردار جماعت کے لئے کسی شخص کی موت بالخصوص مخالفت کی حالت میں موت بھی رنج کا باعث ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

فوت ہو جانے کے بعد آغا صاحب کا معاملہ ہم سے ختم ہو گیا وہ اپنے اعمال و اقوال کا بدلہ لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں اس لئے ان کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔ ہاں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کے زخم مندمل فرمائے اور ان کے لئے ہدایت اور ترقی کی راہیں کھولے۔ آمین!

۶۔ شورش صاحب سے میری ایک ملاقات:

چند برس گزرے کہ عزیز مکرم عبداللطیف صاحب ستکوہ کی دکان پیپر کارنر میں خرید کاغذ کے سلسلہ میں گیا۔ وہاں پر آغا شورش صاحب بھی آ گئے۔ ستکوہی صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ چند منٹ تک ان سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ مجھے دو احمدیوں سے واسطہ پڑا ہے اور میری طبیعت پر ان کا بڑا اثر ہے ایک تو میجر سید حبیب اللہ صاحب تھے جن سے میری جیل میں واقفیت ہوئی اور وہ وہاں انچارج تھے پھر شورش صاحب نے مرحوم میجر صاحب کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔

دوسرا ایک نامعلوم احمدی ہے مجھے ایک مرتبہ انبالہ چھاؤنی کے اسٹیشن پر گرفتار کر لیا گیا میں نے ادھر ادھر دیکھا مجھے ایک داڑھی والا مسلمان نظر آیا میں نے جھٹ جیب سے بٹوا نکالا اور کلائی کی گھڑی اتاری اور اس شخص کو دے دی۔ پولیس مجھے لے گئی۔ کوئی چھ سات ماہ کے بعد جب میں رہا ہو کر گھر پہنچا تو ایک شخص آیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور میرے ہاتھ میں گھڑی اور بٹوا دے دیا۔ میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں سے ہیں اور کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں فلاں شہر سے ہوں اور میں احمدی ہوں۔

آغا صاحب نے یہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھ پر احمدیوں کے اخلاق کا بڑا اثر ہے۔ ہماری یہ گفتگو صرف چند منٹ رہی۔

۷۔ حضرت سید میجر حبیب اللہ صاحب کا ذکر، شورش کے قلم سے

شورش صاحب نے اپنی کتاب "پس دیوار زنداں" میں سنٹرل جیل لاہور کے ذکر پر لکھا ہے:۔

"مجھے یہاں (سنٹرل جیل لاہور میں) تشدد و انتقام کے سبھی مرحلوں سے گزار کر لایا گیا تھا۔ اب مجھ پر کوئی سا تجربہ کرنا باقی نہ رہا تھا۔ میجر حبیب اللہ شاہ صاحب کا سلوک بہر حال شریفانہ تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پکے قادیانی تھے ان کی ہمشیرہ مرزا بشیر الدین محمود کے عقد میں تھیں۔ قادیان کے ناظر امور عامہ سید

زین العابدین ولی اللہ ان کے بڑے بھائی تھے۔انہیں یہ بھی علم تھا کہ میں آل انڈیا مجلس احرار کا جنرل سیکرٹری ہوں اور احرار قادیانیوں کے حریف ہیں بلکہ دونوں میں انتہائی عداوت ہے میجر حبیب اللہ شاہ نے اشارۃً بھی اس کا احساس نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اخلاق وشرافت کی انتہاء کردی پہلے دن اپنے دفتر میں اس خوش دلی اور کشادہ قلبی سے ملے گویا مدۃ العمر کے آشنا ہیں۔انہوں نے مجھے بیماروں میں رکھا اور اچھی سے اچھی دوا وغذا دینا شروع کی۔نتیجۃً میری صحت کے بال و پر پیدا ہو گئے اور میں چند ہفتوں ہی میں تندرستی کی راہ پر آ گیا۔وہ بڑے صبور انتہائی حلیم، بے حد خلیق اور غایت درجہ دیانتدار آفیسر تھے ان کے پہلو میں یقینا ایک انسان کا دل تھا۔ان کی بہت سی خوبیوں نے انہیں سیاسی قیدیوں میں مقبول ومحترم بنا دیا تھا۔" (پس دیوارزنداں صفحہ ۲۵۷)

الفرقان:

جن حالات میں سید میجر حبیب اللہ شاہ صاحب مرحوم نے آغا شورش سے یہ مشفقانہ سلوک کیا ان پر نظر کرنے سے مرحوم شاہ صاحب کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۸۔شورش صاحب کے دو اقتباس

شورش صاحب کا انداز تحریر وتقریر جماعت احمدیہ کے بارے میں نہایت جا حانہ رہا ہے۔چٹان کے آخری پرچہ میں یہ جارحیت انتہاء کو پہنچ گئی (۲۷ اکتوبر ۷۵ءصفحہ ۸) اب ان کی وفات کے بعد اس بارے میں اس دنیا میں شکوہ کا سوال نہیں تا ہم۔ہم چاہتے ہیں کہ چٹان کے صرف ایک آخری پرچہ سے دو اقتباس تاریخ کے لئے محفوظ کر دیئے جائیں۔

اول:۔شورش صاحب نے اداریہ زیر عنوان "میزائیو باز آ جاؤ ورنہ تمہارا علاج ہمارے پاس ہے" میں لکھا کہ:۔

"ہم ان کے چہرے سے نقاب اٹھانے کا تہیہ کر چکے ہیں فی الحال انہیں وارننگ دے رہے ہیں کہ باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں ایسا سبق سکھا سکتے ہیں کہ تم اس ملک سے رخصت سفر باندھ کر چلے جاؤ۔" (چٹان۔۱۳ اکتوبر ۷۵ء)

دوم:۔اسی شمارہ میں دوسری جگہ لکھا کہ:۔

"وہ (احمدی) مسلمانوں کی اس ریاست میں حقیر سے حقیر اقلیت ہیں اور دستور میں ان کا مقام طے ہو جانے کے بعد ان کی حفاظت ہمارا اخلاقی۔اسلامی یا پھر قانونی ومعاشرتی فرض ہے۔ہم لوگ چاہیں تو ان کے لئے پاکستان کی زمین قبر سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے۔" (چٹان۔۱۳ اکتوبر ۷۵ءصفحہ ۸)

الفرقان:

زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے انسان کے لئے یہی مناسب اور سزاوار ہے کہ وہ خاکساری اور فروتنی سے زندگی بسر کرے اور کوئی ناوارتعلّی کا کلمہ منہ سے نہ نکالے۔

۹۔شورش صاحب کی نماز جنازہ مفتی محمود نے پڑھائی

اخبار لولاک لائل پور میں درج ہے کہ:۔

"نماز جنازہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں مولانا مفتی محمود نے پڑھائی اور اس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔" (۳ نومبر ۷۵ء)

جناب شورش نے اپنے اخبار میں مفتی محمود اور جمیعۃ علماء اسلام کے سب علماء کے بارے میں حسب ذیل وصیت کر رکھی تھی:۔

"ہم اپنے رب سے ہر صبح یہی دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار عالم منبر رسالت کے ان وارثوں سے محفوظ رکھنا۔ہم میں ان کے احسان لینے کا برتا نہیں رہا۔ان کے ہاتھ کا پانی ہمارے لئے حرام کر دے اور اگر ان کی نگہ لطف سے زندگی بڑھتی ہو تو گھٹا دے۔ان سے عزت ملتی ہو تو ذلت اچھی۔مرجاؤں اور کوئی مسلمان جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ان سے جنازہ پڑھوانا ایسا ہی ہے جیسا کسی مسلمان کی لاش کو چتا پر کھا جائے۔ان کو جنازہ پر شریک کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ لاش اٹھا کر بازار میں پھینک دی جائے۔جسم کتے کھا جائیں۔نہ ہم ان کے نہ وہ ہمارے۔تجربے ہمیشہ نہیں کئے جاتے زندگی میں ایک ہی دفعہ ہوتے ہیں۔"

(چٹان۔۸ فروری ۱۹۷۱ء)

الفرقان:

اس وصیت کے باوجود مفتی محمود صاحب کے جنازہ پڑھانے پر شورش صاحب کی روح کا کیا حال ہوگا؟

۱۰۔شرعی مسلمان نہیں سیاسی مسلمان ہیں

شورش کاشمیری کی ادارت کے آخری چٹان کے اداریہ کو نوائے وقت نے ان کے "الوداعی پیغام" کے طور پر نقل کیا ہے۔ہم اس آخر چٹان کے اسی اداریہ سے ذیل کے دو اقتباس قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔شورش صاحب لکھتے ہیں:۔

(الف)"ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے عصری مسائل کی بوقلمونیوں کو جانتے اور پہچانتے ہوئے اس بدعی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ملت اسلامیہ

کے عالمگیر ضعف کا سب شہنشاہیت، ملائیت اور خانقاہیت کے وہ مظاہرہ و آثار ہیں جن کی بدولت سرمایہ داری اور ہما گیر داری کے عوارض ھذا من فضل ربی ہو کے رہ گئے ہیں اور جنہیں سب سے زیادہ منبر و محراب نے طاقت بخشی ہے اسلام کہاں ہے؟ یہ ایک بڑا پیچیدہ سوال ہے۔ اگر ہم اسلام پر کار بند ہوتے اور ہمیں قرآن و سنت کی راہیں عزیز ہوتیں تو بلاشبہ ہم سیاسی مسلمان نہ ہوتے شرعی مسلمان ہوتے اور ہمارا آفتاب اس طرح گہن میں نہ ہوتا۔''

(ب)'' اگر علماء میں اخلاص فی العمل ہوتا اور وہ اپنے رب کے وفادار ہوتے تو اشتراکیت کے مقابلہ میں خار و خس نہ ہوتے۔ اب ہم ان سے کیونکر کیسے عرض کریں کہ اسے وارثان مسند رسولؐ! اسلام سے انصاف کرو۔ وقت کی رو کو دیکھو۔ عام مسلمان اب بھی اللہ سے ڈرتے اور محمدؐ کے عشق سے سرشار ہیں۔ تمہاری بدعملیوں اور بدرویوں نے لا دین اشتراکیت کو حوصلہ دلا رکھا ہے۔ کہ وہ اسلام کے اس ملک میں اپنے فلسفہ کو جارحانہ اعتماد سے پیش کرتے اور تم ہو کہ بدعات کی معرفت سواد اعظم کی مہمل اصطلاح کے محل میں بیٹھ کر مسلمانوں کے اس ملک میں اسلام کی رسوائی و پسپائی کا تماشا کر رہے ہو۔''

(چٹانؔ۔ ۱۲ اکتوبر ۷۵ء)

الفرقانؔ:۔ ہر دو اقتباس خاص توجہ اور غور سے پڑھے جانے کے قابل ہیں۔ شورشؔ صاحب ''شرعی مسلمان'' ہونے سے انکاری ہیں صرف ''سیاسی مسلمان'' ہیں اور علماء کی بدتر حالت پر آخری دن تک نوحہ کناں ہیں۔

۱۱۔افغانستانؔ میں حضرت لوطؑ کی قبر

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں سید سلیمان صاحب ندوی نے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب اور سید راس مسعود صاحب کی معیت میں افغانستانؔ کا سفر کیا اور ایک کتاب سیر افغانستان کے نام سے شائع کی اس میں لکھا ہے:۔

'' فتح آباد کی تیل دوکان میں پہنچ کر موٹر میں جب تیل ڈالا جانے لگا ......اس دوکان کے ملازم بھی ہندوستانی تھے۔ انہوں نے چائے سے واضع فرمائی انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں سے چھ میل پر ایک مزار ہے۔ جس کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قبر ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔''

سیر افغانستانؔ از مید سلیمان ندوی۔ شائع کردہ: نفیسؔ اکیڈمی حیدر آباد دکن۔ (مطبوعہ مئی ۴۵ء صفحہ ۲۴)

الفرقانؔ: اگر فی الواقع یہ حضرت لوطؑ کی قبر ہو تو افغانوں کے بنی اسرائیل ہونے پر ایک اور دلیل قائم ہوجائے گی۔

۱۲۔قرآن حکیم اصل میں مسکینوں اور غریبوں کی تنظیم ہے

ہجرت نبویؐ کے اسباب کے سلسلہ میں ماہنامہ الوحیؔ حیدر آباد سندھ لکھتا ہے:۔

'' گو قرآن حکیم کی انقلابی تعلیم میں قتال و جدال داخل ہے جیسے ہر ایک انقلابی تحریک میں ہوتا ہے لیکن اصل میں یہ مسکینوں اور غریبوں کی تنظیم ہے اور معاشی توازن اس لئے چاہتا ہے کہ خدا پرستی کے لئے فراغت پا سکے اس لئے اس کے پھیلنے اور منظم ہونے کے لئے قتال وجدال کی یہ نسبت امن و امان کی زیادہ ضرورت ہے۔'' (ماہنامہ الوحیؔ حیدر آباد۔ جولائی ۷۵ء صفحہ ۴۹)

الفرقانؔ:

اشاعت اسلام کے لئے امن و امان کی ضرورت ہے نہ کہ قتال و جدال کی یہی صحیح نظریہ ہے جو خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔

الفرقانؔ کا ''نعت نبویؐ'' تیار ہو رہا ہے انشاء اللہ دسمبر کا شمارہ نعت نبویؐ نمبر ہوگا۔ احباب ابھی سے اپنی کا پیاں حسب استطاعت بک کرالیں (مینجر)







وادی ہزارہ میں جماعت احمدیہ



اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

مختصر تعارف اور تاریخ

پاکستان کو چین سے ملانے والی واحد سڑک شاہراہ ریشم کے نام سے مشہور ہے جو حسن ابدال کے قریب پشاور جی ٹی روڈ سے الگ ہو کر وادی ہزارہ میں داخل ہوتی ہے اور گلگت سے گزرتی ہوئی چینی حدود میں داخل ہو جاتی ہے۔ وادی ہزارہ ضلع ہری پور، ضلع مانسہرہ، ضلع ایبٹ آباد اور ضلع کوہستان پر مشتمل ہے۔ اس وادی میں جماعت احمدیہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود جماعت احمدیہ۔ ہزارہ وادی کے پاس ہی تربیلہ ڈیم کے قریب کوٹھا شریف کا علاقہ ہے جس میں حضرت پیر صاحب آف کوٹھ شریف نے اپنی وفات کے قریب اپنے مریدوں کو بتایا دیا تھا کہ اب اُن کا زمانہ ختم ہوا چاہتا ہے کیونکہ امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ ان کے مریدین کی زیادہ تعداد ہزارہ وادی سے تھی اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوی مبارکہ پر ان کے مریدین کی ایک بڑی تعداد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئی۔ ان کے بعض مریدین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے اس گواہی کو حلفاً بیان کیا جسے آپ نے کتب میں کئی جگہہ پر تحریر فرمایا۔ مانسہرہ شہر کے پاس ایک گاؤں دیبگراں میں ایک بزرگ تھے جن کا نام یحیٰ خان تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب حمامۃ البشریٰ ڈاک کے ذریعہ انہیں بھیجی اور لفافہ پر ایڈریس کے ساتھ لکھا یا یحیٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ قادیان پہنچ کر دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ قیام پاکستان سے پہلے کشمیر کی آزادی کے سلسلے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایک دفعہ قادیان سے مانسہرہ اور



ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب مرحوم سابقہ امیر صاحب ضلع ہزارہ



مکرم ظفر تنولی صاحب۔ مکرم ناصر تنولی صاحب اور مکرم رفیع تنولی صاحب

بالاکوٹ کے درمیان واقع گڑھی حبیب اللہ کے گیسٹ ہاؤس میں تشریف فرما ہوئے اور کشمیر کے اہم ترین لیڈران کو ملاقات کا شرف بخشا۔ اسی طرح ایک دفعہ بالاکوٹ بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے مزار پر دعا کے لئے تشریف لے گئے اور واپسی پر پھگلہ کی جماعت میں چائے نوش فرمائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو مانسہرہ سے کوئی سو کلومیٹر آگے واقع چھتر پلین کا علاقہ کافی پسند تھا کئی ایک دفعہ آپ گرمیوں میں وہاں تشریف لائے۔ اسی طرح سے ایبٹ آباد میں جماعت نے کچھ جگہہ خرید کر کچھ مکان بھی تعمیر کروائے تھے کچھ مکان مکمل ہو چکے تھے اور کچھ ابھی زیر تعمیر تھے کہ مفتی محمود صاحب جو اس وقت صوبے کے وزیر اعلیٰ تھے کی خاص ہدائیت پر آگ لگوا دی گئی۔

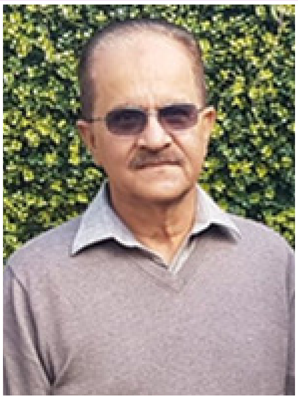
جماعت پر مظالم کی داستان

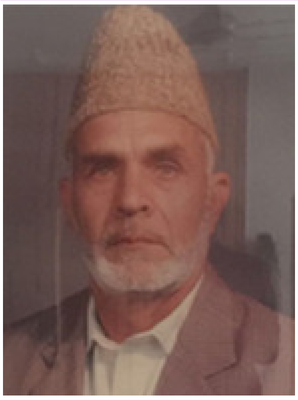
1974 میں پورے پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ بربریت کی داستان رقم کی گئی مگر ہزارہ وادی میں یہ حیوانیت کی حدوں کو چھوگئی۔ وہ دردناک واقعات جو 1974 سے شروع ہوئے آج بھی پورے تسلسل سے جاری ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ 1974 میں لوٹ مار، قتل وغارت اور گھروں کو نظر آتش کرنے پر زیادہ زور تھا مگر 1984 کے بعد سے یہ مقدمات درج کروا کر جیلوں میں بند کرنے، مکمل سوشل بائیکاٹ کرنے، آوازے کسنے اور مار پیٹ میں بدل گیا۔ یہ داستان ظلم جاری تھی اور جماعت کے عاشقان وفا کو وہ وقار بنے اپنے ایمان پر قائم رہتے ہوئے تاریخ اسلام کو دہرانے میں مصروف تھے کہ انہیں دنوں خاکسار نے 1991 میں جامعہ سے اپنی

شاھد کی تعلیم مکمل کر لی۔ مرکز کی طرف سے 17 اگست 1991ءکو خاکسار کی پہلی پوسٹنگ مانسہرہ شہر میں مربی ضلع ہزارہ کے طور پر ہوئی۔


اصغر علی بھٹی صاحب
مبلغ سلسلہ


رانا منور احمد صاحب
قائد ضلع ہزارہ


رانا مبشر احمد صاحب
قائد مانسہرہ


رانا کرامت اللہ صاحب (مرحوم)
سابقہ امیر صاحب ہزارہ

آج 27 سال بعد صحرائے اعظم کے کنارے مغربی افریقہ میں ایک شام ہماری صدر لجنہ صاحبہ ایبٹ آباد کی فوتگی کی خبر ملی تو گویا ایک جہان آباد ہو گیا اور ماضی کے تمام واقعات یادوں کے پر لگائے صحن چمن میں اترتے چلے آئے۔

درد کے جگنو

جب ایبٹ آباد احاطہ کچہری میں ہماری پٹائی ہو رہی تھی تو سامنے کی سلاخوں والی کھڑکی کے پیچھے سے سیشن جج صاحب کھڑے حیرانگی سے نظارہ فرما رہے تھے۔ یہ میری زندگی کے اُن لحات کی آپ بیتی ہے کہ جب وقوع پذیر ہو رہی تھی تو جسم پر آہنی مکوں، لاتوں، گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش اور کانوں میں صرف غلیظ گالیوں کا شور تھا اور اب جب کہ اس سانحے کو گزرے ہوئے 26 سال ہو چکے ہیں۔ مڑ کر ماضی میں دیکھتا ہوں تو ان لمحوں کا درد سہانی یاد بنکر آس کا جگنو بن جاتا ہے اور سوچتا ہوں قیامت کو دامن اعمال سے خالی نکلا تو ٹوٹی ہوئی کلائی، سوجھے ہوئے ہونٹ، چٹخی ہوئی پسلیاں پھٹا ہوا سر، متورم آنکھوں سے بہتا ہوا پانی اور حوالات اور جیل کے گندے اور ٹھنڈے فرش پر گزاری طویل راتیں جھولی سے نکال کر پیش کر کے چپ کھڑا ہو جاؤں گا کہ مولا یہی متاع حیات سمیٹ سکا تھا۔

29 دسمبر 1992ء حوالات تھانہ کینٹ ایبٹ آباد

18 فٹ اونچی کالی سیاہ چھت والی کوٹھڑی میں ڈوبتے سال کی آخری شام کے تیزی سے اترتے ہوئے سائے ماحول کو عجیب پر اسرار بنا رہے تھے۔ چیڑ کے اونچے درختوں سے گزرتی ہوئے برفانی ہواؤں کے شور میں اب پہرہ دینے والے بھاری بوٹوں کی چاپ بھی شامل ہو گئی تھی۔ ایسے ہی لمحوں میں۔ میں ٹوٹے پھوٹے گندے فرش پر معمولی کپڑوں میں ملبوس دیوار کے سہارے اکڑوں بیٹھا لوہے کی سلاخوں والے کھلے دروازے سے آنی والی یخ ہواؤں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ زخمی آنکھ سے بہتا ہوا پانی اور جبڑے کے نچلے حصے سے نکلنے والا خون تو شاید بہہ بہہ کر اب تھک چکا تھا۔ یوں تو کمر اور سر میں لگنے والے پتھر اور آہنی مکوں کی مالش سے ہونے والی درد بھی کبھی کبھی نڈھال کر دیتی تھی مگر کلائی اور انگوٹھے کے سوجھے ہوئے حصہ کا درد مسلسل بے چین کر رہا تھا۔ گزرے ہوئے دن کے تمام واقعات ایک ایک کر کے دل و دماغ کی سکرین پر جل بجھ رہے تھے۔ مجھے وہ چہرہ اچھی طرح سے یاد ہے جس نے اُس سپاہی سے جو لوہے کی لمبی زنجیر والی ہتھکڑی گھما گھما کر مجھے اس بپھرے ہوئے ہجوم سے بچانا چاہ رہا تھا۔ چیخ کر ہندکو میں کہا تھا ''اے کافر اے تے اسیں ایناں دے خلاف جہاد کر رئے آں جُل جنیاں اس کو چھوڑ تے اپنا کم کر'' یعنی یہ کافر ہے اور ہم ان کافروں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں آپ اس کو چھوڑیں اور اپنا کام کریں۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر میرے دو ساتھیوں کو بھی ایسے ہی لوگ گھیر کر مار رہے تھے۔ یعنی ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب قائد ایبٹ آباد اور رانا اقبال احمد صاحب خادم مانسہرہ جماعت۔ ان لوگوں کو غصہ تھا کہ ہم 30 دن سے جیل میں بند ایک بے گناہ کی ضمانت کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ ایبٹ آباد کچہریوں کا چھوٹا سا احاطہ میدان کارزار بنا ہوا تھا جس میں کوئی سو کے قریب ''مجاہدین'' ہم تینوں کے خلاف مصروف ''جہاد'' تھے۔ زخموں کا اس قدر ہجوم تھا کہ یاد نہیں کب اور کس نے مجھے اس ہجوم سے نکال کر اُس پولیس ویگن میں ڈالا جو مجھے حوالات میں پہنچانے کے لئے تیار تھی جہاں سرکاری اہلکار میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے خلاف F.I.R کاٹنے میں مصروف تھے۔ سردیوں کی یہ لمبی اور اداس رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ درد کچھ سنبھلا تھا کہ فلیش بیک میں وہ چہرہ یاد آنے لگا کہ جو کھڑکی میں کھڑا ہم تینوں خدام کی درگت بنتے دیکھ رہا تھا اس کے ساتھ ہی جیسے میموری کے تمام سوچ آن ہو گئے اور مجھے اپنے پر بیتنے والی تمام کہانی یاد آ گئی۔

ایبٹ آباد میں وقار گل جدون صاحب صدر تحفظ ختم نبوت تھے اور ساجد اعوان صاحب سیکرٹری جنرل تھے۔ یہ دونوں صاحب بنیادی طور پر سینما میں فلموں

کے اشتہاری بورڈ پینٹ کرتے تھے۔ کافی تعلقات تھے گاڑیاں اور لڑکوں کا ایک بڑا گروپ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا تھا لڑائی مار کٹائی، تھانہ کچہری ان کے لئے ایک عام سی بات تھی۔ 1992 دسمبر کے پہلے ہفتے سے انہوں نے ایک نیا پروگرام لانچ کیا۔ یہ مانسہرہ، ایبٹ آباد اور داتہ میں کسی ایک خادم کو ٹارگٹ کرتے۔ باقاعدہ لڑکے پیچھے لگا دیئے جاتے کہ اس بندے کے معمول کی ڈائری تیار کرو۔ ہفتے دو ہفتے بعد یہ اُس خادم کے پاس پہنچتے کہ ہم جانتے ہیں یہ آپ کا نام ہے۔ آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں۔ کہاں کہاں پڑھتے ہیں۔ آپ اتنے بجے یہ کرتے ہو اور اتنے بجے یہ وغیرہ وغیرہ۔ شہر چھوڑ کر نہیں جانا۔ ہم آپ کو 2 ہفتے دیتے ہیں سوچنے کے لئے۔ دو ہفتے بعد آئیں یا تو آپ ہماری بات مان کر ہمارے ساتھ چلیں گے اور الیاسی مسجد میں اپنی جماعت چھوڑنے کا اعلان کریں گے نہیں تو ہم آپ کو اُٹھا کر لے جائیں گے باقی کے ذمہ دار آپ خود ہونگے۔ جتنا بھاگ سکتے ہو بھاگ لو۔ پولیس کو بتانا ہے تو بڑے شوق سے لیکن راستہ ایک ہی ہے۔ اور ہماری ہر لحہ آپ پر نظر ہے۔ باقاعدہ دن، جگہ، اور ٹائم بتایا جاتا۔ کہ اس دن ہم واپس آئیں گے۔ ہزارہ ویگن حادثے میں کئی اہم عہدیدار شہید ہو چکے تھے اور اوپر سے مخالفت بے انتہا تھی۔ اور اُس پر مستزاد یہ غنڈہ گروپ جو مسلح سوزوکیوں میں گھومتے رہتے اور کوئی دکھ دینے کا لمحہ ضائع نہیں کرتے تھے۔ انتظامیہ ہمیشہ کی طرح خاموش تماشائی تھی۔ جن دنوں یہ اصحاب اخدود اپنا پروگرام ترتیب دے رہے تھے انہیں دنوں خاکسار کی پوسٹنگ مربی ضلع ہزارہ کے طور پر مانسہرہ میں ہوگئی تھی۔ ہم بھی نوجوان تھے۔ سینے میں جماعت کی خدمت کے لئے کچھ کر گزرنے کا شوق تھا اور سچی بات ہے ایسے میں موت کا تو بالکل بھی خوف نہ تھا۔ اور پھر نومبر کے آخری ہفتے ختم نبوت کا پورا دفتر ایبٹ آباد ڈی ایچ کیو ہسپتال میں داخل ہوا۔ ڈیوٹی پر موجود احمدی خادم اظہر صاحب کو باہر بلایا اور پھر ساری معلومات اور سارا پروگرام اُس کے سامنے رکھ دیا۔

اظہر صاحب داتہ ضلع مانسہرہ کے رہائشی تھے۔ شریف کم گو بھولے بھالے سے جنہوں ساری عمر کسی بکری کو بھی پتھر نہیں مارا تھا اُسے چالیس پچاس مسلح لوگ ہسپتال کے صحن میں دن کے 10 بجے سب لوگوں کے سامنے اس کی ڈیوٹی سے نکال کر قتل ہونے یا مرتد ہونے کا پروگرام دے رہے تھے اور دنیا تماشائی بنی حیرت سے مقتول اور مقتل کو دیکھ رہی تھی۔ جناب اظہر صاحب ہسپتال سے نکل کر ہری پور میں ضلعی امیر جناب ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ بعد میں اظہر صاحب پشاور بھی گئے اور صوبائی امیر صاحب کو بھی اطلاع دی بہر حال جماعت نے اپنے طور پر انتظامیہ سے بھی بات کی۔ مرکز کو اطلاع کے ساتھ ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں تمام صورتحال کے ساتھ عاجزانہ دعا کی درخواست کی گئی۔ سب احباب جماعت نے صبر اور حوصلے اور بہادری دکھانے کی تلقین کی اور اس ظالمانہ پروگرام کے خلاف دعاؤں میں لگ گئے۔ اظہر صاحب کا مسلسل تعاقب کیا جارہا تھا اور ہر طرح سے انہیں نفسیاتی طور پر ڈرانے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اسی وجہ وہ کسی طرح سے بھی تسلی نہیں پا رہے تھے۔

اس دوران خاکسار اور قائد ایبٹ آباد جناب ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب نے ان سے ملاقات کی اور ان کا حوصلہ بڑھایا مگر ان کی بے قراری اور پریشانی دیکھ کر اُن سے کہا کہ اظہر بھائی آپ فکر نہ کریں مطلوبہ تاریخ پر آپ اکیلے نہیں ہونگے آپ کا مربی اور آپ کے قائد صاحب بھی ساتھ ہونگے۔ جو بھی ہوگا ہم سب کے ساتھ اکٹھا ہوگا۔ 29 نومبر کی صبح ہم بھی ہسپتال پہنچ گئے اور وارڈ میں ہی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ٹھیک دس بجے 10 کے قریب مسلح افراد کا ایک دستہ وارڈ میں داخل ہوا کہ چلیں بھئی اظہر صاحب باہر تشریف لے آئیں۔ ہم بھی اُن کے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ ڈسٹرکٹ ہسپتال ایبٹ آباد کے صحن میں مزید کوئی 40 مسلح افراد کھڑے تھے۔ وقار گل جدون نے دیکھتے ہی کہا کہ میں نے آپ کو وعدہ دیا تھا لو میں اپنے وعدے پر حاضر ہو گیا ہوں۔ اسی دوران تمام لوگوں نے ہمارے ارد گرد دائرہ بنالیا ہوا تھا ہم سب کے حصار میں کھڑے تھے۔ اظہر صاحب ابھی کیا جواب دیتے وقار گل جدون نے چیختے ہوئے کہا کہ سوچنے کے لئے تجھے بڑا ٹائم دیا تھا اب صرف بولنے کا وقت ہے۔ اظہر صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور ہمارے چہروں کو دیکھ کر حوصلہ پکڑتے ہوئے دھیرے سے کہا آپ نے مجھے قتل کرنا ہے کر دیں۔ اس کے ساتھ مسلح لوگ اظہر صاحب کی طرف بڑھے تو میں نے اور قائد صاحب نے اُن کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ وہ لڑکے رک گئے وقار گل جدون صاحب بڑی تسلی سے بولے سب کی باری آئے گی آج صرف اس کی باری ہے۔ آج ہمارا تم سے کوئی لینا دینا نہیں۔ میں نے اس سے کہا چلو ہماری بھی باری آجائے کوئی بات نہیں لیکن ابھی پانچ منٹ مل سکتے ہیں۔ اُس نے بڑی بے خوفی اور لاپروائی سے کہا پانچ کیا دس منٹ لو ہمیں کوئی جلدی نہیں۔ اور پھر اُس دائرے کے مسلح حصار میں خاکسار نے دعا کروائی۔ منظر تھا تین لوگ محو دعا تھے اور 50 قاتلوں سے بے پرواہ۔ وہ سب لوگ بندوقیں اوپر کر کے تسلی سے کھڑے تھے۔ خاکسار نے دعا ختم کی باری

باری گلے مل کے اظہر صاحب کے کندھے پر تھاپی مارتے ہوئے اونچی آواز میں پنجابی میں کہا ''جاؤ مسیح دیا شیرا مرنا تے اک دن سب نے آ پیشگی مبارک لے جاتے یاد رکھیں ساری جماعت تے اودھا خلیفہ تیرے پچھے آ'' وہ بچارا بھی بڑے دھڑلے سے بے فکری سے کھڑے تھے تو ہم دو بھی اتنی ہی دلیری اور بے فکری سے کھڑے تھے اُس دن زندگی سے زیادہ موت پیاری لگ رہی تھی۔

وہ سب لوگ اظہر صاحب کو لے کر چلے گئے لیکن جو ظاہر کر رہے تھے کہ ان کو کوئی ڈر نہیں حقیقت میں جماعتی وفد کی موجودگی سے بہت ڈر گئے تھے۔ لہٰذا جلدی سے ان کو ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا اور کاپی پنسل اور کاغذ دے دیا کہ جو لکھنا ہے اس پر لکھ دو۔ جماعت کو گالی نہیں لکھنا چاہتے تو صرف سادھا سے الفاظ میں لکھ دو کہ میں اب سے احمدی نہیں ہوں۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ 15 منٹ بعد وہ سب اندر آئے اور کاغذ اُٹھا کے دیکھا جو صاف پڑا ہوا تھا اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتے اظہر صاحب بولے آپ نے مجھے مارنا ہے نا ں ماردیں میں تیار ہوں میں جماعت نہیں چھوڑوں گا۔ اس پر انہوں نے ان کو جی بھر کر مارا اور جلدی سے لے کر تھانے پہنچ گئے کہ یہ آج ہمارے دفتر تبلیغ کرنے آیا تھا لہٰذا اس پر 298C کے تحت پرچہ کاٹا جائے۔ یہ ساری کاروائی ان کو ایک گھنٹے سے پہلے پہلے مکمل کرنا پڑی۔ اسی دوران ہم نے جماعت کے تمام عہدیداروں کو اطلاع کردی۔ مکرم امیر صاحب ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب ہری پور سے فوری پہنچ آئے جب جماعتی وفد اغوا کی رپورٹ درج کروانے تھانے پہنچا تو وہاں ختم نبوت کا وفد تبلیغ کرنے پر پرچہ کٹوانے میں مصروف تھا۔

اُس دن ہم انہیں اظہر صاحب کی ضمانت کروانے کچہری میں آئے تھے لہٰذا ختم نبوت کی اُس ساری ٹیم نے ہم تینوں کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ احاطہ عدالت، پولیس موجود، اور تین بندوں کی ایک بڑا گروہ دھلائی کر رہا تھا۔ ایسے میں زخمی آنکھوں سے میں نے دائیں جانب دیکھا تو کھڑکی کے پاس کھڑا ایک صاحب اس سارے نظارے کو دیکھ رہا تھا مجھے اللہ نے ہمت دی میں دائرہ توڑ کر اس کمرے میں داخل ہو گیا جو کہ دراصل سیشن جج کی عدالت تھی اور سیدھا جج صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ مارنے والے بھی پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے داخل ہوئے تو جج صاحب بغلی دروازے میں داخل ہو گئے خاکسار نے بھی آو دیکھا نہ تاؤ اور انہیں کے پیچھے ان کے کمرے میں گھس گیا اور پھر اس کمرے میں بھی قانون کے سائے میں پٹائی جاری رہی۔ تھوڑی دیر بعد ہم تینوں کو مختلف عدالتوں کے کمروں سے برآمد کر کے پولیس کے حوالے کر دیا جو ہمارے خلاف مجاہدین ختم نبوت کو گالیاں دینے اور نقص امن کرنے کی وجہ سے شدید ناراض تھی لہٰذا ایف آئی آر تو بنتی تھی سو ہم حوالہ حوالات وزنداں کر دیئے گئے۔

بچپن سے لڑکپن تک لوگوں سے یہی سنا تھا کہ نیند تو صلیب پر بھی آجاتی ہے مگر اس دن یہ حادثہ وقوع پذیر نہیں ہو رہا تھا کیونکہ سارا دن تو صرف پٹائی اور مجاہدین کی پوتر گالیاں کھائی تھی جبکہ پیٹ اور معدہ کے لئے رات کے اس پہر بھی کوئی سامان و سبیل نظر نہیں آرہی تھی۔ اس پر مزید کرم فرمائی یہ تھی کہ ''مجاہدین ختم نبوت'' کے وفود وقتاً فوقتاً تھانے میں داخل ہوتے اور مین گیٹ کے ساتھ ہی واقع سلاخوں والی حوالات کے دروازے کے پاس آتے۔ فرش پر بیٹھے تینوں گنہگاروں کو دیکھتے۔ مبارک الفاظ اگلتے، اور آگے آفیسران کے پاس چلے جاتے۔ حوالات میں دیوار کے ساتھ ہم کچھ اس ترتیب سے بیٹھے تھے دروازے کے پاس خاکسار پھر رانا اقبال صاحب اور آخر میں ڈاکٹر ناصر تنولی یعنی قائد صاحب۔ جسمانی طور پر تینوں میں سے خاکسار ہی کچھ ماٹھا تھا۔ قائد صاحب نے جلدی ہی کچھ محسوس کیا اور فرمانے لگے مربی صاحب آپ درمیان میں آجائیں اور پھر جب بھی کوئی گروپ تبرابازی کے لئے داخل ہوتا تو قائد صاحب جلدی سے اونچی آواز میں کوئی لطیفہ یا واقعہ سنا کر ہمارے ہنسانے کا بندوبست کرنے لگ جاتے یوں انہوں نے دشمن اور بھوک دونوں کے خلاف ایک سبیل نکال لی۔ بعد میں پتہ چلا تھا کہ ہمارے تھانے میں آنے کے بعد شہر میں کافی جلوس نکالے گئے تھے دوکانیں بند کروائی گئیں تھیں اور حالات کافی کشیدہ کر دیئے گئے تھے اسی وجہ سے جماعتی طور پر کسی کو بھی ہم سے ملنے کے لئے گھر سے باہر نکلنے سے روک دیا گیا تھا۔

حوالات میں من وسلویٰ

تاہم آدھی رات کے قریب ہماری صدر لجنہ صاحبہ پروفیسر عطیہ تنولی صاحبہ نے کہیں سے ایس ایچ او صاحب کا نمبر حاصل کیا اور اپنا تعارف کروایا اور ہمارے بارے میں بات کی۔ ایک احمدی ہو، پھر صدر لجنہ صاحبہ ہوں اوپر سے ماں بھی ہو جس کے زخمی بیٹے بھوکے حوالات میں بند ہوں تو انکی آواز میں کیا ہی دعائیہ گھن گرج ہوگی۔ ایس ایچ او صاحب نے بڑے ادب سے کہا کہ میڈم آپ پریشان نہ ہوں اس پہر تو بازار سے بھی کھانا نہیں مل سکتا آپ اگر گھر سے بجھوا دیں تم میں ان تک پہنچا دوں گا۔ باقی میرا وعدہ ہے کہ میں ان بچوں کو بڑے آرام سے رکھوں گا۔ کچھ ہی دیر میں مکرم ظفر تنولی صاحب ہمیشہ کی طرح روشن آنکھوں اور

مسکراتے چہرے کے ساتھ گرم گرم بادام اور اخروٹوں والا حلوہ لے کر حاضر ہو گئے۔ من وسلویٰ کتنا لذیذ ہوتا ہوگا یہ راز اُس دن ہم نے بھی جان لیا۔ کھانا ابھی ختم ہوا تھا کہ ایس ایچ او صاحب خود حوالات کے پاس آئے، ہمیں وہاں سے نکلوایا اپنے دفتر میں لے کر گئے اور پھر اپنے آرام والا کمرہ کھول کر فرمانے لگے آپ یہاں آرام کریں۔ صبح ملاقات ہوگی اور پھر ہم نے وہیں وضو کیا اور باجماعت اپنے مولا کے حضور سربسجود ہو گئے۔

صدر لجنہ صاحبہ ایبٹ آباد

آج وہ شفیق ماں، وہ ہماری صدر لجنہ صاحبہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی بہادری اور جماعت سے وفا کی داستانیں وادی ہزارہ میں ستاروں کی طرح جھلملا رہی ہیں۔ آپ گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد میں کیمسٹری کی پروفیسر تھیں۔ اللہ نے تین بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ خلافت سے محبت ،خلوص، انکساری ، جماعتی عہدیداروں کی ریسپیکٹ ،مہمان نوازی اور بہادری ایک مثال تھی۔ اگر ان کے لئے اللہ کی شیرنی کا لفظ بولا جائے تو بالکل برمحل ہوگا۔ آپ کے اللہ پر ایمان اور توکل اور جماعت سے وفا کا ایک واقعہ نہ بیان کروں تو یہ تاریخ سے ظلم ہوگا۔ آپ کے خاوند پٹرولیم کے وفاقی سیکرٹری تھے، مانسہرہ سے پیچھے وادی پکھل کی ایک بڑی فیملی سے تعلق تھا۔ ریٹائرمنٹ کے قریب پہنچتے ہی ان کے دل میں سیاست میں شامل ہونے کی خواہش پیدا ہو رہی تھی اور وہ دل میں اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ جماعت سے اعلیحدگی کا اعلان کر کے سیاست میں شامل ہو جاؤں گا۔ آپ ان کو ہر طرح سے اس سودے سے روک رہیں تھیں اور اپنے مولا کے حضور بھی دعا گو تھیں کہ اللہ ان کو ایمان کے بدلے سیاست کی سیٹ سے بچالے اور پھر یوں ہوا یونہی ان کی ریٹائرمنٹ کا دن قریب آیا ان کی اچانک وفات ہوگئی۔ خاوند کا جنازہ پڑا تھا آپ نے اپنے چاروں بچوں کو بلایا اور نعش کے سرہانے کھڑے ہو کر ان سے پوچھا بچوں سودا کیسا ہے؟ اللہ نے آپ کے ابو کا اور آپکا ایمان بچا دیا اور ابو کو لے لیا؟ سب بچوں نے بے یک زبان کہا امی جان یہ سودا سراسر منافع کا ہے۔ یہ الفاظ جب میں نے اپنے شاہد کے مقالے کے سلسلے میں اُن کا انٹرویو کیا تھا تو اُنہوں نے مجھے اپنے بچوں کے سامنے یہ بات بتائی تھی۔ اللہ نے اولاد دی ماشاء اللہ ایک سے بڑھ کر ایک جماعتی خادم۔ ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب قائد علاقہ ہزارہ۔ ظفر تنولی قائد ایبٹ آباد بعد میں رفیع تنولی صاحب قائد ایبٹ آباد۔ (ان بچوں کے والد کے بارے میں بتاتا چلوں بنیادی طور پر انتہائی نفیس، شریف الطبع اور غرباء کے لئے دل کھول کر مالی مدد کرنے والے تھے۔ اللہ اُن کو بھی غریق رحمت کرے اور اُن سے بخشش کا سلوک فرمائے) 1974 میں ایبٹ آباد میں جماعتی مسجد پر قبضہ کر لیا گیا تھا اس کے بعد سے آپ نے اپنا گھر 77 تنولی ہاوس جماعتی خدمات کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ ہزارہ میں جب احمدی مئورخ وفا کی داستان لکھے گا تو مانسہرہ کے رانا کرامت اللہ خان صاحب، عبدالعزیز جہانگیری اور رشید عالم صاحب، ہری پور کے ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب۔ داتہ کے حاجی یوسف صاحب اور فقیر محمد صاحب، ایبٹ آباد کے محمد احمد بھٹی صاحب اور عطیہ تنولی صاحبہ اور بالاکوٹ کے صدر جماعت جناب سید محمد زمان صاحب اور ان کے 9 سالہ پیارے بیٹے سید مبارک صاحب جن کے کلہاڑیوں کے وار سے سر کاٹ کر فٹ بال کھیلنے کی مکروہ رسم کا آغاز کیا گیا اور جن کی قبریں آج بھی بالاکوٹ کے داخلی دروازے پر سڑک کے کنارے پر وفا کی عظمت کا مینار بنے ایستادہ ہیں کا ذکر ضرور کرے گا۔

تاریخ کا قرض اور بالاکوٹ کا زلزلہ

حوالات سے جیل اور پھر رہائی اور پھر حوالات پھر جیل۔ کبھی مانسہرہ کبھی ایبٹ آباد۔ کبھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور کبھی سلاخوں کے آگے سے آپ کیسے ہیں؟ فکر نہ کریں یہ مبارک دن ہیں۔ عدالتیں، کچہریاں، پیشیاں میری یہ داستان 9 سالوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ دکھ، اور وفا کے کیسے کیسے عظیم سپوت اس وادی میں جماعت کی عظمت کا نشان بنے تاریخ کا حصہ ہیں انشاء اللہ کبھی توفیق ملی تو بقول حضرت چوہدری صاحب ترتیل سے کریں گے ہر زخم کی تلاوت آنا تو زندگی کی تورات لے کر آنا۔ یہ داستان ضرور لکھوں گا۔ حضرت مولوی چراغ دین صاحب کے بعد خاکسار وادی ہزارہ کا پہلا مربی تھا۔ جامعہ میں میرا شاہد کا مقالہ بھی ’’وادی ہزارہ میں شمع احمدیت‘‘ تھا جس کے لئے مجھے اللہ کے فضل سے ہزارہ کی تاریخ کو تفصیل سے پڑھنے اور لکھنے کا موقعہ ملا اور اس کے بعد 9 اسی وادی میں خدمت کا موقعہ بھی ملا اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ وادی ہزارہ کے بہت سے شہیدوں اور اسیروں کا قرض میری گردن پر ہے مجھے اُس ننھے طفل نبیل لغمانی کی کہانی بھی لکھنی ہے جس کو ایبٹ آباد کی گلیوں میں کھیلتے ہوئے ایک ظالم نے دھوکے سے نیلا تھوتھا کھلا دیا تھا جس کو 9 گھنٹے کا آپریشن کر کے بچا تو لیا گیا مگر اس کے معدے کی نالی کو کاٹ کر معدے کو اوپر لگا دیا گیا جس سے وہ نارمل کھانا کھانے سے معذور ہو گیا اور اُس کی ماں اُس کو سالہا سال تک پیس پیس کر کھانا کھلاتی رہی۔ ان محمد احمد بھٹی صاحب کا بھی نوحہ لکھنا ہے جن کو اسلام کے

مجاہدوں نے ختم نبوت کے نام پر ڈنڈے اور پتھروں سے شہید کرنے کے بعد سارا دن گلے میں رسی ڈال کر گلیوں میں گھسیٹتے رہے اور شام کو ایک گندے نالے میں پھینک کر چلے گئے۔ مجھے اُس سید مبارک ہاں 9 سالہ سید مبارک آف بالاکوٹ کی داستان بھی لکھنی ہے جب ارد گرد کے دیہاتوں کے لوگ مولویوں کے اکسانے پر اکٹھے ہو گئے تھے آپ کے والد سید محمد زمان صاحب جو اس وقت جماعت بالاکوٹ کے صدر جماعت بھی تھے اپنی بیوی اور باقی بچوں کو پہاڑی جنگل میں بھیج دیا مگر یہ چھوٹا طفل جو اُس وقت بخار سے بیمار تھا اس لئے گھر میں باپ کے ساتھ رہ گیا۔ اور پھر ظالموں نے باپ کے سامنے بیٹے کے سر کو کاٹا اور پھر باپ کے سر کو اور پھر اس سے فٹ بال کھیلا۔ قدرت کا انتقام دیکھیں زلزلے میں بالاکوٹ کے ارد گرد کے وہ دیہات جو صفحہ ہستی سے مٹ گئے یہ انہی ظالموں کے تھے۔ ڈاڈر میں میر زمان صاحب، ایبٹ آباد میں فریدون خان جدون، سمندر خان صاحب، اعظم خان جدون اور مانسہرہ میں رانا کرامت اللہ صاحب کے مال و املاک کو لوٹ کر جشن منانے والے بھول گئے تھے کہ اللہ انتقام میں دھیما ہے مگر بے پرواہ نہیں۔

جیل سے نکلتے ہی قائد ضلع ہزارہ ڈاکٹر رانا منور صاحب اور قائد ایبٹ آباد کے ساتھ ملکر کرکٹ اور ہائکنگ کے پروگرام ترتیب دینے شروع کر دیئے۔ ہم ایبٹ آباد، داتہ اور مانسہرہ کے خدام ویک اینڈ پر اکٹھے ہوتے کرکٹ کھیلتے اور ظہر کے بعد کلاس لگا کر اعتراضات کے جوابات لکھوائے جاتے۔ شوق کو مزید بڑھانے کے لئے ہائکنگ کے پروگرام ترتیب دیئے جن میں رات کو مزید خدام کو علمی طور پر مضبوط کرنے کی کوشش کی جاتی۔ وہ خدام اور فیملیاں جو خوف سے کچھ چھپی ہوئیں تھیں انکو ڈھونڈ کر رابطے کرنا شروع کر دیئے۔ مکرم اظہر صاحب کی بہادری نے بہت سے دوسروں کو بھی مہمیز دی اور اللہ کے فضل سے خدام کی ایک بڑی تعداد ختم نبوت والے کے خوف کے حصار کو توڑ کر مستعدی سے جماعتی پروگروموں میں شامل ہونا شروع ہو گئی۔ ہم اسی طرح سے مصروف تھے کہ ایک دن ایک 18 یا 19 سال کا لڑکا جس کا نام طاہر جہانگیری تھا وہ مکرم ڈاکٹر ناصر تنولی صاحب کے پاس حاضر ہوا کہ آج مجھے بھی ختم نبوت کی طرف سے 12 دن کا الٹی میٹم دے دیا گیا کہ بارہویں دن تجھے اٹھا لیں گے۔ تجھے ہر صورت اپنے مرتد ہونے کا اعلان کرنا ہوگا۔ یہ لڑکا مولوی عبدالسبوح کا اکیلا بیٹا تھا۔ والد احمدی تھے مگر ایک تو اکیلا یتیم تھا اوپر سے چھوٹا سی دوکان تھی ماں بیٹا مشکل سے زندگی کی گاڑی کو چلا رہے تھے۔ لیکن آج 50 مسلح بدمعاش اس کے ارد گرد کھڑے اُس کو اس کے سارے ہفتے کی ڈائری سنا رہے تھے ایسے میں خوف کا عالم کیا ہونا چاہیئے۔ یہ ہر ہوش مند اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لڑکے نے کبھی جماعت سے علیحدگی کا اعلان تو نہیں کیا تھا مگر بہت کم بلکہ برائے نام پروگراموں میں شامل ہوتا تھا مگر اب اللہ نے اس کو توفیق دی تھی اور حوصلہ دیا کہ وہ فوری اعلان کرنے کی بجائے قائد صاحب کے پاس حاضر ہو گیا تھا۔ جیسے ہی اطلاع سرکل میں آئی مانسہرہ، ایبٹ آباد اور داتہ کے خدام شام سے پہلے پہلے تنولی ہاؤس میں جمع ہو چکے تھے۔

1974 کے ظالمانہ حالات

وادی ہزارہ کے نام کے ساتھ ہی ذہن کی سکرین پر کاغان کی برفیلی پیالہ نما جھیل سیف الملوک، ناران کی آبشاریں، شنکیاری کے چائے کے باغات، لالہ زار کے ریشمی سبزہ زار، ڈاڈر کے جھرنے، جنگل منگل کے گھنے لہلہاتے جنگلات اور میر پور کے خوبصورت لینڈ سکیپس گدگدانے لگتے ہیں لیکن مارچ 1991ء کی ایک شام ایبٹ آباد سے واپسی پر میں انہیں دلفریب مناظر سے گزرتے ہوئے کتنا اداس تھا۔ بادلوں سے ڈھکے سرسبز چیڑھ کے جنگلات میں گاڑی ایک موڑ سے دوسرے میں داخل ہو رہی تھی مگر میرے کان میں ابھی تک وہی صدائیں گونج رہی تھیں۔ ہاں اُس بوڑھی والدہ کی سسکیوں کی آوازیں جو اپنے 3 سالہ بیٹے اور 4 سالہ بچی کو بچا کر نکلنے میں تو کامیاب ہو گئی تھی مگر اس کے گھر کے بالکل سامنے ایک معصوم احمدی کو جس بے دردی سے پتھروں ڈنڈوں اور خنجروں سے مارا جا رہا تھا اُس کرب ناک وحشت اور دردناک چیخوں سے اپنی روح کو تڑپنے سے نہ بچا سکی تھیں۔ ایک نوجوان صحافی کے طور پر اپنے مقالے کے لئے انٹرویو کرتے ہوئے میں نے انتہائی بے دردی سے یہ سوال داغ دیا تھا کہ آنٹی آپ 1974 کے بعد سے جماعت سے کیوں گونہ دور چلی گئی تھیں؟ یا بصورت دیگر میں ان پر مرتد ہونے کا الزام لگا رہا تھا۔ وہ بوڑھی والدہ گو یا ہوئیں تو پھر سماں رک گیا۔ درد، وحشت اور جہالت۔ وہ بوڑھی والدہ ایبٹ آباد میں احمدیوں پہ گزری دکھ کی اندھیری رات کا حال سناتی رہیں، جلوس، گھیراؤ، نعرے، گالیاں چیخیں، سسکیاں، آگ کے شعلے، خون کی ہولی اور پھر نعرے اور مبارک بادیں۔ وہ سناتی رہی۔ اور پھر کسی وقت میری بوجھل پلکوں سے اُس بوڑھی والدہ کا سراپا دھندلا سا نظر آنا شروع ہو گیا۔ شائد میں بھی رو رہا تھا۔ یہ بیٹا طاہر جہانگیری تھا جس کو وہ بچا کر کئی کئی دنوں تک گھر سے نکلے بغیر چھپی رہیں تھیں آج 19 سال بعد 1993 کے موسم گرما میں وہی بیٹا دفعہ 298c کے تحت جیل میں بند تھا اور اس کی سیشن کورٹ سے ضمانت ریجیکٹ ہو چکی تھی۔ گو کہ طاہر جہانگیری

کوختم نبوت ایبٹ آباد کی طرف سے 12 دن کا الٹی میٹم دیا گیا تھا مگر اس کے جماعت سے رابطہ کرنے کی ان کو اطلاع ملتے ہی انہوں نے سابقہ تجربہ اغوا کرنے کی بجائے تیسرے دن ہی تبلیغ کرنے کا مقدمہ درج کروا کے گرفتار کروا دیا تھا۔

وادی ہزارہ میں مولویان کرام کی برکت سے جماعتی کیسوں کی اتنی بھر مار تھی کہ ہر ہر طفل و خادم کو یہ حفظ ہو چکا تھا کہ 298c دفعہ لگی ہو تو ضمانت کتنے دنوں میں ہوتی ہے اور اگر ساتھ 295a اور 295c کا تڑکا بھی شامل ہو تو کتنے دنوں میں بلکہ تمام خدام ٹرینڈ تھے کہ اس مد میں مجسٹریٹ نے ضمانت لینی ہی نہیں ہے۔کون کون سے کاغذ کہاں سے حاصل کرنے ہیں اور کون سے کاغذ لگا کر اگلی عدالت میں مقدمہ کیسے دائر کرنا ہے۔اس لئے دفعہ کے حساب سے جیل کے اندر والے اور باہر والے پہلے ہی تیار ہوتے تھے مگر طاہر کے کیس میں پہلی دفعہ نئی صورت حال سامنے آ گئی تھی کہ صرف 298c کا کیس ہائی کورٹ میں جا رہا تھا۔تنولی ہاؤس میں تمام خدام سر جوڑ کر بیٹھے تھے کہ اُس بوڑھی والدہ کو کیسے اطلاع دیں کہ ضمانت سیشن کورٹ سے بھی ریجیکٹ ہو گئی ہے۔اسی لمحے مکرم ابرار بھٹی صاحب نے ایک خوبصورت آئیڈیا دیا۔ہم سب مانسہرہ، ایبٹ آباد اور داتہ کے خدام روانہ ہوئے راستے میں بیکری سے ایک بڑا سا کیک خریدا اس کے اوپر لکھوایا کہ ''اسیر راہ مولا میں مزید اضافہ کی برکت مبارک ہو'' سب خدام طاہر جہانگیری صاحب کے گھر پر داخل ہوئے مسکراتے چہروں کے ساتھ سب ہی کہہ رہے تھے آنٹی بہت بہت مبارک ہو، مکرم مدثر خان اور رفیع تنولی صاحب کچن میں چائے بنانے چلے گئے اور باقی سب آنٹی کے پاس بیٹھ گئے اور پھر کیک کھاتے ہوئے مکرم ناصر تنولی صاحب قائد صاحب نے بتایا کہ وہ آنٹی دراصل آج ضمانت نہیں ہو سکی مگر انشاء اللہ ہائی کورٹ سے ہو جائے گی۔آنٹی نے کچھ تفصیلات پوچھیں اور پھر بڑے حوصلے سے فرمانے لگیں تم سب بھی تو میرے بیٹوں جیسے ہی ہو کوئی بات نہیں آج نہیں تو کل ہو ہی جائے گی۔

رانا کرامت اللہ صاحب اور ایک شریف جج

وادی ہزارہ میں ایک وقت میں کیسوں کی اتنی بھر مار تھی کہ رانا کرامت اللہ صاحب امیر جماعت صاحب ایک کیس سے ضمانت کروا کر باہر آتے تھے تو دوسرے میں اندر جا رہے ہوتے تھے۔ایک دن ان کے السلام علیکم والے کیس کی مجسٹریٹ کی عدالت میں تاریخ تھی۔مجسٹریٹ تبلیغی جماعت کے بشیر خان صاحب تھے۔باری آنے پر ان کے بیٹے رانا مبشر صاحب قائد مانسہرہ نے مجسٹریٹ کو بتایا کہ وہ حاضر نہیں ہو سکتے انہوں نے غصے سے پوچھا۔اچھا وہ کیوں؟ انہوں نے کہ وہ اس وقت مانسہرہ جیل میں ہیں۔انہوں نے فوری پوچھا کہ کس جرم میں؟ بیٹے نے بتایا کہ پہلے السلام علیکم پر گئے تھے اب شادی کارڈ پر نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم لکھنے پر۔جج کوئی شریف آدمی تھا اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گیا اور پھر عدالت سے اُٹھ کر چلا گیا۔یہ شادی کارڈ والا کیس بھی چلتے چلتے بتا دوں ایک احمدی مکرم عزیز قادر صاحب کی شادی تھی انہوں نے از راہ احترام مکرم امیر ضلع صاحب کا نام بھی استقبالیہ پارٹی میں لکھ دیا۔مولوی صاحب کو کہیں سے بھنک پڑ گئی تھا نے گئے پولیس ساتھ لی اور دلہا اور مکرم امیر صاحب جیل میں اور دلہن باراتیوں نے گھر پہنچائی۔دلہا صاحب 2 ماہ کے بعد رہا ہوئے اور بیگم کا چہرہ دیکھا۔مکرم حاجی یوسف صاحب نے جی ٹی ایس میں ملازم تھے رمضان میں اپنے محکمے میں درخواست کی کہ انہیں 10 دن کی رخصت چاہیئے وہ اعتکاف بیٹھنا چاہتے ہیں، مولوی صاحب کے نتھنوں تک یہ خوشبو پہنچ گئی۔بھلا مولوی ہو اور بدبو کا رسیا نہ ہو فوراً چلّائے۔اور اس سے پہلے کہ اسلام زیادہ خطرے میں آتا یہ فرشتہ سیرت جیل میں پہنچا دیا گیا۔ایک بات بتا تا چلوں مکرم حاجی یوسف انتہائی نیک سیرت، متحمل مزاج، کم گو اور نورانی چہرہ تھے اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کو حاجی صاحب کہنا شروع کر دیا حالانکہ آپ نے حج نہیں کیا تھا۔اور یہ نام اس حد تک مقبول تھا کہ اکثر لوگ اُن کے اصلی نام سے بھی واقف نہیں تھے۔آپ نے ریٹائرمنٹ کے بعد زندگی وقف کر دی تھی مرکز نے آپ کی ڈیوٹی بھی ہزارہ ہی میں لگا دی جو آپ آخری سانس تک وفا سے نبھاتے رہے۔

مکھن خان اور ہماری جیل میں مہمان نوازی

جب خاکسار رانا مبشر صاحب اور رانا منور صاحب قائد صاحب مانسہرہ اور قائد ضلع ہزارہ کے ہمراہ مانسہرہ جیل کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے لئے پہنچے تو کسی نے قیدیوں کو بتا دیا کہ یہ رانا صاحب اور حاجی صاحب کے بچے ہیں پہلی دفعہ مانسہرہ جیل کے اندرونی حصے کی زیارت ہو رہی تھی اس لئے حیرانی قدرتی بات تھی۔اسی لمحے ایک خوفناک چہرے والے گھنی لمبی داڑھی موٹی موٹی مونچھیں بھاری بھرکم جسم اپنے دس پندرہ ساتھیوں سمیت پہنچ آئے یہ کالا ڈھاکہ کا بدنام زمانہ ڈاکو مکھن خان تھا۔سلام کیا اور پوچھنے لگے کیوں کیا یہ سچ ہے کہ آپ رانا کرامت اللہ صاحب کے رشتے دار ہو؟ رانا مبشر صاحب نے بتایا جی۔میں ان کا بڑا بیٹا ہوں یہ چھوٹا اور یہ ان کے بھانجے ہیں۔انتہائی عقیدت سے بولے وہ دونوں

انسان نہیں تھے فرشتے تھے ان کے فوت ہونے کی تعزیت کی اور کہنے لگے کسی چیز کی ضرورت ہو صرف ایک آواز دینا۔ یوں اللہ نے ایسا بندوبست کر دیا کہ پھر باقی کے 29 دن ہر بندہ ہماری خدمت کرنا اور عزت دینا اپنا فرض سمجھنے لگا۔

جیل میں ایک سازش اور خدائی تائید

اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آخری زمانے کے مولویوں کو بدترین مخلوق قرار دیا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ بدترین مخلوق جنگلی خنزیر ہے۔ اور اس کی بدی یہ ہے کہ یہ وہ واحد جانور ہے جو اپنا پاخانہ بھی کھا جاتا ہے اور باوجود سبزی خور ہونے کے بھوک بڑھنے پر گوشت خور بن کر اپنے بچے بھی کھا جاتا۔ مولوی صاحبان کا جس قرآن کریم کی عظمت کے گیت گاتے نہیں تھکتے تعصب کی بھوک بڑھ جانے پر اُسے ہی پیچنے پر اُتر آتے ہیں۔ جیل میں دوپہر 12 بجے پھر گنتی ہوتی ہے اور ایک دفعہ پھر سے قیدیوں کو 2 گھنٹے کے لئے بیرکوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جن دنوں رانا کرامت اللہ صاحب اور مکرم حاجی یوسف صاحب مانسہرہ جیل میں تھے دوپہر کی گنتی کے بعد بیرک میں بند تھے مولوی صاحبان نے لیٹرین صاف کرنے والے بھنگی کو قرآن کریم کے کچھ اوراق پھاڑ کر دیئے کہ اسے لیٹرین میں ایسے پھینکنا کہ گندگی چمٹ جائے۔ گنتی کھلتی ہے تو قیدی لیٹرین کی طرف بھاگتے ہیں اور باقی لائن بنا لیتے ہیں جو پہلا ہی قیدی اندر گیا اُس نے اوراق دیکھے تو شور ڈال دیا۔ وہ گندگی میں لتھڑے صفحات لے کر باہر نکل آیا۔ ایک حشر برپا ہو گیا۔

سپاہیوں نے الارم بجا دیئے اور ساری انتظامیہ حرکت میں آگئی۔ ادھر ابھی پولیس سمجھ نہ پائی تھی کہ یہ کیا ہو گیا ہے اُدھر دروازے پر ختم نبوت مانسہرہ کا وفد پہنچ گیا اور زور زور سے دروازہ کھولنے کے لئے چیخنے لگ گئے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ سردست تو ہمارے وطن کے یہی معززین شہر ہیں۔ جیل سپریٹنڈنٹ صاحب اُن کو دفتر لے گئے مگر انہوں نے واشگاف کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ رانا کرامت اللہ... نے کیا ہے اور کوئی مسلمان تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ واقعہ جس بات کے لئے میں یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ہے جماعت کی خدائی تائید۔ جس جماعت کے پاس اللہ کا خلیفہ ہو اور جو ہر آن اپنے مولا کے حضور ہماری فلاح کے لئے گریہ کناں رہتا ہو وہ فرشتوں کے حصار میں جیتی ہے۔ ان کے لئے مکھن خان جیسے بدمعاشوں کو چھتریاں تاننے کا حکم ہو جاتا ہے۔ بہر حال قصہ مختصر جیل انتظامیہ اور قیدیوں نے متفقہ طور پر کہا کہ ان فرشتوں کے سر ایسا گھٹیا الزام ہم نہیں لگا سکتے یوں بھی وہ تو ہمارے ساتھ بیرک میں بند تھے اور پھر آپ کو کیسے آناً فاناً اطلاع مل گئی کہ جیل کے اندر یہ وقوعہ ہو گیا اور یوں مولوی نامراد ہو کر چیختے چلاتے واپس چلے گئے۔ ایبٹ آباد میں 1974 میں ایک محمد احمد بھٹی صاحب کو شہید کیا گیا تھا مگر چند سال بعد ایک اور محمد احمد بھٹی صاحب واپڈا کے دفتر کی طرف سے ایبٹ آباد میں ٹرانسفر ہو کر آگئے۔ آپ ایبٹ آباد جیل میں 6 اور احباب جماعت کے ساتھ بند تھے کہ فرماتے ہیں ایک دن جیل کی بیرک میں تہجد کے وقت نوافل ادا کر رہا تھا کہ اچانک جائے نماز پر ایک موٹی سی تازہ خون کی چھینٹ گری جو گویا ایک تازہ خون کا لوتھڑا تھا میں نے جلدی سے اوپر دیکھا کہ شائد چھت پر کوئی چھپکلی وغیرہ ہو بیرک میں سب سوئے ہوئے تھے سوائے احمدی احباب کے۔ وہ سب بھی نوافل میں مصروف تھے سب نے ہی اس خون کو دیکھا چھت کا جائزہ لیا وہاں پر کوئی بھی ایسے آثار نظر نہ آئے۔ اور پھر اس دن صبح ہوتے ہی یہ خبر آگئی جماعت کا ایک شدید دشمن حق نواز جھنگوی قاتلانہ حملے میں مارا گیا ہے۔ شائد اللہ اپنے بندوں کو تسلی دے رہا تھا انی قریب انی قریب۔

لاہوری جماعت کے امیر صاحب کی ایک درخواست

ابھی طاہر جہانگیری صاحب کی ضمانت کروا کے نکلے ہی تھے کہ ایبٹ آباد میں لاہوری جماعت کے ایک نوجوان سمیع خان کو پولیس نے 298C کے تحت گرفتار کر لیا۔ مکرم ڈاکٹر کریم سعید صاحب لاہوری جماعت کے موجودہ امیر صاحب اُس وقت یہ امیر جماعت نہیں تھے ان کے والد ڈاکٹر خان بہادر سعید صاحب ابھی حیات تھے اور امیر جماعت لاہور تھے انہوں نے مکرم ناصر تنولی صاحب ہمارے قائد صاحب کو فون کیا اور فرمانے لگے کہ ”آپ تو جانتے ہیں ہمارے پاس کوئی نظام نہیں ہے آپ لوگوں کے پاس نظام ہے پلیز آپ اس کیس میں سمیع کی ضمانت کروانے کے لئے ہماری مدد کر دیں اخراجات سب میں ادا کر دوں گا“ ناصر صاحب نے ان کو بتایا کہ وہ تو کوئی مسئلہ نہیں مگر آپ امیر ضلع جناب ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب یا ارشاد خان صاحب صوبائی امیر صاحب سے رابطہ کر لیں۔ تھوڑی دیر میں صوبائی امیر صاحب کا فون آگیا کہ مرکز کی ہدائیت ہے آپ اس لڑکے کے لئے بندوبست کریں۔ مکرم سمیع صاحب کی رہائش اسی احاطہ میں تھی جس میں لاہوری جماعت کے تمام اہم افراد کے مکانات ہیں اور سب کے دروازے ایک مشترکہ صحن میں کھلتے ہیں۔ جب ہم اس ضمانت کے لئے کوشش کر رہے تھے تو اس احاطہ میں آنا جانا لگا رہتا تھا ویسے بھی ہماری صدر لجنہ محترمہ

عطیہ تنولی صاحبہ کی اس فیملی سے کچھ رشتہ داری بھی ہے۔جس بات کے لئے میں یہ واقعہ تحریر میں لا رہا ہوں وہ ایک چھوٹا سا مکالمہ ہے جو اُن دنوں ہمارے قائد صاحب اور ان کے لاہوری نوجوان رشتہ داروں کے درمیان ہوا ۔کبھی کبھار ڈاکٹر خان بہادر سعید صاحب اس صحن میں کرسی لگا لیتے تھے اور یوں ہر آنے جانے والے سے کچھ بات بھی فرما لیتے ۔اب یہ لاہوری نوجوان جو ویسے تو مکرم ناصر تنولی صاحب سے بحثیں کرتے رہتے تھے مگر جب بھی ڈاکٹر صاحب صحن میں ہوتے دامن بچا کر چھپ چھپا کر باہر آتے اور آ کر کہتے یار اگر انہوں نے دیکھ لیا تو سمجھیں لیکچر شروع ۔ اور موڈ اور وقت دونوں تو حتمی طور پر خراب سمجھیں۔ایک دن ناصر صاحب سے نہ رہا گیا اور اُنہوں نے اُن سے کہا کہ یہی ہے فرق ہے آپ کی جماعت میں اور ہماری جماعت میں ۔ آپ کے امیر صاحب بیٹھے ہوں تو آپ دامن بچا کر نکلتے ہو خدا کی قسم اگر کہیں مجھے ہمارے خلیفہ صاحب اس طرح اکیلے مل جائیں تو میں سمجھوں گا کہ کل کائنات مل گئی ۔میں تو کبھی ایک لمحے کے لئے وہاں سے نہ ہٹوں گا اور جو سمیٹ سکتا ہوا سمیٹ لوں گا۔

داتہ ضلع مانسہرہ میں مظالم اور بائیکاٹ

ایک جمعرات کی شام داتہ سے بڑی پُر وحشت خبریں پہنچنا شروع ہوگئی کہ ربوہ، ملتان مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے مولویوں کے قافلے اس گاؤں میں پہنچ چکے ہیں اور کچھ مزید قافلے متوقع ہیں ۔سپیکروں پر اشتعال دلایا جارہا ہے ارادے نیک نہیں اور اگلے دن جمعہ کی نماز کے بعد کوئی بڑی انہونی متوقع ہے رات کے 10 بجے تک ہری پور، حویلیاں، ایبٹ آباد اور مانسہرہ کے تمام خدام رانا ہاؤس میں جمع ہو چکے تھے۔

ایبٹ آباد سے مانسہرہ جانے والی شاہراہ ریشم پر ضلع مانسہرہ کی حدود میں ''داتہ'' نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں دور دراز پہاڑی سلسلے کے اندر شاہراہ ریشم سے کوئی 13 کلومیٹر دور ایک چھوٹی سے پہاڑی پگڈنڈی نما سڑک کے آخری کنارے پر واقع ہے۔اس میں موجود احمدی گھروں کا علماء دین نے مکمل سوشل بائیکاٹ کا اعلان کروا دیا کہ آئندہ نہ کوئی شخص انہیں گاڑی پر بٹھائے گا اور نہ سودا سلف دے گا اور نہ بات چیت کرے گا اور نہ کسی شادی بیاہ میں مدعو کرے گا۔ یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا۔چھوٹے چھوٹے بچے میلوں پہاڑی سفر پیدل طے کر کے سکول آتے جاتے رہے۔بوڑھے ضعیف والدین تمام ضروریات زندگی اپنی کمروں پر لاد کر پہاڑوں کے اونچے نیچے راستوں پر رواں دواں رہے۔گاؤں کے باقی مسلمان لوگ ان پیدل ضعیف لوگوں کے پاس سے گاڑیوں میں سوار گزرتے اور مذاق اڑاتے رہے۔

وقت کا بے رحم پہیہ یونہی 4 سال تک چلتا رہا۔آخر ایک دن انہونی سی ہو گئی۔اُس سے اگلے دن یعنی 11 مئی کی ایبٹ آباد سے شائع ہونے والی اخبار شمال' میرے سامنے ہے فرنٹ پیج کی جلی حروف میں مین ہیڈ لائن یوں تھی

''داتا میں مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ ختم کرانے کی کوشش ناکام بنادی گئی۔'' مرزائیوں کو سوزوکیوں میں بٹھایا جائے ان سے لین دین کیا جائے ایس۔ ایچ۔او تھانہ صدر مانسہرہ کے فرمودات ۔ داتا کی پُر امن فضا کو جان بوجھ کر خراب کرنے کی کوشش کی گئی۔غیر دانشمندانہ طرز عمل روا رکھنے والے ایس ایچ او کی مذمت۔

مانسہرہ (شمال نیوز) داتا میں مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ ختم کروانے اور شہر کے پرامن ماحول کو خراب کرنے کی کوشش ناکام بنادی گئی۔تفصیلات کے مطابق موضع داتہ میں چار سال سے مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ جاری ہے مگر گزشتہ روز سوزوکیوں کے چند ڈرائیور حضرات غلط فہمی میں پورے گاؤں کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بعض مرزائیوں کو سوزوکیوں میں بٹھا کر ایک تقریب میں لے گئے جس سے کسی وقت بھی ناخوشگوار صورت حال پیدا ہوسکتی تھی......شام اچانک 5 بجے کے قریب ایس۔ ایچ۔او تھانہ صدر مانسہرہ اپنی نفری کے ہمراہ گاؤں میں آدھمکے......اور دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ تم لوگوں نے مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ کیوں شروع کر رکھا ہے اسے ختم کیا جائے اور مرزائیوں کو سوزوکیوں میں بٹھایا جائے اور ان سے لین دین کیا جائے کیونکہ وہ بھی پاکستانی ہیں۔ان کی باتوں سے عوام میں اشتعال پھیل گیا شہر کے عوام اور تحفظ ختم نبوت یوتھ فورس کے راہنماؤں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جس پر ایس ۔ ایچ۔او دو مساجد کے خطیبوں اور تحفظ ختم نبوت یوتھ فورس داتا کے راہنماؤں کو مانسہرہ تھانہ لے آئے اور انہیں D.S.P کے دفتر لے گئے۔داتا کے عوام کثیر تعداد بھی علماء کے ساتھ آئی۔نیز تحفظ ختم نبوت یوتھ فورس مانسہرہ اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایبٹ آباد کے راہنما اور مانسہرہ کی مساجد کے خطیب بھی دفتر پہنچ گئے جنہوں نے داتہ میں ناموس رسالت کے تحفظ کا عزم کا اظہار کیا......اہالیان داتہ اور تحفظ ختم نبوت یوتھ فورس داتا کے راہنماؤں نے مرزائی نواز ایس۔ ایچ۔او کے رویّہ کی پر زور مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مذکورہ ایس۔ایچ۔او نے دیدہ دانستہ......جان بوجھ کر لوگوں کو اشتعال دلانے کی کوشش کی گئی ہے......انہوں نے مطالبہ کیا کہ...... پر امن

حالات کو خراب کرنے والے ایس۔ ایچ۔ او کو معطل کیا جائے۔

(روزنامہ شمال اتوار 11 مئی 97ء فرنٹ پیج)

''امت مسلمہ کے زخموں پر نمک پاشی'' کرنے والا ایس۔ ایچ۔ او مانسہرہ کا ایک ''فحش قدم''

اسی مذموم واقعہ کے متعلق ''ختم نبوت ایبٹ آباد'' کے صدر کا بیان ''روزنامہ شمال'' کے پہلے صفحہ پر نمایاں سرخیوں کے ساتھ تین کالمی خبر کے ساتھ یوں شائع ہوا۔

مرزائیوں کے پشت پناہ ایس۔ ایچ۔ او کو معطل کیا جائے۔ اس نے کس کے ایماء پر مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ ختم کرنے کے لیے مسلمانوں پر دباؤ ڈالا۔ وقار گل جدون۔ ساجد اعوان

''ایبٹ (نمائندہ خصوصی) داتہ ضلع مانسہرہ کے غیور مسلمانوں نے ایک عرصہ سے گستاخان نبی قادیانیوں سے سوشل بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ گزشتہ روز ایس۔ ایچ۔ او تھانہ صدر مانسہرہ اچانک داتہ جیسے حساس علاقہ میں یہ حکمنامہ لیکر پہنچے کہ قادیانیوں کا بائیکاٹ ختم کیا جائے ان خیالات کا اظہار تحفظ ختم نبوت یوتھ فورس ایبٹ آباد کے صدر وقار گل جدون اور جنرل سیکرٹری ساجد اعوان نے کرتے ہوئے ڈی آئی جی پولیس ہزارہ ڈویژن اور کمشنر ہزارہ ڈویژن سے مطالبہ کیا کہ اس سرکاری اہل کار کی پشت پر شر پسند عناصر کو بے نقاب کریں اور ایس ایچ او تھانہ صدر مانسہرہ کو فوری طور پر معطل کریں۔ وقار گل اور ساجد اعوان نے واضح کیا کہ ایس۔ ایچ۔ او کو ایسی تعلیمات دینے کا کوئی حق نہیں ہے جس سے کسی بھی طرح قادیانیوں کی خیر خواہی کا کوئی بھی پہلو نکلتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایس۔ ایچ۔ او تھانہ صدر مانسہرہ کا یہ فحش اقدام مسلم امہ کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے جسے کسی بھی طور برداشت نہیں کیا جاسکے گا''۔

(روزنامہ شمال ایبٹ آباد 11 مئی 1997ء صفحہ 1)

واقعی یہ قدم ''بڑا فحش'' اور ''امت مسلمہ کے زخموں پر نمک پاشی'' کرنے والا ایک انتہائی ''گھناؤنا'' اور مکروہ فعل ہے۔ اگر ایس۔ ایچ۔ او کے کہنے سے بائیکاٹ ٹوٹ جاتا تو یقیناً یہ اس صدی کا سب سے ''غلیظ فعل'' ہوتا۔ اسی لئے جمعرات کی شام تک مانسہرہ، ایبٹ آباد، ملتان اور ربوہ سے علمائے کرام داتہ کی اس دور افتادہ بستی تک خدمت اسلام کے لئے سر کے بل اور پہلی فرصت میں پہنچ چکے تھے۔ عین اُسی وقت مانسہرہ رانا ہاؤس میں جماعت کے اہم عہدیداروں کا اجلاس بھی جاری تھا۔ اطلاعیں یہی تھیں کہ کل جمعہ کے بعد احمدی گھروں کے جلاؤ اور گھیراؤ کا پروگرام ہے۔ مرکز سے بھی رابطہ تھا کچھ خدام مکرم تاج محمد صاحب قائد صاحب داتہ کی قیادت میں رات کے اس اندھیرے میں پکی خبر لینے کے لئے داتہ کے آس پاس بھی موجود تھے۔ تمام مشاورت اور آخری معلومات کی بناء پر یہی فیصلہ ہوا کہ خدام رات کی تاریکی میں دھیرے سے احمدی گھروں میں داخل ہوں اور تمام لجنہ، ناصرات، اور اطفال وخدام کو نکال لیا جائے اور چند انصار پیچھے رہ جائیں وہ بھی حالات کی نزاکت کے حساب سے ایسے موقعہ پر ادھر اُدھر ہو جائیں۔ اور کسی صورت مفسدین کا سامنا نہ کیا جائے۔ چنانچہ رات کے تین بجے قائد ضلع ہزارہ مکرم ڈاکٹر رانا منور صاحب کی قیادت میں تین گاڑیوں پر مشتمل قافلہ داتہ کی طرف روانہ ہوا۔ پہلی گاڑی کو رانا صاحب دوسری کو رفیع تنولی صاحب اور تیسری کو کرنل داؤد صاحب چلا رہے تھے۔ داتہ سے کچھ دور ایک پہاڑی نالے کے اندر گاڑیوں کو چھپا دیا گیا۔ خاکسار اور کرنل داؤد صاحب گاڑیوں کے پاس رہے اور باقی خدام مکرم تاج محمد صاحب قائد داتہ جماعت کے پیچھے پیچھے سیدھے پہاڑوں پر عقبی طرف سے چڑھتے ہوئے گاؤں میں پہنچ گئے۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ آہستہ آہستہ دروازہ ناک کرتے اور پھر انہیں پگڈنڈیوں پر بچوں، بچیوں کو اُٹھائے لجنہ کو ساتھ لیکر دھیرے دھیرے پہاڑوں سے نیچے اترنا شروع ہو گئے۔ فیصلہ تھا آخری خادم کے لوٹ آنے تک کہیں کوئی شور نہیں ہوگا اور نہ کوئی گاڑی سٹارٹ ہوگی۔ دوستو آج اُس منظر کو سوچتا ہوں تو بے اختیار ان خدام کے لئے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں جو رات کے اندھیرے میں بہت اونچے پہاڑوں سے احمدی اطفال و ناصرات کا اُٹھائے اور بوڑھی لجنات کے ہاتھ پکڑے نیچے اترتے تھے۔ ایک قافلے کو چھوڑ کر پہلی فرصت میں قلانچیں برتے پھر دوسرے قافلے کی تلاش میں پہاڑوں کی چٹانوں میں غائب ہو جاتے تھے یوں اُدھر داتہ میں صبح کی آذانیں ہو رہی تھیں تو اس گاؤں سے کچھ دور واقع ایک پہاڑی نالے سے تین گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے اور پھر یہ قافلہ مانسہرہ کی طرف مڑ گیا۔ گاڑیاں کم اور مسافر زیادہ تھے اس لئے اُس دن خدام ڈگی میں اور لجنہ واطفال گاڑیوں میں تھے۔ مانسہرہ پہنچ کر خاکسار نے جلدی سے سب کے لئے چائے بنائی اور پھر ہم سب اپنے اللہ کے حضور سربسجود ہو گئے۔ مولوی جماعت کے ساتھ ساتھ ایس ایچ او صاحب کو بھی برا بھلا کہتے رہے یوں اللہ نے اُن کی مت ماردی اور صبح صبح پولیس نے مولویوں کو گرفتار کرلیا اور اُن کے سارے مفسدانہ پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔

پشاور کی پولیس بمقابلہ ایبٹ آباد کی پولیس

خدا کی تائید اور پیارے آقا کی دعائیں سدا جماعت کے ساتھ رہتی ہیں ہر لمحہ ہم نے خدائی مدد کے نظارے دیکھے۔ اور ایسی حیران کن کہ یقین نہیں آتا۔ ایک دن ہماری صدر لجنہ صاحبہ محترمہ عطیہ تنولی صاحبہ کے ایک غیر احمدی عزیز جو پشاور پولیس میں ایک بڑے عہدے پر تھے کسی سرکاری کام سے ہری پور آئے۔ اب کام ختم ہوا تو سوچا یہاں سے ستر اسی کلومیٹر دور ایبٹ آباد ہے چلو بہن کو بھی مل جاتا ہوں چنانچہ وہ 77 تنولی ہاؤس اپنی بہن کے گھر پہنچ گئے۔ بہن اندر کھانے کا بندوبست کر رہی تھیں یہی وہ وقت تھا جب ختم نبوت ایبٹ آباد کی ہمراہی میں پولیس کی ایک بھاری نفری 77 تنولی ہاوس کا گھیراؤ کر لیتی ہے۔ دراصل ختم نبوت والوں نے رفیع تنولی اور ظفر تنولی دونوں پر 295C کے تحت مقدمہ درج کروایا تھا یعنی توہین رسالت۔ جس کی سزا اُس وقت، موت اعلان ہو چکی تھی۔ اب پولیس پارٹی کا سربراہ گھر کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑے پولیس افسر کی گاڑی گیراج میں کھڑی ہے اور اس کا ڈرائیور موجود ہے تو ایک دم سے صورتحال بدل گئی۔ اب اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ جس ارادہ سے وہ لوگ آئے تھے اُسی طرح اور اسے طریقہ کے مطابق اس گھر میں داخل ہو کر گرفتاری ڈالتے۔ اُس نے اندر پیغام پہنچایا کہ سر ملنا چاہتا ہوں اندر جا کر اپنے سنئیر کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ اور بتایا کہ مولوی لوگ ساتھ ہیں اور اُن کو پتہ ہے کہ ملزمان اندر ہیں اُنہوں نے کہا کہ ایسا کرو سرے دست عقبی طرف جو پہاڑوں کی طرف ہے وہ خالی کر دو اور ان لوگوں کو دوسری طرف وہیں پر پندرہ بیس منٹ مصروف کرو۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا عقبی طرف خالی ہوتے ہی دونوں خدام پہاڑی چڑھ کر دوسری طرف اُتر گئے اور پیچھے پولیس گھر میں آئی اور مولوی حضرات کو بتایا کہ دیکھو تمہارے سامنے تلاشی لی ہے وہ گھر میں نہیں ہیں۔ یوں اللہ نے پشاور کے غیر احمدی بندے کو ایبٹ آباد پہنچا کر ہمارے احمدی بچوں کی حفاظت فرمائی۔

وادی ہزارہ میں احمدی سپوتوں کی قربانیاں خوبصورت جنگلی گلابوں کی طرح جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم جہانگیری صاحب کا پرسکون اور مسکراتا چہرہ، محمد احمد بھٹی صاحب (واپڈا افیسر) کا حلیم پُروقار سراپا، عزیز قادر صاحب آف مانسہرہ کی بھولی بھالی سے شخصیت۔ عزیز جہانگیری صاحب کا پُرتیقن حلیہ، رانا مبشر صاحب جیسی مہمان نواز اور پُر بہار شخصیت۔ ٹوپی سے ہجرت کر کے آنے والے صاحبزادہ سلام صاحب اور رشید صاحب کی باغ و بہار شخصیات ... یقیناً اس سرزمین میں جہاں کے باسیوں کے دل پتھروں سے بڑھ کر سنگلاخ ہیں تو وہیں احمدیت کے چھاؤں میں آنے والوں کی روحیں محبت و وفا کے میٹھے جھرنوں سے بڑھ کر دلفریب ہیں۔ ہزارہ میں احمدیت کی کہانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے اور حضرت پیر صاحب آف کوٹھ شریف نے فوت ہونے سے پہلے اپنے مریدین کو بتادیا تھا کہ میرا وقت اب ختم اور امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے مریدین کی حلفیہ شہادت اپنی کتب میں کئی جگہہ درج کی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب کے زیادہ تر مریدین کا تعلق ہزارہ سے ہی تھا۔ اپنی یادداشت کے سہارے چند دوستوں کا مختصر سا خاکہ تحریر کرنے کی کوشش کی ہے ابھی داستان عشق کے بہت سے صفحات باقی ہیں انشاء اللہ یہ قرض کبھی نہ کبھی ضرور اُتاروں گا۔ خاکسار کو اس سرزمین میں نو سال تک خدمت دین کی توفیق ملی۔ خدمت کا حق تو ادا نہیں کر سکا لیکن وہ جیسے حضرت عبد اللطیف بھٹائی کا سندھی شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مولا جب رہٹ چلتا ہے تو اس کے گول پہیے کے ساتھ مٹی کی گاگریں بندھی ہوتی ہیں وہ گھومتے ہوئے پانی میں جاتی ہیں اور باہر آ کر پانی انڈیلتی ہیں اور پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔ لیکن اس چکر میں بعض گاگریں ٹوٹ جاتی ہیں صرف اُن کے سر اس رسے کے ساتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں وہ بھی پانی میں جاتی ہیں اور باہر آتی ہیں لیکن کوئی پانی نہیں نکال سکتیں۔ تو حضرت عبد اللطیف دعا کے رنگ میں کہتے ہیں کہ مولا اس ٹیم میں مجھے پتہ ہے کہ میں ٹوٹا ہوا برتن ہوں، زمیندار کے کسی کام کا نہیں لیکن میری دعا ہے کہ میرا سر ضرور اسی رسے کے ساتھ بندھا رہے اور میں بھی کاملوں کے ساتھ گھومتا رہوں سو ہم نے بھی کچھ عرصہ ان اسیران راہ مولا کے دیس میں گزارا اور پھر پیارے آقا کے ارشاد مبارک پر صحرائے اعظم کے کنارے مغربی افریقہ میں آ وارد ہوئے۔ دوستو زندگی کے 27 سالوں نے یہی بتایا ہے کہ صحرا کے باسی ہوں یا پہاڑی وادیوں کے مکین جب امام الزمان علیہ السلام کی بیعت میں شامل ہوتے ہیں تو اپنے مولا کی اطاعت کے لئے پہاڑی آبشاروں کی طرح پر جوش اور صحرا کی صبح کی باد نسیم کی طرح روح پرور بن جاتے ہیں۔ ریت کی طرح نرم خو مگر چٹانوں کی طرح صبر کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ اے اللہ تو ان سب مومنین کا دین و دنیا میں حامی و ناصر ہونا (آمین)

***

احمدیوں کے خوف سے ارکان ایمان میں تبدیلی کی گھناؤنی سازش

چوہدری نعیم احمد باجوہ



میڈیا نے اک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔ ایک احمدی کو اکنامک کونسل میں مشیر لگا دیا گیا۔ سب کے ایمان خطرے میں ہیں اور سلامتی خوف سے تھر تھر کانپ رہی ہے۔ ایک مشیر جو آپ کو مفت مشورے دینا چاہتا ہے۔ اسکے خلاف ہر کوئی اپنی دوکان سجا کے بیٹھ گیا ہے۔ ایسے ایسے افلاطونی قسم کے تبصرے جاری ہیں کہ دیکھ سن کر خود افلاطون بھی ورطہ حیرت میں گم ہوجاتا۔ 2002 میں خود سمجھ بوجھ کر اور مطالعہ کر کے احمدی ہونے والے عاطف میاں کو بانی جماعت احمدیہ کا پڑپوتا لکھا اور کہا جارہا ہے۔ یہ ہیں ہمارے آج کے محققین کے کمالات جن کی روزی روٹی ایسے ہی جھوٹ کے گورکھ دھندوں سے رواں دواں ہے۔ جن کی دکان اور گودام میں احمدیہ مخالف سٹاک کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔ اور نہ انہیں کچھ اور بیچنا آتا ہے۔ ایسے نابغہ روزگار، ایسے شگوفے اور یہ کمالات آج ہمارے ہاں وافر ملتے ہیں۔ باقی ماندہ دنیا میں یہ جنس ذرا کم ہی ہے۔

رائے دینا سب کا بنیادی حق ہے۔ ہمیں اس حق سے کوئی تکلیف نہیں۔ صبح و شام میڈیا پر خود ساختہ ''تجزیہ کار'' جن کے پاس تجزیہ ہوتا ہے اور نہ کار، بیٹھے اپنا منجن بیچتے رہتے ہیں۔ قوم ان کو برداشت کر رہی ہے، کرے۔ ویسے برداشت سے زیادہ معاملہ بے حسی کا ہے۔ اس قوم و ملک پر اینکروں کے ٹینکروں کے ٹینکر اتر چکے ہیں۔ ہمیں ان کی روزی روٹی سے تکلیف نہیں لیکن ان کے نتھنوں سے نکلتی نفرت کی جھاگ کے لاوے معاشرے کو بھسم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نفرت اور تعصب کے ان آتش فشاؤں کی وجہ سے راستے مخدوش اور منزلیں کھوٹی ہوتی نظر آتی ہیں۔

عصر حاضر کے بعض نام نہاد دانشور، تجزیہ کار اور اینکر حضرات کسی چھوٹی موٹی نجاست پر منہ مارنا تو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اپنے فرمائے ہوئے کو حرف آخر مانتے ہیں۔ اور ہر دم مستند ہے میرا فرمایا ہوا کے زعم میں خود بھی مبتلا ہیں اور قوم کو گم راہ سے گم راہ تر کرنے کی سبقت کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ کذب بانی اور، الزام تراشی کو شیر مادر کی طرح پینا ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ کبھی کبھی تو ان کے جھوٹ کی سڑاند ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ ویسے تو کوئی دن ایسا نہیں جس میں یہ بونگیاں نہ ماری جا رہی ہوں۔ جھوٹ کی غلاظت میں سر سے لے کر پاؤں تک لوٹتے ہوئے منہ متھا ایک کرنے والے کئی ایک ہیں لیکن آج صرف ایک مثال پیش ہے۔ اس سے قوم کی بے حسی اور مدہوشی کی حالت بھی عیاں ہوتی ہے۔

مورخہ چار ستمبر 2018 کو حسان ہاشمی نامی ایک اینکر نے اپنے پروگرام BIG 7 میں اس قوم کو ایک نیا سبق پڑھایا ہے۔ جناب کہتے ہیں۔

'' پانچ چیزیں ہیں جن پر ایمان لانے کے بعد ایک بندہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

(۱) خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا

(۲) فرشتوں پر ایمان لانا

(۳) انبیاء پر ایمان لانا

(۴) کتابوں پر ایمان لانا

(۵) اور اس بات پر ایمان لانا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ آ سکتا ہے۔'' یہ پروگرام یوٹیوب پر مندرجہ ذیل لنک پر دیکھا جا سکتا ہے۔

https://www.youtube.com/watch?v=ga24mIQDIYA

راقم الحروف دل و جان سے ایمان رکھتا ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اور اس عظیم الشان خطاب میں کوئی دوسرا نبی شریک نہیں۔ یہ خطاب نہ پہلے کسی کو ملا نہ کبھی آئندہ کسی کو ملے گا۔ لیکن ہاشمی صاحب کیا آپ اور آپ جیسوں کو ٹی وی سکرین پر بٹھا کر معاشرے میں نفرت کے ببول اگانے والے قوم کو بتائیں گے کہ یہ پانچ ارکان ایمان کہاں سے نازل ہوئے ہیں۔ کتاب و سنت میں ان کا بیان کہاں پر ہے۔؟

اسلام میں آج تک بننے والا کوئی ایک فرقہ بھی اس ترتیب اور تعداد سے ارکان ایمان ایجاد نہیں کر سکا۔ جتنے آپ نے صرف احمدیوں کی دشمنی میں ساٹھ سیکنڈ میں قوم کو پڑھا دیئے۔ ناموس رسالت کے نام پر اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا کہ آپ دین کی بنیاد ہی کھوکھلی کرنے چلے ہیں۔ احمدیوں کی مخالفت میں میرے نبی ﷺ کے بیان کردہ ارکان ایمان میں تبدیلی کی گھناؤنی سازش کر

رہے ہیں۔خود گمراہ ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کو گمراہی کے گڑھوں کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہیں۔

احمدیوں کی مخالفت کیجئے۔ان سے جینے کا حق چھین لیجئے۔قانون کی ضرورت کے لئے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر بھی تسلی نہیں ہو رہی تو وہی راہ اپنایئے جو گزشتہ ستر سالوں سے جاری ہے۔اقلیتوں کو واقعی اس ملک میں رہنے کا حق نہیں دینا چاہئے۔اپنی مرضی کے مسلمانوں کو اپنی مرضی سے رہنے کا حق دیجئے۔لیکن یہ کیا ظلم ہے کہ دین کی بنیاد اور اساس پر ضرب لگا کر بنیادی ارکان ایمان خود تبدیل کریں اور مذہب کو نہ ماننے کا الزام احمدیوں پر لگائیں۔صرف اس لئے کہ آپ میڈیا پرسن ہیں۔اور یک طرفہ بیان دے کر جو مرضی کہتے چلے جائیں۔

جو ارکان ایمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو پڑھائے۔اور اس پر مومنین کی ایک جماعت بھی گواہ ٹھرائی گئی، وہ چھ ارکان ایمان احادیث کی کتب میں متعدد بار بیان ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے حضور بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور بالوں کا رنگ سیاہ تھا۔اس پر سفر کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی تھی۔اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔وہ آیا اور آنحضرت ﷺ کے گھٹنے کے ساتھ گھٹنا ملا کر مودب ہو کر بیٹھ گیا۔اور عرض کیا۔اے محمد ﷺ ایمان کسے کہتے ہیں؟۔آپ ﷺ نے فرمایا۔ایمان یہ ہے کہ (۱) تو اللہ پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر (۴) اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔(۵) یوم آخرت کو مانے (۶) اور خیر اور شر کی تقدیر پر ایمان رکھے۔اس نے کہا آپ نے درست فرمایا۔

(ترمذی کتاب الایمان باب فی وصف جبریل النبی الایمان والسلام)

یہ نمبرز میں نے لگائے ہیں تا کہ ہاشمی صاحب اور اسی قبیل کے دوسرے لوگوں کو گننے میں سہولت رہے۔یہ وہ ارکان ایمان ہیں جن کی تصدیق بھی جبریلؑ نے کی۔ان کو مسلمانوں اور کبار صحابہ کی جماعت میں بیان کرنے کا مقصد یہی تھا کہ سب کو یاد ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ کو پتا تھا کہ میرے پیارے نبی کے نام پر ان بنیادی باتوں میں بھی بگاڑ پیدا کیا جائے گا۔اس لئے اس نے بھری محفل میں سب کو اچھی طرح یہ ارکان ایمان اور ارکان اسلام یاد کروا دیئے۔لیکن برا ہو احمدیوں کے خلاف اس نفرت اور تعصب کا جو ہمیں چین لینے نہیں دیتا۔ارکان ایمان کے علاوہ بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں ارکان اسلام بھی بیان ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔رسول ﷺ فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے۔

(۱) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکواۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔(بخاری و مسلم کتاب الایمان)

یہ بنیادی احادیث پرائمری کی درسی کتب اور اسلامیات میں بھی شامل ہیں۔پرائمری کے بچوں کو بھی یہ احادیث یاد ہیں۔لیکن جو شخص ہر بات ہی احمدیوں کی مخالفت کی عینک لگا کر تعصب اور دشمنی میں اندھا ہو کر دیکھ رہا ہو اسے رسول ہاشمی ﷺ کی احادیث سے کیا مطلب۔؟اس کی بلا سے، بھلے دین و ایمان کی بنیادی معلومات ہی ادھر ادھر ہو جائیں۔اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ارکان ایمان کا کیا ہے وہ کون سا بول پڑیں گے۔ترتیب آگے پیچھے کر دینے سے کیا فرق پڑ جائے گا۔دو بنیادی ارکان نکال کر ان کی جگہ خود ساختہ رکن ڈال دینے سے کون سی قیامت آجائے گی۔قیامت کا ذکر تو ویسے بھی آپ نے نکال دیا۔بالکل درست کیا۔جب آپ جیسے اینکر اور علامے قیامت بن کر اس قوم پر ٹوٹ پڑے ہوں تو انہیں کسی اور قیامت کی کیا ضرورت ہے۔؟ قدر یا تقدیر کے رکن کو نکال کر بھی بہت بڑا کام کیا۔ویسے بھی اس قوم کی تقدیر اور قسمت کذب بیانی، خرافات اور تعصّبات کے ذریعہ آپ جیسوں نے پہلے ہی پھوڑ دی ہے۔جناب آپ کسی نئے مسلک کی بنیاد رکھیئے۔جبہ و دستار پہن کر بیٹھ جایئے۔اور اپنے ماننے والوں کو جو جی میں آئے پڑھایئے جو آپ کے ہاتھوں بیوقوف بننا چاہیں ان کو بنایئے۔لیکن خدارا اس قوم اور اس ملک پر رحم کھایئے۔دین بیچ کر روزی روٹی کا دھندا بند کیجئے۔

دراصل موصوف ہاشمی صاحب احمدیوں کے خلاف نفرت اور اشتعال انگیزی سے بھر پور پروگرام پیش کر رہے تھے۔ایک ایسی کمیونٹی جو پہلے ہی ہر سطح پر تعصبیت کا شکار ہے۔جس کے بچے اور بوڑھے مرد اور عورتیں ایک انجانے خوف میں ہر لحہ مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔احمدی کہلانا گالی بنا دیا گیا ہے۔ان کے خلاف نفرت کے الاؤ روشن کر رہے تھے۔اپنے پروگرام کے ابتدایئے میں کف اڑاتے ہوئے، بے بال و پر کی اڑاتے ہوئے ایک احمدی ماہر معاشیات عاطف میاں کی ذات پر اور ساری جماعت احمدیہ پر اندھا دھند الزامات لگا رہے تھے۔پہلے انہوں نے اپنے بغض و نفرت کی تلواروں کو خوب چمکایا۔اور پھر یہ تلواریں اپنے بلائے ہوئے مہمان معروف ایڈووکیٹ احمد رضا قصوری صاحب کے ہاتھ میں تھما نا چاہیں۔

احمد رضا قصوری صاحب خود کو احمدیوں کے صف اول کے مخالفین میں شمار کرتے ہیں۔اس بات کا اعادہ انہوں نے اس پروگرام میں بھی کیا۔وہ اپنا سب

سے بڑا کارنامہ یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے احمدیت مخالف تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔لیکن اس کے باوجود وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "پاکستان ملائیت کی ریاست نہیں ہے۔اسے مولویوں نے نہیں بنایا۔" اسلام نے اقلیتوں کی حفاظت کی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے منافقین کے سردار کا جنازہ پڑھایا۔جب آپ ریاست مدینہ کی بات کرتے ہیں تو کیوں بھول جاتے ہیں کہ مدینہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبائل بنی قینقاع اور بنی خزرج ریاست مدینہ کے معاملات میں شامل تھے۔پاکستان اسوقت معاشی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔معاشی معاملات کے لئے اگر کوئی احمدی اچھا مشورہ دے سکتا ہے تو کیا اس کو رد کر دینا چاہئے۔

لیکن "علامہ" حسان ہاشمی صاحب کی مرضی کے مطابق بیان نہیں آیا تو بار بار ٹوکنا چاہا۔ان کو خطرہ پڑ گیا کہ جس نفرت کو وہ آج بیچنے آئے تھے اس کا الاؤ تو روشن ہی نہیں ہو رہا تو وہ بکے گی کیسے؟ احمدیوں کے خلاف اپنی بھر پور نفرت کے احمد رضا قصوری صاحب کہنے پر مجبور ہوئے کہ حسان صاحب آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔آپ خود کنفیوژڈ پرسن ہیں۔

کنفیوژڈ حسان ہاشمی صاحب نے دوسرے مہمان تجزیہ کار رانا مبشر صاحب کو لائن پر لیا۔اور ان کے ذریعہ اپنا ماندہ زہر فروخت کرنا چاہا۔لیکن وہاں بھی، جھوٹ کے نام پر اپنا پروگرام شروع کرنے اور ارکان ایمان میں تبدیلی کی سازش کرنے والے کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔رانا مبشر صاحب نے کہا اگر انڈیا میں ایک مسلمان کو صدر بنا سکتے ہیں تو ہم کیا ایک احمدی کو مشیر نہیں لگا سکتے۔جس آدمی کا آپ ذکر کر رہے ہیں میں نہیں جانتا اس کا مذہب کیا ہے۔اگر وہ پاکستانی ہے اور قابل ہے تو ضرور لگانا چاہئے۔

جناب ہاشمی صاحب کچھ اپنے نام کی ہی لاج رکھ لیں۔رسول ہاشمی ﷺ کی طرف منسوب نام کی عزت کی کچھ پرواہ کر لیں۔جس دین کے آپ از خود ترجمان بن بیٹھے ہیں اس کی حرمت کا کچھ خیال کر لیں۔لیکن آپ کو تو صرف نفرت کے بازار میں جھوٹ کی دوکان لگانا ہے۔کذب بیانی کر کے اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا من چاہا اسلام بیچنا ہے۔اگر آپ کی تسلی نہیں ہوئی تو آئندہ کسی پروگرام میں ماہرین مغلظات معروف علامہ کو اپنے پروگرام میں بلا لیں۔پر یہ اسلام میرے نبی حضرت محمد عربی ﷺ کا نہیں ہے۔نفرتوں، حقارتوں غلط بیانیوں اور کمزوروں پر یک طرفہ الزامات لگانے کا اسلام سردار دوجہاں ﷺ کا ہرگز نہیں ہے۔

آپ نے تو ملمع سازی کر کے دین اسلام کی ٹھیکیداری کا منصب سنبھالنا ہے۔حاجی اور ہاشمی اس لئے لکھنا ہے کہ لوگ اعتبار کریں۔احمدیوں کے خلاف کف اس لئے اڑانا ہے کہ ریٹنگ درکار ہے۔چینل کو کاروباری مقابلے کے لئے مارکیٹ میں برقرار رکھنا ہے۔

آج قوم کی بدقسمتی ہے کہ بنیادی اسلامی تعلیم سے بھی ناواقف دین سکھانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔اسلام کی پرائمری تعلیم سے نابلد حسان ہاشمی احمدیوں سے اتنا خائف کیوں ہے۔اور یہ ہاشمی ایک استعارہ ہے اس طرح کے باقی نفرتوں کے آتش فشانوں کا۔آج ہر صاحب ذی شعور سوچنے پر مجبور ہو رہا ہے کہ پاکستان کا مسلمان احمدیوں سے اتنا خوف زدہ کیوں ہے۔کیوں احمدیوں کے ڈر سے رسول اکرم ﷺ پر بہتان باندھنے سے بھی نہیں چوکتا۔احمدیوں کے خوف سے بونتر کر اور اندھا ہو کر کیوں بنیادی ارکان ایمان اور ارکان اسلام میں بھی تبدیلی کی گھناؤنی سازش کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ایسی حرکتوں سے دین محمد عربی ﷺ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا خود اپنا بیڑا غرق کرنے کا بیڑا ضرور اٹھا رکھا ہے۔خدارا ہوش میں آیئے اور ایسے نیم حکیموں اور اتائی معلموں اور علاموں اور نفرت کے بیوپاریوں سے چھٹکارا پایئے۔ ***

یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

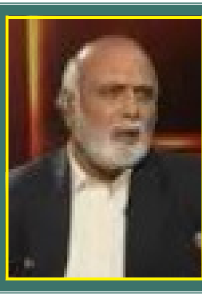
کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رُشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میرے بندہ پرور کر ان کو نیک اختر
رتبہ میں ہوں یہ برتر اور بخش تاج و افسر
تو ہے ہمارا رہبر تیرا نہیں ہے ہمسر
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

شیطاں سے دور رکھیو اپنے حضور رکھیو
جاں پُر زِنور رکھیو دل پُر سرور رکھیو
ان پر میں تیرے قرباں رحمت ضرور رکھیو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اے میرے دل کے پیارے اے مہرباں ہمارے
کر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے

(کلام الامام از دُرِّثمین)



ہارون الرشید صاحب!
پسپائی اور وہ بھی اتنی بے سلیقہ

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ





داعی معرفت وعرفان کے، نصیحت تقویٰ کی ، قصے خلافت راشدہ کے، دُھن عشق رسول ﷺ کی، ذکر محافل عارف باللہ کا، آئیڈیل قائد اعظم، نظر مستقبل کے پار دیکھنے والی لیکن دو چار سے کچھ زیادہ گالیاں سنتے ہی حوصلہ سعد رفیق جیسا اور ایمان ممنون حسین صاحب جیسا کیوں ہو گیا؟ سرکار عالی ظرف اور بلند حوصلہ لوگ تو تیر کھا کر بھی کسی قرینے سے گرتے ہیں آپ نے یہ کیا کیا پسپا ہوئے تو بھاگتے ہوئے ایک جھگڑالو دیہاتی مولوی کے ظرف تک لڑھک آئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ کل تک تو آپ ﷺ کے طائف پر حملہ کرنے والی فوج اور حضرت عمرؓ کی فوج کے حوالے دے رہے تھے اور آج ایسے بے لگام ہوئے ہیں کہ تاریخ وتہذیب سب کو ہی روند کر نکل گئے ہیں۔ آپ نے روزنامہ دنیا میں اپنے 6 ستمبر 2018 کے لکھے کالم ''کپتان کس خیال میں ہے'' میں کئی خلاف واقعہ اور کئی سنی سنائی باتوں کو بنیاد بنا کر ایک فتنے کا زہریلا گولا بلوائیوں کے ہاتھ دے کر دستانے پہن لئے ہیں۔ آپ تو اپنے پروگرام میں بڑی تحدی سے اس بات کو دھراتے سنائی دیا کرتے تھے کہ میں جب بھی کوئی بات کرتا ہوں تو پوری ذمہ داری سے کرتا ہوں اور سورس کو کئی بار چیک کر کے کرتا ہوں مگر اس کمیونٹی کے بارے میں جو پہلے ہی متشدد لوگوں کے حملوں کی زد میں رہتی ہے آپ نے بھی خلاف تاریخ، ایک من گھڑت بات بڑی خوشی خوشی چالو کر کے گویا پٹرول کا ڈبہ ہی اُلٹ دیا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ فتنہ کو قرآن اور اسلام کن الفاظ سے یاد کرتا ہے اور فتنہ گر کی کیا سزا ہے۔ ڈاکٹر عامر لیاقت صاحب کے ایک ایسے ہی بیان سے کتنے جید احمدی ڈاکٹر شہید ہوئے آپ کو شاید ان دکھوں کا اندازہ نہیں کیونکہ آپ تو صرف عارف باللہ کی باتیں تحریر کر سکتے ہیں عمل نہیں۔

سنئے آپ نے لکھا ہے کہ ''علامہ اقبال بہت تحمل سے قادیانی تحریک کو دیکھتے رہے۔ شائد مرزا ایک مصلح بن کے اُبھرنا چاہتے ہوں۔ نبوت کا دعویٰ کر چکے۔ انگریز کی وفاداری کا درس دینے لگے تو بات واضح ہوگئی''

سرکار آپ کس دنیا میں بستے ہیں؟ تحمل سے دیکھتے رہے۔ انگریز کی وفاداری کا درس بات واضح ہوگئی۔ آپ کو علم بھی ہے کہ جناب امام جماعت احمدیہ پیدا کب ہوئے اور فوت کب ہوئے؟ اور علامہ اقبال کی خوش عقیدگی جماعت سے کب تک قائم رہی اور کب آپ نے اپنے سابقہ مؤقف سے رجوع کیا؟ اور یہ جھگڑا ہونے کی وجہ کیا کوئی مذہبی تھی یا معاشی؟ آپ کی اس تحریر سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کم از کم جماعت احمدیہ کے معاملے میں مولوی حضرات کی طرح سنی سنائی پر ہی تکیہ کرتے ہیں۔ امام جماعت احمدیہ نے 1889 میں جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی اور 1908 میں آپ فوت ہوگئے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کی جماعت سے خوش عقیدگی مرزا صاحب کی ساری عمر سے لے کر ان کی وفات 1908 کے بعد 1935 تک قائم رہی یعنی وفات کے بعد بھی 27 سال تک۔ اور اسی دوران آپ نے اپنے بیٹے آفتاب اقبال کو قادیان کے جماعتی سکول اور بورڈنگ ہاؤس میں داخل کروادیا۔ پھر اسی دوران آپ کی اپنی بیگم سے گھریلو ناچاقی ہوئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا تو آپ نے تحریراً قادیان خط لکھ کر اس فقہی مسئلہ میں جماعت کے پہلے خلیفہ سے مدد چاہی۔ جماعت احمدیہ اسلام کا ٹھیٹھ نمونہ ہے۔ یہ بھی اسی دوران آپ کا لیکچر ہے۔

گول میز کانفرنس کے دوران آپ جس شخص کے کندھے سے کندھا ملا کر گھومتے نظر آتے ہیں وہ بھی ایک احمدی سر ظفر اللہ خان صاحب ہی تھے۔ پھر اسی دوران ہی آپ اپنے بچوں کا گارڈین ایک احمدی کو مقرر کرتے ہیں اور پھر ان کی وفات پر فرماتے ہیں کہ آج ہمارے گھر سے تقویٰ رخصت ہو گیا اور پھر اسی دوران ہی آپ کشمیر کے مظلوموں کے لئے بننے والی کشمیر کمیٹی کی صدارت اور جنرل سیکرٹری کے لئے خود احمدی خلیفہ اور امام مسجد لندن کا نام تجویز کرتے ہیں۔ اسی دوران ہی آپ ایک نماز لندن کی احمدیہ مسجد میں پڑھتے ہیں اور بچوں سے قرآن

سننے کے بعد خوشی سے اُنہیں انعام سے نوازتے ہیں۔ایک سال نہیں پورے 27 سال وفات کے بعد بھی۔اور جناب ہارون صاحب مرنے کے بعد تو کوئی واپس آ کر انگریزوں کے لئے کوئی نیا اعلان نہیں کر سکتا ؟ اگر کر سکتا ہے تو میں آپ کی بات مان لیتا ہوں''علامہ اقبال بہت تحمل سے قادیانی تحریک کو دیکھتے رہے۔شائد مرزا ایک مصلح بن کے اُبھرنا چاہتے ہوں ۔ نبوت کا دعویٰ کر چکے ۔ انگریز کی وفاداری کا درس دینے لگے تو بات واضح ہوگئی'' روؤں جگر کو کہ دل کو پیٹوں میں ۔اس تجربے اور سن رسیدگی کا کیا کرنا کہ اگر ہاتھ کے ساتھ ساتھ زبان بھی خون سے رنگی رہے۔اور جناب اسی دوران آپ سر آرنلڈ کی تربیت میں چلے گئے۔ بتائیں ذرا یہ سر آرنلڈ صاحب کون تھے؟''اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کو پختہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی اب انہیں ایک اور جوہر نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی اور جو دوستی استاد شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر شاگرد کو استاد کے پیچھے انگلستان لے گئی۔آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد میر حسن نے ڈالی تھی۔اس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری میں طے ہوئے''۔

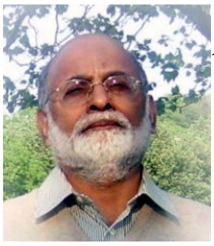
(اقبالیات صفحہ 12-11)

شاعر مشرق کی وہ شاعری جسے آج امت میں روح پھونکنے والی سمجھا جاتا ہے آپ ایک موقعہ پر اسے فضول چیز سمجھ کر ترک کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے یار دوستوں نے سمجھایا لیکن آپ نہ مانے۔آخر سر آرنلڈ کو پتہ چلا انہوں نے سمجھایا کہ ممکن ہے تمہاری اس شاعری سے تمہاری درماندہ قوم کا علاج ہو سکے۔شیخ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ خوش قسمتی ہے کہ آرنلڈ کا مشورہ آپ کی سمجھ میں آ گیا(صفحہ 15 اقبالیات) اور اسی دوران آپ نے اپنے بچوں کو مسز ڈورس کی فرزندی میں دے دیا۔یہ مسز ڈورس کون تھیں؟''میں نے مسز ڈورس کو دس ہزار انعام پیش کرتے ہوئے کہا'' آپ جاوید اقبال اور منیرہ بانو کی ہی امی نہیں ہم سب کی امی ہیں آپ نے ہمارے پیرومرشد کو کئی تفکرات سے چھٹکارا دلایا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید حضرت علامہ''ضرب کلیم''''پس چہ کرد اے اقوام مشرق''اور''ارمغان حجاز''مکمل نہ کر پاتے اس اعتبار سے اے محترمہ ڈورس صاحبہ آپ کا احسان فقط ہم پاکستانی مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ پر ہے''۔(نوائے وقت اقبال نمبر 21 اپریل 1986ء)اور اسی دوران 22 جنوری 1901ء عیدالفطر کے روز برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کی وفات ہوگئی اور جناب علامہ نے اس موقعہ پر 110 اشعار کا پردرد مرثیہ رقم فرمایا۔مرثیہ کا نام تھا''اشک خون''۔ہارون صاحب یاد ہے یا سناؤں۔ بیماری نشاط ہے اگر ہے تو صبح غم/ پڑھ کر کرے گی سورہ والحشر دم تجھے۔ عید کی مناسبت سے علامہ نے عید کے بالمقابل محرم کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ ہم مسلمانوں پر یہ واقعہ''محرم'' کے اندوہناک سانحہ سے مختلف نہیں۔آئی ادھر نشاط ادھر غم بھی آ گیا/کل عید تھی تو آج محرم بھی آ گیا کہتے ہیں آج عید ہوتی ہے ہوا کرے/ اس عید سے تو موت ہی آئے خدا کرے اس روز رنج وغم سے تو آساں ہی تھی/محشر کی صبح ہو نہ گئی آشکار آج اور پھر ایک اور آرزو لاش کی راہ میں خاک بننے کی آرزو میت اٹھی ہے شاہ کی تعظیم کے لیے/ اقبال اڑا کے خاک راہ گزار ہو دل کی انگشتری گئی/ اے ہند تیرے چاہنے والی گزر گئی/غم میں تیرے کراہنے والی گئی درد اجل کی تاک بھی کیسی غضب کی تھی/ انگشتری جو دل کے نگینے کی تھی گئی ۔ ہارون صاحب آپ یہی فرما رہے تھے ناں کہ''علامہ اقبال بہت تحمل سے قادیانی تحریک کو دیکھتے رہے...انگریز کی وفاداری کا درس دینے لگے تو بات واضح ہوگئی'' یعنی انگریز ملکہ کی طبعی موت کو بھی کربلا بنا کر آپ ساری دنیا کا جائزہ لیتے رہتے تھے کہ کب کوئی انگریز کی وفاداری کی بات کرے اور میں اس سے رشتے توڑوں۔ ماشاءاللہ ۔اور اختتام تھا اے ہند تیرے سر سے اٹھا سایہ خدا/ اک غمگسار تیرے مکینوں کی تھی ۔ (باقیات اقبال 80-81-89-92 و سرودرفتہ صفحہ 184)

'' یہ پرسوز اور دردناک مرثیہ لکھ کر علامہ نے انگریز حاکموں کی نگاہ میں اپنے لیے ایک مقام رفیع پیدا کر لیا تھا۔انہیں یہ مرثیہ اتنا پسند آیا کہ اسے سرکاری خرچ پر طبع کرایا گیا''۔(دانائے راز صفحہ 361 از سید نذیر نیازی 1979ء) علامہ نے خود اس کے انگریزی ترجمہ کی سعادت بھی حاصل کی اور مرثیہ کا عنوان رکھا''Tears of Blood''۔اقبال اکادمی پاکستان کے رسالہ اقبالیات کے مطابق گورنمنٹ نے اس کی کئی ہزار کا پیاں اپنی طرف سے مختلف زبانوں میں چھپوائیں اور یوں علامہ کا عقیدہ''انگریز ملکہ سایہ خدا'' ملک کے سب اطراف میں پھیل گیا۔(رسالہ جولائی ستمبر 1988ء صفحہ 13) اور پھر اسی دوران 1902 میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں ہز آنر میکورتھ ینگ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب ڈبلیو بل تشریف لائے۔اقبال نے اس موقعہ پر خیر مقدم کے لیے نظم کا سہارا لیا اور یوں سر آرنلڈ نے جس بیج کی آبیاری کی تھی آج شعروں کی زبان میں یوں گویاں ہوئی۔خوشا نصیب وہ گوہر ہے آج زینت بزم/ کہ جس کی شان سے ہے آبروئے تاج وہ کون زیب دہ تخت صوبہ پنجاب/ کہ جس کے ہاتھ

نے کی قصرِ عدل کی تعمیر جو بزم اپنی ہے طاعت کے رنگ میں رنگین/ تو درسگاہ رموز و وفا کی ہے تفسیر اسی اصول کو ہم کیمیا سمجھتے ہیں/نہیں غیر الحاجت جہاں میں اکسیر (سرود رفتہ صفحہ 176 از مولانا غلام رسول مہر) اور پھر اسی دوران 1910 میں جناب علی گوہر صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ ہزارہ نے پیسہ اخبار کے ذریعہ بعض نامی مسلم زعماء سے استفسار کیا کہ مصر میں ایک عالمگیر اسلامی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مسلمانان ہند کی شرکت مناسب ہے یا نہیں۔ علامہ اقبال نے 22 اگست 1910ء کو پیسہ اخبار میں اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا اور کانفرنس میں شرکت منع کر دیا فرمایا: ''ہندوستان کے مسلمان شاید اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے۔ مسلمانان عالم کے کسی ملک میں کوئی ایسی تحریک عام طور پر نہیں ہے جس کا منشا یورپ سے پولیٹکل مقابلہ کرنا ہو نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے اذ تناجیتم فلا تناجوا بالاثم والعدوان۔ 1910 کی یہ رائے 1915ء کے پرچے میں دوبارہ شائع ہوئی۔

(پرچہ 21 جولائی 1915ء (اسی دوران دسمبر 1911ء میں شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی پر ''ہمارا تاجدار'' نظم لکھی۔ جس میں علامہ خاک قدم پر دل نثار کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر اسی دوران 1912 میں فرماتے ہیں ہمائے اوج سعادت ہو آشکار اپنا/ کہ تاج پوش ہوا آج تاجدار اپنا اسی کے دم سے عزت ہماری قوموں میں/ اسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا اسی سے عہد وفا ہندیوں نے باندھا ہے/ اسی کے خاک قدم پر ہے دل نثار اپنا (باقیات اقبال صفحہ 206 بحوالہ مخزن جنوری 1912ء) اور پھر اسی دوران 1918 میں ٹاؤن ہال لاہور میں جلسہ ہوتا ہے جس کی صدارت گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر ادا کر رہے تھے ''شیخ محمد اقبال نے سلطنت برطانیہ کے اوصاف پر تقریر کی اور تقریر کے بعد حاضرین کو نظم سنائی جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض / خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض عہد وفا و مہر و محبت بھی بے غرض/ تخت شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض ہنگامہ دغا میں سر مرا قبول ہو/ اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو آخری بند میں علامہ نے اس دلی تمنا کا اظہار کیا تھا کہ یا باری تعالیٰ عدل وانصاف قائم کرنے والی اور امن وسکون عطا کرنے والی اس انگریز گورنمنٹ کا سایہ دائمی طور پر ہمارے سروں پر قائم رکھنا چنانچہ فرمایا: جب تک



چمن کی جلوہ گل پر اساس ہے/ جب تک فروغ لالہ احمر لباس ہے جب تک کلی کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے قائم رہے حکومت آئین اسی طرح/ دبتا رہے چکور سے شاہین اسی طرح (پیسہ اخبار 5 مئی 1918ء، 11 مئی 1918ء وسرود رفتہ) اور پھر اسی دوران 1923 آ گیا۔ 1923 تحریک ترک موالات جیسا طوفان خیز دور، ہر طرف سے گورنمنٹ سے عدم تعاون کی قرار دادیں۔ ''یہی نہیں عین اس زمانہ میں جب لوگ ملازمتوں پر لات مار رہے تھے سرکاری سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے۔ اقبال کو سر کا خطاب دیا گیا اور انہوں نے اس کو قبول بھی کر لیا جس پر کسی دل جلے نے یوں فقرہ چست کیا تھا سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال (اقبال اور سیاست ملی صفحہ 273) اوپر درج مصرہ ہی نہیں۔

مولانا عبدالمجید سالک کی ''زمیندار'' اخبار میں شائع شدہ نظم کا ایک مصرعہ ہے مولانا سالک کے دو شعر ملاحظہ ہو: پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج/ اب اور سنو تاج کے سر ہو گئے اقبال کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پہ کوئی گستاخ/ سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال ڈاگر مٹیکو رکو بھی خطاب ملا تھا مگر انہوں نے واپس کر دیا زندہ رود جلد نمبر 2 صفحہ 270 اقبال نے نہ صرف خود وصول کیا بلکہ اپنے استاد مولانا میر حسن کی سفارش کر کے انہیں بھی شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ (زندہ ودصفحہ 257)

اور پھر جولائی 1930 میں محترمہ لیڈی آرنلڈ کی وفات پر فرمایا ''یہ حقیقت ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف برطانوی دنیا علم کو بلکہ تمام دنیائے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا ہے کیونکہ یہ انہی کا فیضان تھا جس نے میری روح کی تربیت کی اور اسے جادہ علم پر گامزن کیا۔ (حیات اقبال کی گمشدہ ڑیاں صفحہ 211-12 محمد عبداللہ قریشی بزم اقبال کلب روڈ لاہور) اور پھر اور پھر... ایک لمبی داستان ہے پھر کبھی۔ 1935 تا 1938 سر ظفر اللہ خان سر فضل حسین صاحب کی جگہ پر وائسرائے کونسل کے ممبر بن گئے اور جناب کے دل کو ٹھیس لگی باقی سب تاریخ ہے۔ میرے بھائی مورخ کبھی جانب دار نہیں ہوتا اور صوفی کبھی اپنے آپ کو گنجائش نہیں دیتا۔ عاطف میاں کے مشورے قبول نہیں تو مولوی فضل الرحمن صاحب کا دل اور ضیاء الحق کی آنکھ قبول ہے۔ کشمیر کا مسئلہ یو این او کی قرار دادوں کے مطابق حل کرو وہ قبول ہے جناب ہارون صاحب پسپائی اختیار کریں مگر کسی ڈھنگ سے ایک نیا فتنہ تو نہ پیدا کر دیا۔

***

"قادیانی مسئلہ" محمد اظہار الحق صاحب کی تجاویز اور مغالطے



چوہدری نعیم احمد باجوہ

تشدد کسی مسئلہ کا حل نہیں۔ نرمی اور دلائل سے بات کرنے کا ڈھنگ سکھانے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نمائندگان رب جلیل نے بھجوائے۔ حتی کہ موسیٰ کلیم اللہ کو بھی زمین پر خدا بنے بیٹھے فرعون سے ''قولاً لیناً'' یعنی نرم لہجے میں بات کرنے کا ارشاد ہوا۔ پر گالی گلوچ، تلوار اور گولی کی زبان ہمیشہ دلائل میں عاجز آنے والوں کا شیوہ رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔ یہی دونوں رویے حق و صداقت اور کذب و باطل کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

محمد اظہار الحق صاحب کے متعلق خوش فہمی یہی تھی کہ علمی اور ٹھوس بات کرنے کے روادار ہیں۔ دانشور ابن دانشور ہیں۔ کوئی کچی بات ان کو زیب دیتی نہیں۔ لیکن بے سروپا باتیں کر کے بھرم توڑ دیا۔ خاموشی واقعی بہت بڑی نعمت ہے عیب چھپے رہتے ہیں۔

لکھتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کو باہر سے فنڈز مل رہے ہیں۔ محترمی! آپ نے ستر برس کی عمر میں اپنے اوپر ایک ایسا قرض چڑھا لیا جس کے ثبوت لانے میں اگر آپ اگلے ستر برس بھی لگے رہیں تو لا نہ سکیں گے۔ قوم منتظر رہے گی اور آپ پر قرض واجب الادا رہے گا۔ ثبوتوں سمیت باہر سے فنڈز ملنے کا معاملہ سامنے لے آیئے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ بعض اوقات افریقہ میں دیگر مسلمان اپنی زکواۃ جماعت احمدیہ کو دے جاتے ہیں وجہ یہ کہ اپنے آئمہ پر اعتماد نہیں۔

احمدیوں کا سارا مالی نظام ممبران کے چندے پر مشتمل ہے۔ سوال مگر یہ ہے کہ لوگ دیتے کیوں ہیں۔؟ اور ایک صدی سے زائد عرصے سے دیتے کیوں چلے جا رہے ہیں۔ وجہ صاف ہے اعتماد ہے کہ ایک پائی بھی ضائع نہ ہوگی۔ جس اعتماد کے لئے وزیر اعظم صاحب بار بار اعلان کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ سو سال قبل یہ اعتماد لوگوں کو دے چکی۔ صرف پاکستان میں نہیں دنیا بھر میں یہ اعتماد قائم کر چکی۔ اب معاملہ یوں ہے کہ بعض اوقات کسی فرد کی اصلاح کے لئے سزا یہ تجویز ہوتی ہے کہ اس سے چندہ لینا بند کر دیا جاتا ہے۔ اموال کی پاکیزگی کا یہ عالم کہ مغربی ممالک میں حالت اضطراب میں کسی ممنوعہ ریسورنٹ پر کام کرنے والے سے چندہ لیا ہی نہیں جاتا۔

خدمت خلق میں احمدی رضا کار افریقہ کے ان دور دراز علاقوں تک چلے گئے ہیں جہاں تک جانے میں واقعی لفظاً و معناً ہاتھ پیر اور پر جلتے ہیں۔ باہر سے فنڈز لینے کی بات کہاں سے آ گئی، صاف پانی، تعلیم، بجلی، میڈیکل کی سہولتیں دینے کے لئے جماعت احمدیہ دونوں ہاتھوں سے فنڈز لٹا رہی ہے۔ حکومت کینیڈا کی طرف سے دیئے گئے فنڈز شکریہ کے ساتھ واپس کرنے کی مثال بھی صرف جماعت احمدیہ ہی قائم کر سکی کہ اس رقم کو ہماری طرف سے ضرورت مندوں پر صرف کر دیجئے۔

جناب والا! اکیسویں صدی کے اس دور جدید میں عقائد سے عوام اور خاص طور پر مغرب میں پروان چڑھتی نوجوان نسل کو لاعلم رکھنے کی بات کر کے واقعی آپ نے اپنی لاعلمی کا پول کھول دیا۔ آج یہ ممکن کیسے ہے۔؟ احمدیوں کا سارا لٹریچر میسر ہے۔ کئی ایک ویب سائیٹس مختلف زبانوں میں یہ کتب مہیا کر رہی ہیں۔ جماعت احمدیہ کے کئی ٹی وی چینلز، کئی ریڈیو چینلز، بیسیوں اخبارات، رسائل، ہزاروں کتب، دنیا بھر میں احمدیوں کے کئی پریس مسلسل لاکھوں کی تعداد میں پرنٹنگ کر رہے ہیں۔ کیا اسے عقائد کو چھپانا کہا جا سکتا ہے۔

کہا آپ نے ''قادیانی خاندانی نظام مربوط اور مضبوط برادری سسٹم پر قائم ہے''۔ حضرت شعیب سے بھی یہی کہا گیا تھا ''لولا رھطک'' یعنی اگر تیری برادری مضبوط نہ ہوتی تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ (سورہ ہود)

آج وہی بات آپ کر رہے ہیں کہ احمدی مربوط برادری سسٹم کی وجہ سے ترقی کر گئے ہیں۔ یاللعجب۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سوچنے کی بات یہ کہ احمدیہ مخالف مسلمان جن کو تعلیم ہی اخوت کی ہے مربوط نظام کیوں نہ بنا سکے۔؟ وسائل کی کمی تھی نہ علماء کی۔ حکومت بھی تھی دولت بھی عاشقان، محبان، فدائیان بھی کم پیدا نہیں ہوئے۔ تنظیمیں بھی کم قائم نہیں ہوئیں۔ احمدی کوئی آسمان سے تو اترے نہیں تھے۔ یہیں سے ہر برادری سے نکل نکل کر احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ کے سامنے قطرہ قطرہ دریا کیا سمندر بن گیا۔ فرد فرد آیا اور قافلہ بنتا چلا گیا۔ اگر سن سکیں تو اصل کہانی تنظیم نہ بننے اور احمدیوں کے مد

مقابل ناکامی کا اقرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب (1892ـ1961) کی زبانی سن لیجئے۔ وہ ساری عمر احمدیوں کو گندی گالیاں دیتے رہے۔ ہر قسم کی تعلّی کے باوجود حسرت و یاس لیے ملتان کی مٹی میں جا سوئے۔ پر جاتے جاتے اپنے مشن کی ناکامی کا اظہار ضرور کر گئے۔ سچ بات ان کے منہ سے ادا ہوگئی۔ کرلاتی روح کے ساتھ شاہ صاحب کے دل کی گہرائیوں سے نکلے حسرت و ناکامی کے یہ الفاظ تاریخ کا حصہ ہیں:

''ہمارا سرمایہ خوب تھا لیکن نسل ناخوب تھی، نتیجہ ظاہر ہے۔ آبائی ورثہ بھی کھویا، اپنی کمائی بھی گنوائی اور مستقل کو بھی مخدوش بنادیا۔''

(آواز دوست از مختار مسعود ص 132)

آج بھی علماء پاکستان دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ چاند تک بھی قادیانیت کا پیچھا کریں گے۔ بھول مگر یہ جاتے ہیں کہ چاند پر کمنڈ ڈالنے والا پہلا کون ہے۔ یہ گروہ عاشقاں قادیانیوں سے پہلے چاند تک پہنچنے میں ہر دفعہ کیوں ناکام رہتا ہے۔

آپ نے کہا'' قومی اسمبلی میں غیر مسلم قرار دے دیا تو اسکے بعد ترغیب۔ تحریص۔ اور تبلیغ کا دور آجانا چاہئے تھا''۔

بالکل ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے لئے شہر طائف میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہاتھ میں پتھر اٹھائے ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے نہیں۔ پتھر کھاتے ہوئے بہتے لہو کے ساتھ۔ لبوں پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا دیتے ہوئے۔ اور عین حالت تکلیف میں خون صاف کرتے ہوئے اختیار ملنے کے باوجود معاف کرنے کا پہاڑوں سے بلند حوصلہ چاہئے ہوتا ہے۔ یہ حوصلہ ہمیں ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے سکھایا۔ لیکن آج اس پر عمل پیرا کون ہے۔ وہی احمدی جو بدترین کافر ٹھرائے گئے ہیں۔ آپ کہاں سے لائیں گے ایسے بلند حوصلہ لعل و جواہر۔؟ ہاں مگر ایک ہی دن میں لاہور میں سو کے قریب لاشے اٹھانے والے احمدیوں نے یہ ثابت ضرور کر دیا کہ انہیں ترقی کیوں ملنی چاہئے۔ دودھ پینے والے مجنوں کون ہیں اور خون دینے والے کون۔ اور خون کے پیاسے درندے کون۔؟ اپنی عمر کے ستر برسوں میں کوئی دھرنا، ہڑتال، ہنگامہ آرائی، قتل و غارت، روڈ بلاک اور ٹریفک جام احمدیوں کی طرف سے بھی کبھی دیکھا آپ نے؟

آپ نے ایک سو فیصد سچا واقعہ سنایا۔ آپ کے بیان کردہ اس شمالی امریکہ ماڈل کو احمدی ویلکم کہیں گے۔ ضرور لے آیئے۔ اور پاکستان کے قریہ قریہ میں اس کو آزمایئے۔ وہاں تو ایک مجاہد نے چند ملاقاتوں میں ایک ''گمراہ'' کو بچا لیا۔ پاکستان میں تو مومنین یہ کام بآسانی سرانجام دے کر اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے حل کر سکتے ہیں۔ نئی احمدی نسل کا ایک سو فیصد سچا واقعہ آپ بھی سنتے جایئے۔

گڑھی شاہو میں احمدیہ بیت الذکر پر 2010 میں ہونے والے حملے میں ایک احمدی مارا گیا۔ اگلے جمعہ اس کی بیوہ نے اپنے بیٹے کو نہلا دھلا کر جمعہ کے لئے تیار کیا اور نصیحت کی بیٹا اسی جگہ پر جا کر کھڑے ہونا جہاں تمھارا باپ مارا گیا۔ یہ ہے نوجوان احمدی نسل جو احمدی ماؤں کی گودوں میں پروان چڑھ رہی ہے۔ اور ماڈل ٹاؤن میں نشانہ بننے والوں میں سے والدین کا اکلوتا بیٹا جب جان کی بازی ہار گیا تو والدین نے کہا ہم نے اپنا بیٹا اپنی گود سے اٹھا کے خدا کی گود میں رکھ دیا۔ ہم بھی جان دینے کے لئے تیار ہیں۔ کیا بند فرقے (CULT) ایسی تبدیلیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

فرق صرف یہ ہے کہ غازیان نے تو تلوار اٹھالی اور احمدیوں نے کلمہ و نماز کو حرز جان بنا کر اپنی الگ پہچان بنالی۔ اپنے ہمسائے، کالم نگار اور اینکر پرسن جاوید چوہدری صاحب کا بیان کردہ صرف ایک چھوٹا سا نمونہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

''ہم شک، پروپیگنڈے اور کسی کو تسلیم نہ کرنے کی بدعت کے اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ہم اب لوگوں کی نمازوں تک میں کیڑے نکال لیتے ہیں۔ مجھے ایک صاحب کسی کے بارے میں بتا رہے تھے وہ قادیانی ہے۔ میں نے پوچھا تمہیں کیسے پتا چلا۔ اس نے جواب دیا۔ وہ بار بار کلمہ پڑھتا ہے اور ایسا کرنے والے لوگ قادیانی ہوتے ہیں۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا''۔

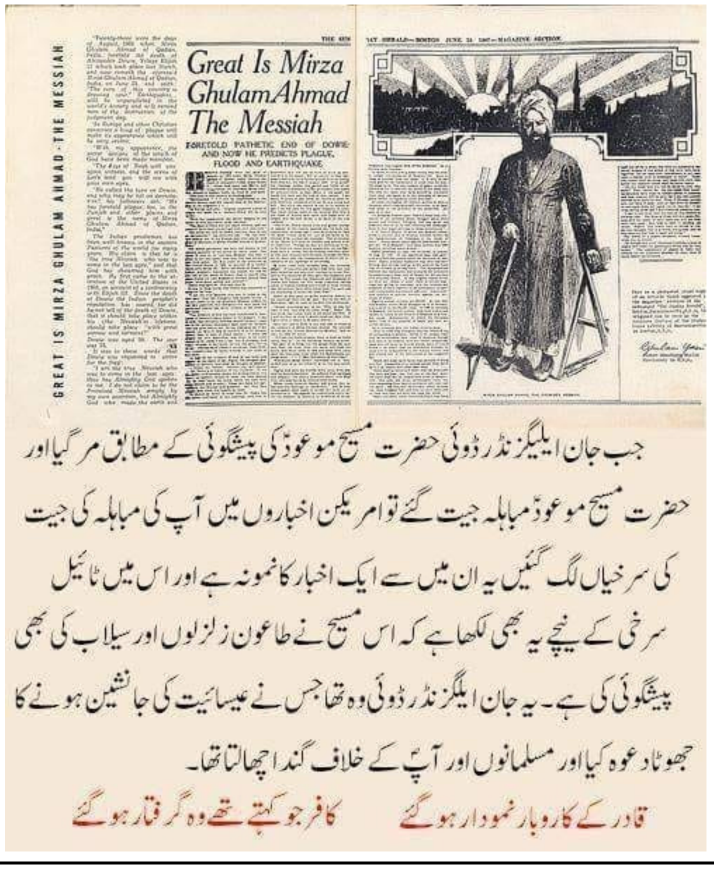
(زیرو پوائنٹ۔ ایکسپریس 14 جون 2012)

آپ نے مثال بہائی ازم کی دی ہے۔ بہاء اللہ کا دعویٰ جماعت احمدیہ کے قیام سے 26 سال پہلے سامنے آیا۔ آج بہائیت کہاں ہے اور احمدیت کہاں کھڑی ہے۔ اگر معاملہ صرف مارکٹائی کا ہوتا تو وہ عالمی سطح پر احمدیت سے آگے کھڑے ہوتے۔

اگر احمدیوں کے عقائد غیر منطقی اور کمزور ہیں تو مسئلہ آسان ہونا چاہئے تھا نہ کہ مشکل۔ گلی گلی مفت ختم نبوت کورسز پڑھانے والے ہزاروں علماء اور مدرسے قادیانیوں کے غیر منطقی عقائد سے خائف کیوں ہیں۔ خائف ہونے کا ثبوت یہ کہ بات دلیل سے نہیں کرتے مارکٹائی کی زبان بولتے ہیں۔ جبکہ تعلیم ''ان کے ساتھ احسن طریق پر مجادلہ کر'' کی پڑھتے ہیں۔ خدائی کے دعویدار فرعون سے تو نرم بات کرنے کا حکم کلیم اللہ کو ملا۔ لیکن یہ اکثریت مسئلہ نبوت پر نرم بات رد کر کے گولی کی زبان بولتے ہوئے بڑی خدائی کا دعویٰ کرنے پر مصر کیوں ہے۔؟ حالانکہ مسئلہ توحید بہرحال مسئلہ نبوت سے پہلے ہے۔

چلیں احمدی تو بدترین کافر ٹھرائے گئے ۔ان کا قصور تو بہت بڑا ہے ۔ان کے ساتھ نرم بات کرنے کے روادار نہیں ہونا چاہتے لیکن باقی فرقے ایک دوسرے کی جان کے دشمن کیوں ہیں ۔ پاکستان میں بیسیوں ایسی مساجد ہیں جن کے صدر دروازے پر یہ تحریر آویزاں ہے کہ یہ فلاں خاص فرقے کی مسجد ہے اس میں فلاں فلاں فرقے کے لوگ داخل نہیں ہو سکتے ۔ یہ آپ کا مغالطہ ہے کہ آج کے علماء تحریص ترغیب اور تبلیغ سے قائل کرنے کی کوشش کریں گے ۔کیونکہ ایسا کرنے سے مفادات پرزد پڑتی ہے ۔اگر حوصلہ ہو تو دل تھام کر دیکھ لیجئے کہ مشہور اہلحدیث عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب کے فرزند مولوی نورالحسن خاں صاحب کیا لکھتے ہیں:

’’یہ بڑے بڑے فقہیہ ، یہ بڑے بڑے مدرس ، یہ بڑے بڑے درویش ، جوڈ نکا دینداری ، خدا پرستی کا بجا رہے ہیں ردّ حق تائید باطل تقلید مذہب وتقید مشرب میں مخدومِ عوام کالانعام ہیں ۔ سچ پوچھو تو دراصل پیٹ کے بندے ، نفس کے مرید ، ابلیس کے شاگرد ہیں ۔ چندیں شکل از برائے اکل ان کی دوستی دشمنی ان کے باہم کارڈ و کد فقط اسی حسد و کینہ کے لئے ہے نہ خدا کے لئے نہ امام کے لئے نہ رسول کے لئے ۔علم میں مجتہد مجدد ہیں ۔لاکن حق ، باطل ، حلال ، حرام ، میں کچھ فرق نہیں کرتے ۔ غیبت ، سب وشتم ، خدیعت وزور ، کذب وفجور ، افتراء کو گویا صالحات باقیات سمجھ کر رات دن بذریعہ بیان وزبان ، خلق میں اشاعت فرماتے ہیں‘‘



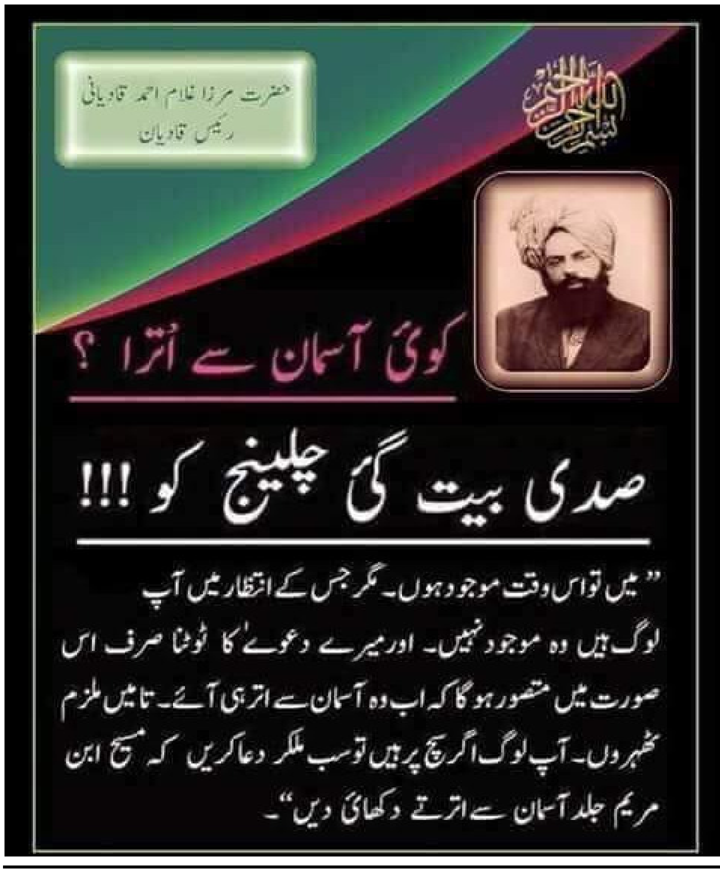
(اقتراب الساعۃ ۔ص ۸ مطبع سعید المطابع الکائنہ بنارس)

ہاں اگر ترغیب ، تحریص اور تبلیغ کرنا چاہیں تو احمدیوں کے امام تو پہلے ہی سے یہ صدا لگا رہے ہیں:

جو کر سکے کیا غیر ہمیں بنا نہ سکے ۔ہم اب بھی اپنے ہیں ، اپنا شمار کر دیکھو
بس اب نہ دور رکھو اپنے دل سے اہل وطن ۔ ہے تم سے پیار ہمیں ، اعتبار کر دیکھو
نحوستوں کا قلندر ہے پیر تسمہ پا ۔کسی دن اس کو گلے سے اتار کر دیکھو
نقاب اوڑھ رکھا ہے جو مولویت کا ۔اتار پھینکو اسے تار تار کر دیکھو
تمھارا چہرہ برا تو نہیں ، نہا دھو کر ۔کبھی تو حسن شرافت ، نکھار کر دیکھو

دنیا کے بہترین دماغوں میں شمار کیا جانے والا عاطف میاں کئی سال کی تحقیق اور مطالعہ کے بعد 2002 میں احمدی ہوا ۔کس لالچ ، کس آمریت اور نگرانی نے انہیں باندھ رکھا ہے ۔ان کا اپنا بیان ریکارڈ پر ہے شاید اسے بھی آپ جیسے صاحبانِ علم آمریت کی وجہ سے دیا گیا بیان کہیں گے ۔خدارا احمدیت کی مخالفت میں اتنا آگے نہ جائیں کہ زد کہیں اور جا پڑے ۔حضرت کعب بن مالک اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ کیے جانے والے مقاطعہ کو کوئی غیر مسلم آمریت کہے تو آپ کیا جواب ارشاد فرمائیں گے ۔افسوس آپ کا مبلغ العلم صرف اتنا ہی نکلا کہ بس احمدیوں پر تہمت لگا دیں نتائج بے شک کتنے ہی بھیانک کیوں نہ نکل رہے ہوں ۔

***





ہارون الرشید اور اظہار الحق صاحب کے عقلی گھوڑے اور پاکستانی ہولوکاسٹ

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ



کل میں نے دو ننگے سر، باریش، عمر رسیدہ بزرگوں کو عقل کے گھوڑوں پر سوار ننگی تلوار کے ساتھ حق کا خون کرتے اور پھر مثلہ کرتے دیکھا تو مجھے مشہور دیوبندی مولوی الیاس گھمن صاحب کا ایک بیان فرمودہ واقعہ یاد آ گیا۔ آپ سے کسی نے کہا کہ یہ ہمارے غیر مقلد وہابی بھائی ہیں ننگے سر پھرتے ہیں ان کے لئے دعا کریں کہ یہ ٹوپی پہننا شروع کر دیں آپ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مجھے ایک ساتھی نے کہا کہ دعا کریں کہ یہ دوست غیر مقلد ہیں سر پر ٹوپی پہنا کریں ننگے سر پھرتے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے لئے یہ دعا نہیں مانگتا۔ میں تو ان کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ اللہ ان کو عقل دے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ کیوں؟ میں نے کہا کہ دیکھو اگر کسی کے پاس پیسے ہوں تو وہ بٹوا رکھتا ہے ناں۔ پیسے ہی نہ ہوں تو وہ بٹوا رکھ کر کیا کرے گا؟ جب سر میں عقل ہی نہیں ہے تو اُس نے ٹوپی رکھ کر کیا کرنی ہے؟ عقل ہوگی تو حفاظت کے لئے ٹوپی بھی چاہیئے۔ اُس میں عقل ہی نہیں ہے اور آپ کہتے ہیں کہ وہ ٹوپی پہنتا پھرے بہر حال یہ تو ان دونوں بزرگوں کے ممدوح اور سکہ بند بہت بڑے مولوی صاحب کی مثال تھی جو سر راہ یاد آ گئی۔ ہم تو مولوی صاحب سے دست بستہ یہی عرض کریں گے کہ ہر ننگے سر والا بے عقل اور ہر گنجے سر والا عقل مند نہیں ہوتا۔ میں جب بھی ہارون الرشید صاحب کو بڑے تیقن کے ساتھ ٹی وی پر فرماتے سنتا کہ یہ عمران خان تو گھگو گھوڑا تھا میں ان کو پکڑ کر عارف وقت کی محفل میں لے گیا۔

اسی طرح سے ہمارے اظہار الحق صاحب نے جب مرنے کے بعد فرشتوں سے ترلہ کر کے واپس دنیا میں آنے والا قصہ لکھا تو بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیا اور سب آخرت اور دنیا فانی کو سوچ کر بلکنے لگ گئے۔ میں ان بزرگوں کی عظمت کو سلام کرتے نہ تھکتا تھا جس نے ایک کرکٹر کو پالش کر کے ریاست مدینہ والا وزیر اعظم بنا دیا وہ خود کتنا نگہہ بلند، کتنا متورع اور کتنا پارسا ہوگا بلکہ کوئی پارس ہوگا ۔ حیرت صد حیرت ہے کہ ہمسائے میں یورپ جو کہتا ہے کہ یہ آزادی ہے وہ آزادی ہے مادر پدر آزادی ہے مگر ہولوکاسٹ کا ذکر آتے ہیں آنکھوں کی لالی، الفاظ کا چناؤ اور چہرے کی اتار چڑھاؤ سب بدل جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سے ہم نے احمدیت کو پاکستان کا ہولوکاسٹ بنا دیا ہے۔ یونہی احمدیت کا ذکر آتا ہے تاریخ تحقیق اور تہذیب تینوں کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ وہ ہارون الرشید صاحب یا اظہار الحق صاحب جیسے قلم کار ہوں یا اقبالیات پر پی ایچ ڈی کرنے والے ڈاکٹر صاحبان ہوں۔ حامد میر صاحب جیسے اینکر ہوں یا ڈاکٹر صفدر محمود جیسے مئورخ سب ہی بڑی تسلی سے حقائق کو مسخ کرنا دینی فریضہ سمجھ کر ادا کرنے لگ جاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے 1910ء میں خطبہ علی گڑھ (اسٹریچی ہال) میں فرمایا تھا کہ ”جماعت احمدیہ اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ ہے“ مگر ضیاء الحق صاحب کے پاکستان میں 85ویں برسی کے موقعہ پر جب ”اقبالیات نمبر“ بڑی دھوم دھام سے شائع کیا گیا تو اس میں ایک پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر وحید عشرت صاحب نے اپنی مایہ ناز تحقیق یوں پیش کی: ”اقبال نے اس خطبہ (1910ء) میں قادیانیوں کے طرز عمل کی تعریف کی ہے اور بعد میں اس سے برأت کا اظہار فرمایا۔ اس خطبے کے وقت مرزا غلام احمد قادیانی نے قطعی اور حتمی طور پر دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا وہ خود کو مجدد مصلح اور مناظر اسلام کہتے تھے ایسے میں ان کے اور ان کی حمایت کے اسلامی کردار کی اقبال نے تعریف کی مگر جب مرزا صاحب نے کل پرزے نکالے اور نبوت کے دعوے شروع کئے تو اقبال ان اولین لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ان کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ تکفیر کی اور 1935ء میں انتخابات کے وقت انہیں اس لیے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔“ (اقبالیات جلد نمبر 28 جنوری مارچ 1988ء صفحہ 461) کوئی ان ڈاکٹر صاحب کو بتا دے کہ جناب آپ کی ڈگری سر آنکھوں پر مگر سرکار مرزا صاحب تو اس خطبے سے بھی دو سال قبل 1908 میں ہی فوت ہو چکے تھے یہ پرزے کہاں سے آ گئے۔ اور اسی ڈاکٹر صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہارون الرشید صاحب بھی اپنے 6 ستمبر 2018 کے کالم میں فرماتے ہیں کہ علامہ اقبال بہت تحمّل سے قادیانی تحریک کو دیکھتے رہے۔ انگریز کی وفاداری کا درس دینے لگے تو بات واضح ہوگئی۔ سرکار بانی جماعت تو 1908 میں دنیا سے رخصت ہو گئے تھے یہ 1935 تک کی خوش عقیدگی کے بعد آخر 1935 میں برات کیوں؟ کیوں نہیں بتاتے 1935 میں کیا حادثہ ہوا تھا؟ وائسرائے کے وعدے کے باوجود ایگزیکٹو کونسل میں سر فضل حسین کی ریٹائرمنٹ کے بعد چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب ایک احمدی کو سیٹ دے دی گئی۔ اسی لئے تو تاریخ اور حق کا مثلہ کہتا ہوں۔ اور جناب اظہار الحق صاحب فرماتے ہیں کہ علماء کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ باہر انہیں کتنے فنڈ زل رہے ہیں۔ اظہار صاحب کیوں نہیں اندازہ؟ اندازہ ہے بالکل ہے۔ ایک آپ ہی ہیں جو حقیقت کا خون کرنے پر تلے ہوئے ہیں ورنہ جماعت کے ان ابتدائی مخالفین کو

جماعت کی مالی قربانی کی طاقت کا پوری طرح اندازہ تھا۔

اظہار صاحب چلیں میں آپ کو اس زمانے میں لئے چلتا ہوں جب ابھی بقول سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن عبداللہ صاحب ڈالر جہاد شروع نہیں ہوا تھا اور بقول مولوی امیر حمزہ صاحب جتنے ڈالر امریکہ دیتا تھا اتنے ہی سعودی عرب بھی دیتا تھا وہ ڈالروں کی بوریاں ابھی مولوی اور اینکر حضرات کو ملنا نہیں شروع ہوئی تھیں اور بقول جاوید چوھدری صاحب ابھی ہم کرائے کے مجاہد نہیں بنے تھے جی ہاں اس دور کی بات بتاتا ہوں جب بقول ہارون الرشید صاحب اور اوریا مقبول جان صاحب ابھی مولوی فضل الرحمن صاحب چند ٹکوں کے لئے اپنے والد صاحب کی مخبریاں کیا کرتے تھے اور مولانا شاہ احمد نورانی صاحب مولانا ستار نیازی صاحب مرحوم کی موجودگی میں رشوت والے بیگ بانٹا کرتے تھے ہاں اس دور میں جماعت احمدیہ کو ڈالر کون دیتا تھا

1900...مولوی محمد حسین بٹالوی جنہوں نے سب سے پہلے نعرہ لگایا تھا کہ احمدیت کو میں نے بلند کیا اور میں ہی تباہ کروں گا۔اپنی زندگی کے آخر پر 1900 میں ان ڈالرز کی آمد یوں بتایا کرتے تھے ''مرزا کا یہ حال ہے کہ اول تو اس کا کام مفت ہوجاتا ہے اور اس کے مرید ہی وکیل و مختار ہوجاتے ہیں اور اگر اس کو چندہ کی ضرورت پڑے تو ایسے مواقع پر اس کے ہاں اس قدر چندہ کی بھر مار ہوجاتی ہے کہ گویا تجارتی سبیل نکل آتی ہے۔دس روپیہ کی ضرورت پیش آوے تو سو روپیہ جمع ہوجاتے ہیں۔اہل حدیث اس کے مقابل میں کھڑے ہوں تو پہلے معقول چندہ جمع کرلیں۔یہی امر اب تک مانع نالش رہا ہے ورنہ اہل حدیث کبھی کے نالش کردیتے''۔(اشاعة السنة نمبر 4 جلد 2 صفحہ 110)

1926...پھر مولانا ظفر علی خان یقینا ہارون الرشید اور اظہار الحق صاحب آپ سے زیادہ معتبر نام۔انہوں نے بھی ان فنڈز پر بات کی اور روزنامہ زمیندار 2 دسمبر 1926ء کی اشاعت میں ''گھر بیٹھ کر احمدیوں کو برا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان میں اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔کیا ندوۃ العلماء، دیوبند فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بھی تبلیغ واشاعت حق کی سعادت میں حصہ لیں''

1947 میں انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا تجزیہ یوں تھا ''جماعت احمدیہ کا ایک وسیع تبلیغی نظام ہے۔نہ صرف ہندوستان میں بلکہ مغربی افریقہ ماریشس اور جاوا میں بھی اس کے علاوہ برلن شکاگو اور لندن میں بھی اس کے تبلیغی مشن قائم ہیں ان کے مبلغین نے خاص کوشش کی ہے کہ یورپ کے لوگ اسلام قبول کریں اور اس میں انہیں معتدبہ کامیابی بھی ہوئی ہے۔ان کے لٹریچر میں اسلام کو اس شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ جو تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے باعث کشش ہے۔اس طریق پر نہ صرف غیر مسلم ہی ان کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں بلکہ ان مسلمانوں کے لیے بھی یہ تعلیمات کشش کا باعث ہیں جو مذہب سے بیگانہ ہیں یا عقلیات کی رو میں بہہ گئے ہیں ان کے مبلغین ان کے حملوں کا دفاع بھی کرتے ہیں جو عیسائی مناظرین نے اسلامی پر کئے''

(مطبوعہ 1947ء جلد 12 صفحہ 711۔712)

1956...مولوی عبدالرحیم صاحب جماعت احمدیہ کے چوٹی کے مخالفین میں شمار ہوتے تھے آپ نے 1953 کے ہنگاموں کے بعد یہ تجزیہ دیا ''ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت، خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین دہلوی (وفات 1902ء) مولانا انور شاہد یوبندی (وفات 1932ء) مولانا قاضی سید سلمان منصور پوری (وفات 1930ء) مولانا محمد حسین بٹالوی (وفات 1920ء) مولانا عبد الجبار غزنوی (وفات 1913ء) مولانا ثناء اللہ امرتسری (وفات 1948ء) اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفرلہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر ورسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہونگے۔لیکن اس کے باوجود ہم اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنس دان ربوہ آتے ہیں (گزشتہ ہفتے روس اور امریکہ کے دو سائنس دان ربوہ وارد ہوئے) اور دوسری جانب 1953ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا 57۔1956ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔1953 کے وسیع ترین فسادات کے بعد جن لوگوں کو یہ وہم لاحق ہوگیا ہے قادیانیت ختم ہوگئی ہے یا اس کی ترقی رک گئی انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ بلدیاتی اداروں میں بلکہ (بعض اطلاعات کی بناء پر) مغربی پاکستان اسمبلی میں قادیانی ممبر منتخب کئے گئے ہیں۔(المنیر 23 فروری 1956ء صفحہ 10)

1998...ایڈیٹر کے اس اعتراف کے ٹھیک 32 سال بعد المنیر کے ہی سب ایڈیٹر امتیاز بلوچ صاحب بدلے حالات میں جماعت احمدیہ کی بدلی ہوئی تصویر کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں۔' آج میں عمر کی تیس بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ایسے ادارے کے ساتھ وابستہ ہوں جس کے بانی نے تمام عمر قادیانیت کے خلاف لڑنے میں گزاری

ہے میری مراد مولانا عبدالرحیم اشرف ہے اس ادارے میں مجھے ردّ قادیانیت پر بہت سی کتابیں پڑھنے اور علماء کی مجالس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں اب جا کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قادیانی ایک فرقہ ہی نہیں ایک منظم تحریک ہے۔ یہ تحریک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمہ تن مصروف عمل ہے ان کا جال قادیان ربوہ سے لے کر برطانیہ اور کئی دوسرے ممالک تک پھیل چکا ہے۔ اور ہر قادیانی تن من دھن سے اپنی تحریک کی خاطر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ ڈش انٹینا کی مدد سے قادیانی کی تبلیغ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ رہی ہے۔ گھر تو گھر انہوں نے ڈش انٹینا ان چار دیواریوں میں بھی نصب کر رکھے ہیں جنہیں یہ مساجد کا نام دیتے ہیں۔ قادیانی اور ان کی تحریک کبھی نہ پھولتی پھلتی اگر ہم مسلمانوں میں دینی شعور موجود ہوتا۔ ہماری کم علمی دین سے عملاً بیگانگی کا ان لوگوں نے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے''۔

(ہفت روزہ الاعتصام اگست 1998ء)

اگر اس کو چندہ کی ضرورت پڑے تو ایسے مواقع پر اس کے ہاں اس قدر چندہ کی بھر مار ہو جاتی ہے... دوسری جانب 1953ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا 57-1956ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو... یہ تحریک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمہ تن مصروف عمل ہے۔ اور ہر قادیانی تن من دھن سے اپنی تحریک کی خاطر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اظہار صاحب یہ کسی احمدی کے الفاظ نہیں ہیں یہ اُن علماء کے جذبات ہیں جو آپ سے علم میں بہت آگے تھے اور جنہیں آپ یہ کہہ کر بد اخلاق ثابت کر رہے ہیں کہ سختی مار دھاڑ چیخ پکار اور لعن طعن کرتے رہے... شور غوغا اور حکمت و تدبر کی شدید کمی تھی۔۔ بلیک میلر تھے۔ صاحب چلے تھے آپ احمدیوں کو واپس لانے اور اپنے ہی اکابرین کو اخلاق کے دائرہ سے باہر کر دیا یہ کیا دانش ہے۔ پھر آپ کسی احمدی سے ملے نہیں، پڑھا نہیں، ہمسائے میں نہیں رہے پھر کہاں سے یہ اندازہ نکال لیا کہ قادیانیوں کی نئی نسل اپنے عقائد پر سوال پوچھتی ہے ان نوجوان قادیانیوں کو یہ بتایا ہی نہیں جاتا کہ عقائد کیا ہیں۔ پھر یہ ارشاد کہ قادیانی ایک بند فرقہ ہے جس کا باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ شائد الیاس گھمن صاحب نے اسی وجہ سے ننگے سر والوں کے لئے عقل کی دعا کی تھی۔ سنیں میری نہ مانیں یہ 1958 میں سے ایک جماعت احمدیہ کے بڑے مخالف کا تجزیہ سناتا ہوں مگر یاد رہے یہ ڈالر جہاد سے پہلے اور لفافہ جرنلزم اور ریٹنگ کے دور سے بہت پہلے کی بات ہے' پاکستان اور بھارت میں بیسوں فرقے موجود ہیں جن کو نام سے غرض ہے کام سے کوئی واسطہ نہیں بحث و تمحیص میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں لیکن عمل مفقود حالانکہ صرف عمل کر کے دکھلانا ہی اسلام کی خوبی ہے ورنہ مسلمان کا ہر دعوی عاشق ایک مجذوب کی بڑ سے کم نہیں۔ قطع نظر عقائد کے عملی طور پر مرزائی (احمدی) فرقہ باقی تمام فرقوں سے تین باتوں میں فوقیت رکھتا ہے۔

1۔ اسلامی مساوات ان میں اونچ نیچ شریف رذیل ادنی و اعلی کی تمیز کم ہے سب کی عزت کرتے ہیں۔ 2 بیت المال کا قیام... یہ ایک با قاعدہ شعبہ ہے جس میں ہر مرزائی (احمدی ناقل) کو اپنی ماہوار آمداً کا 1/10 لازماً دینا پڑتا ہے صدقات۔ خیرات۔ فطرانہ۔ وغیرہ سب جمع کر کے یہ رقم صدقات جاریہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ 3۔ تبلیغ اسلام .... یہ فخر صرف اسی فرقہ کو حاصل ہے کہ سنی شعیہ۔ وہابی دیو بندی۔ چکڑالوی فرقہ کے لوگوں سے تعداد میں کم ہوتے ہوئے پھر بھی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کر کے اپنے بل پر تبلیغی مشن غیر اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں اور خدا اور رسول (ﷺ) کا پیغام غیر مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔ ہمارے دیس میں بڑے بڑے امیر لوگ موجود ہیں اور فلاحی انجمنیں قائم ہیں مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور جو لاکھوں روپیہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے لیکن کوئی اللہ کا بندہ یا انجمن اس طرف توجہ نہیں دے رہی۔

(ماہنامہ جدوجہد لاہور جولائی 1958)

آپ نے مولانا زاہد الراشدی صاحب کو بھی اپنا گواہ بنایا ہے تو ان سے بھی سنیں وہ اپنے دکھ کا رونا کیسے روتے ہیں آپ نے روزنامہ اوصاف 19 اگست 99ء کی اشاعت میں زیر عنوان ''برطانیہ کی ختم نبوت کانفرنسیں'' ایک تفصیلی مضمون لکھا۔ فرماتے ہیں ''ان کانفرنسوں میں روئے سخن زیادہ تر قادیانیوں کی طرف ہوتا ہے۔ اور علماء کرام روایتی جوش و خروش کے ساتھ قادیانیوں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اگلے سال تک کے لیے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا فریضہ ادا کر دیا ہے ان ختم نبوت کانفرنسوں میں ہونے والی گفتگو کا مواد اور انداز بھی وہی روایتی یعنی موچی دروازے اور لیاقت باغ والا ہوتا ہے۔ جس سے پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش سے آ کر آباد ہونے والے پرانے حضرات کا ٹھرک تو پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں پیدا ہونے والے اور پروان چڑھنے والے نوجوانوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا اس لیے ان اجتماعات میں نوجوانوں کی شرکت کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے''۔ آگے چل کر تاسف سے یہ اعتراف بھی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں: ''یہ المیہ کم وبیش ہر کانفرنس میں شریک ہونے والے نوجوانوں کا ہے اور اب تو ان کانفرنسوں کے منتظمین کے اجلاسوں میں دبے لفظوں یہ بات زیر بحث آنے لگی ہے کہ ان کانفرنسوں کے آخر فائدہ کیا ہے؟''۔ تو اظہار صاحب فرضی معلومات، فرضی فتح، فرضی تسلیاں۔

آپ اور آپ کی قبیل کے بہت سے دانشور لوگ فرضی گھوڑوں پر بیٹھ کر فرضی ہولو کاسٹ کی چوکیداری کا ٹھرک پورا کر رہے ہیں اس کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ چوہدری سر ظفر اللہ خان، ڈاکٹر عبدالسلام اور عاطف میاں جیسے قابل دماغ جماعت احمدیہ کا حصہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ ***

احمدیوں پر لکھا جانے والا آخری مضمون



حاشر ابن ارشاد

یہ بات تین دہائیوں سے زیادہ پرانی ہے۔ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا ہے پر پل کے دو کنارے اور دور ہو گئے ہیں۔ موسم زیادہ بے رحم ہو گیا ہے اور سوچ، برداشت اور رواداری کے سارے پرندے روٹھ کر کسی اور دیس کی جھیلوں کو مراجعت کر گئے ہیں۔ پر سنیئے کہ یہ قصہ اب بھی آج ہی کا ہے۔

ساتویں جماعت میں ہمیں معاشرتی علوم پڑھایا کرتے تھے جناب شبیر گوندل۔ چھ فٹ سے نکلتا قد تھا۔ چہرے پر ایک مسلسل خشونت رہتی تھی۔ مطالعہ پاکستان کے سرکاری بیانیے کے پکے مقلد تھے اور اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے کا خبط رکھتے تھے۔ بچے انہیں اور وہ بچوں کو کوئی خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دن پڑھاتے پڑھاتے نجانے کس پینک میں بات ختم نبوت اور قادیانیت کی طرف چل نکلی۔

ان دنوں احمدی یا لاہوری کا لفظ کم سننے کو ملتا تھا اور قادیانی کا لفظ عام شخص اسی نفرت انگیز لہجے میں استعمال کرتا تھا جیسا کہ آج کا عام آدمی۔ زہر زمین میں بہت نیچے تک بہت پہلے اتر گیا تھا اور ہر گھونٹ میں یہی زہر پینے اور پھر چھلکانے کی عادت مستحکم ہو چلی تھی۔ بات چل نکلی تو کمال فخر سے انہوں نے وسطی پنجاب کے اپنے ایک گاؤں کا قصہ چھیڑ دیا۔

بتایا کہ گاؤں کے ایک کونے پر ایک قادیانی خاندان آباد تھا۔ بڑا عرصہ گاؤں نے ان کا وجود برداشت کیا پھر ایک دن جمعے کی نماز کے ایمان افروز خطبے کے بعد گاؤں کے نوجوانوں کی غیرت بالآخر جاگ گئی اور وہ ادھر مسجد سے نکلے ادھر اپنے عقیدے کی بقا کی خاطر اس گھر کی جانب چل پڑے۔ گھر کے دروازے توڑ کر تین یا چار مکینوں کو باہر نکالا۔ پہلے لاتوں، ڈنڈوں اور گھونسوں سے ان کی تواضع کی گئی پھر اسی گھر کے اندر انہیں باندھ کر گھر کو آگ لگا دی گئی۔ ادھر ان کے جسم راکھ ہوئے ادھر گاؤں نعرہ تکبیر سے گونج اٹھا۔

قصہ ختم ہوا تو انہوں نے داد طلب نظروں سے طالب علموں کی طرف دیکھا۔ اوروں کا تو یاد نہیں لیکن میرے سارے قریبی دوستوں کے منہ کھلے ہوئے تھے اور کان اب تک بے یقین تھے۔ ہم میں سے اکثریت راسخ العقیدہ مسلمان گھروں سے تھی پر گھر میں کبھی کسی نے بربریت اور نفرت کا ایسا پاٹھ نہیں پڑھایا تھا۔ ہم یہی جانتے تھے کہ انسان کی جان کا احترام ہر حال میں مقدم ہے اور عقیدہ ذات کے ساتھ جڑا ہے، اس پر حد جاری نہیں ہوتی، منصفی نہیں کی جاتی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ہم پانچ چھ دوست یہ پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ کسی کی جان لینے کا اختیار گوندل صاحب اور ان کے رفقا کر کیونکر ملا۔ ابھی معلومات خام تھیں۔ ذہن نہ کشادہ ہوا تھا نہ ہی بند تھا۔ عقیدے سے متعلق بہت بنیادی باتوں کے علاوہ کچھ خاص پتہ نہیں تھا پر پھر بھی بحث چھڑی تو کچھ ہی دیر میں شبیر گوندل صاحب کے پاس پاؤں پاؤں، غوں غوں اور "ابھی تم بچے ہو" کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تھی۔

جماعت ختم ہوئی تو ان کے چہرے کی خشونت پہلے سے سوا تھی اور ہماری حیرت تاسف کے نئے در کھولتی تھی۔ چند دن گزرے تو ساتھ بیٹھنے والے ایک دوست شکیل نے ہمت کر کے بتایا کہ وہ بھی قادیانی ہے لیکن ساتھ ساتھ اس نے وعدہ لے لیا کہ میں کسی کو بتاؤں گا نہیں کہ اس کا عقیدہ کیا ہے۔ جس سکول میں ایک استاد سرعام قادیانیوں کے اجتماعی قتل کا اعتراف فخر کے ساتھ کرتا تھا وہاں میں کیونکر ہمت کرتا کہ کسی کو بتا پاتا کہ شکیل بھی اسی طبقے کا فرد ہے جسے کچلنا، روندنا اور مارنا گویا ایمان کا چھٹا رکن سمجھا جا رہا ہے۔

دو روز پہلے اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ بیٹی ایک اچھی خاصی لبرل کہلائی جانے والی یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ باتوں باتوں میں اس کی ایک دوست کا ذکر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ بچی احمدی ہے۔ بیٹی کی آواز میں وہی تاسف اور حیرانی تھی جو میں نے پینتیس سال پہلے اپنے دوستوں کی آنکھوں میں دیکھی تھی، جب اس نے بتایا کہ یونیورسٹی میں اس کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ کہ وہ احمدی ہے اور اس نے سختی سے میری بیٹی کو بھی یہی کہا ہے کہ یہ بات کسی کو پتہ نہیں لگنی چاہیے ورنہ اسے یونیورسٹی اسی طرح چھوڑنی پڑے گی جیسے اسے اپنا سکول چھوڑنا پڑا تھا کہ ساتھیوں اور استادوں کے نفرت انگیز جملے اور رویے اس کی روح کو زخم کرتے تھے اور روز کرتے تھے۔

پینتیس سال میں عدم برداشت اور نفرت کا درخت بہت قدآور ہو گیا ہے۔
اس پر آئے برگ وبار سے پوری قوم فیض یاب ہوئی ہے اور زندگی ایک طبقے پر کیسے تنگ کی جاتی ہے، یہ قرینہ ہم سب نے سیکھ لیا ہے اور یہ سب ہم نے اس مذہب کے نام پر سیکھا ہے جس کا مطلب ہم دنیا کو امن بتاتے ہیں، سلامتی بتاتے ہیں۔

مجھے اب اس بات کا کامل یقین ہو چلا ہے کہ اس ملک میں مذہب کو ہی ایندھن اور مذہب ہی کو چنگاری کے طور پر استعمال کرنے والا چلن ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ہم بضد ہیں کہ تاریخ سے کچھ نہیں سیکھیں گے اور اپنی غلطیاں اور اپنی حماقتیں خود کریں گے۔ لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

یہ قیمت آج احمدیوں کے خون اور آبرو سے چکائی جارہی ہے۔ کل یہی آگ اہل تشیع کا دامن پکڑے گی، اہل حدیث اپنی باری پر سر بازار رسوا ہوں گے۔ بریلوی اور دیوبندی کس طرح سینگ لڑائیں گے، یہ اس کے بعد کا منظر نامہ ہے۔ ایک ایک کر کے عقیدے کے نام پر انسانیت کو بحیرہ عرب میں مکمل طور پر غرق کر دیا جائے گا۔ پھر شاید اس راکھ سے کوئی ققنس جنم لے اور ہم کبھی مستقبل بعید میں ماضی کے پچھتاووں پر کتابیں پڑھتے نظر آئیں۔ آثار واضح ہیں اور کھلی نشانیاں ہیں اس میں ان لوگوں کے لیے جو سمجھنا چاہتے ہیں۔

عیسائیت ڈیڑھ ہزار سال تک کیتھولک چرچ کی ملکیت تھی۔ پاپائے روم زمین پر خدا کا نائب تھا اور مذہب کی رو سے ہر فیصلے کا مجاز۔ یاد رہے کہ اسلام میں پاپائیت کا تصور نہیں ہے۔ زمین پر خدا کا کوئی نائب نہیں ہے اور صحیفہ آسمانی میں خدائی فیصلے کا اختیار کسی پیشوا کو سونپنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہ بنیادی فرق سمجھ لیجیے تو پوری بات سمجھنا زیادہ آسان ہو جائے گا لیکن اس صورت میں اگر آپ سمجھنا چاہیں تو۔ میری کوشش ہوگی کہ بات سادہ ترین رکھی جائے اور مقصد عقائد پر بحث چھیڑنا یا عقائد کو سمجھنا نہیں ہے بلکہ عقائد کے تصادم کے تاریخی جائزے اور اس کے نتائج وعواقب کو سامنے رکھنا ہے۔

عیسائیت میں ڈیڑھ ہزار سال کے کیتھولک چرچ کے مکمل اقتدار کے بعد پیٹر والڈو، جان وائکلف اور مارٹن لوتھر جیسی طاقتور آوازیں اٹھنا شروع ہوئیں۔ ادھر انگلستان میں ہنری ہشتم جب کلیسا کو اپنی شادی کی منسوخی پر قائل کرنے میں ناکام رہا تو اس نے اپنا نیا چرچ آف انگلینڈ قائم کر ڈالا۔ پروٹسٹنٹ اصلاحات اس وقت کے مروجہ عیسائی مذہب سے شدید متصادم تھیں۔ انہوں نے نہ صرف پاپائیت کا انکار کیا جو کہ کیتھولک چرچ اور عیسائی مذہب کی بنیاد تھا بلکہ ان تمام اختیارات کو بھی مسترد کر دیا جو کیتھولک چرچ کے بقول انہیں براہ راست خدا اور حضرت عیسی نے ودیعت کیے تھے۔

پروٹسٹنٹ پھر آگے مزید گروہوں میں بٹے جیسا کہ پریسبیٹیرین، لوتھرن اور بپٹسٹ۔ لیکن ان تمام گروہوں کا تصور مذہب کیتھولک چرچ سے مکمل طور پر متصادم تھا۔ چونکہ پوپ خدا کے زمین پر نمائندے کی حیثیت سے تقریبا خدائی اختیارات کا حامل تھا اس لیے اس نے ان گروہوں کو کافر قرار دے ڈالا۔ ادھر انگلستان میں یہی سلوک کیتھولک کے اپنے ساتھ ہونا شروع ہوا۔ اس کے بعد دہائیوں کی نہیں بلکہ صدیوں کی ایک متشدد تاریخ ہے۔

کیتھولک چرچ نے کافر قرار پانے والے گروہوں کے لیے سخت ترین سزائیں تجویز کیں۔ لوگوں کو زندہ جلایا گیا۔ پھانسی پر چڑھایا گیا۔ ان کے حقوق سلب کر لیے گئے۔ ان کے گھر چھین لیے گئے۔ لیکن جب گرد بیٹھ گئی تو یہ سارے گروہ جو باقاعدہ خدائی اختیار کے تحت کافر اور مرتد قرار پائے تھے، عیسائی ہی کہلائے گئے۔ آج دنیا میں نوے کروڑ پروٹسٹنٹس ہیں۔ ان کے اندر پھر فرقہ در فرقہ تقسیم ہے پر سب عیسائی کہلاتے ہیں۔ کیتھولک چرچ بھی انہیں غیر عیسائی نہیں کہتا۔

اس کے بہت بعد تشکیل پانے والے فرقے جیسا کہ یہواہ گواہ، مورمن اور حتی کہ سائنٹالوجسٹ کو بھی کوئی غیر عیسائی نہیں گردانتا۔ عیسائیت کے صدیوں کے پر تشدد آلام اور ہزاروں جانوں کے ضیاع کے بعد اس نظریے پر اتفاق کر لیا ہے کہ جو اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے اسے غیر عیسائی گرداننے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ سخت گیر کیتھولک اب بھی پروٹسٹنٹس کو کافر سمجھتے ہوں لیکن وہ کبھی اس سوچ کو قانون میں بدلنے کے حق میں بات نہیں کرتے۔ یہ سبق انہوں نے سیکھ لیا ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر قانونی تقسیم یا مذہبی تقسیم جس سے کسی گروہ کے مفادات پر ضرب پڑے، کسی بھی طرح معاشرتی ارتقاء میں معاون ثابت نہیں ہوتی۔

اب آجایئے اسلام کی جانب۔ اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک بے شمار فرقے بنے۔ ان پر وقتاً فوقتاً دور ملوکیت میں کفر یا ارتداد کے فتوے بھی جاری ہوئے۔ سرکاری طور پر انہیں کافر بھی ٹھہرایا گیا حالانکہ عیسائیت کے برعکس اسلام میں یہ اختیار زمین پر موجود کسی انسان یا ادارے کو تفویض ہونے کے حق میں ایک بھی نص موجود نہیں ہے۔ خوارج کو تہ تیغ کیا گیا پر تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ وہ سب سے زیادہ پابند شرع مسلمان تھے۔ اہل تشیع، نزاری یا قرامطیہ بلکہ اسماعیلیوں کی اکثریت بھی ریاستی جبر کا شکار رہی۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے اور یہاں اس کا محل نہیں

ہے لیکن یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام کے ان گنت فرقوں میں بہت بنیادی نظریات پر شدید اختلاف موجود ہے۔

ایک گروہ نبوت کی واحد نشانی وحی گردانتا ہے تو وہیں کتنے ہی گروہ ہیں جو اپنے اپنے امام پر ہونے والے کشف کو وحی سے کم نہیں سمجھتے۔ ایک گروہ امامت کا قائل ہے۔ ایک گروہ مہدی کا منتظر ہے۔ ایک گروہ امام کو غائب کہتا ہے دوسرا اسے موجود سمجھتا ہے اور یہ گروہ امام کو مذہبی پیشوا اور نائب اللہ فی الارض کا ایسا درجہ دیتے ہیں جس کی کوئی قطعی دلیل دوسرے گروہوں کے نزدیک صحیفہ آسمانی سے ڈھونڈنا مشکل ہے۔ پر یہ بھی سچ ہے کہ یہ سارے گروہ ایک ہی ماخذ کو درست مان کر اس سے مختلف تشریحات اخذ کرتے ہیں لیکن یہاں سوال ان عقائد کی جانچ کا ہے ہی نہیں۔ ایک ہی گھر میں ایک ہی مذہبی گروہ سے تعلق رکھنے والے دو سگے بھائی بھی مذہب کی تشریح اپنے اپنے انداز میں کرتے ہیں، تو پورے پورے مکتبہ فکر کا موازنہ کیونکر کیا جائے۔

ختم نبوت کا نظریہ کیا ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ تشریعی نبی یا غیر تشریعی نبی میں کیا فرق روا رکھنا ممکن ہے۔ مسیح موعود اور مہدی کی تعریف کون کیسے کرے گا۔ یہ سب علمی مباحث ہیں اور ان کا دفتر کھلا رکھنے میں اس وقت تک کوئی ہرج نہیں جب تک یہ فتوے اور فیصلے کی حدود میں داخل نہیں ہو جاتیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ ایک مثال سے بات واضح کر سکوں۔

فرض کیجیے میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت ایمان کی اساس ہے۔ فرض کیجیے ایک احمدی بھی یہی کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ احمدی اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ بالکل، لیکن مہدی پر تو آپ بھی یقین رکھتے ہیں اور میں بھی۔ تو ہمارا مہدی آ گیا ہے۔ آپ ابھی منتظر ہیں۔ میں کہتا ہوں آپ اسے نبی نہیں کہہ سکتے تو وہ لغوی معنی سامنے رکھ کر کہتا ہے کہ شریعت محمدی کے تابع ایک مہدی غیر تشریعی نبی کیوں نہیں ہو سکتا۔ ہم اسی طرح سینگ الجھائے بحث کے در کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ میری تشریح غلط ہے، میرا نظریہ یہ ہے کہ اس کی تشریح غلط ہے۔ کرتے کرتے بات اس نہج پر آ جاتی ہے کہ میں اسے کافر کہہ بیٹھتا ہوں اور وہ مجھے کافر کہہ بیٹھتا ہے۔ اب کیا کریں۔

آئینی موشگافیوں کو فی الحال ایک طرف رکھ دیجیے کہ اس پر بات ابھی کرنی ہے پر عمومی حالات میں ہر فرقے کے سخت گیر اور متشدد عالم، خطیب اور ذاکر باقی تمام فرقوں کو گمراہ، کافر اور قابل گردن زنی ٹھہراتے ہیں۔ میں نویں جماعت میں تھا جب میرے ایک ہم جماعت حافظ عبدالروف کی مفت افطار کی دعوت کے لالچ میں ہم دوستوں کا ایک گروہ اچھرہ لاہور کی ایک مسجد میں لے جایا گیا، جہاں میں نے پہلی دفعہ ''شیعہ بدترین کافر ہے'' کے پوسٹر مسجد کی دیواروں پر دیکھے۔ سپاہ صحابہ کے امیر کی تقریر سنی جس میں انہوں نے ریاست سے شیعہ کو کافر قرار دینے اور حاضرین سے شیعہ کی گردن اتارنے کی اپیل کی۔

مجھ سے تقریر پوری نہیں سنی گئی اور میں افطار کیے بغیر ہی لوٹ آیا اور حافظ صاحب سے دور دور رہنے کو شعار بنا لیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ایک شیعہ دوست کے ساتھ ایک مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں ذاکر صاحب نے وہی کافر اور قابل گردن زنی والی باتیں سنیوں بالخصوص دیوبندیوں کے خلاف کیں۔ ایک دفعہ پھر میں وہاں سے فرار ہوا کہ اتنی نفرت میں مجھے سانس لینا ہمیشہ مشکل رہا ہے۔

کہیے تو دیوبندی مکتبہ ہائے فکر کے وہ فتاوی سامنے رکھ دیں جس میں کئی دوسرے فرقے کافر ہیں۔ احمد رضا خان بریلوی نے بھی واشگاف الفاظ میں کافر بنائے۔ یہی کام ہر مذہبی طبقے نے دوسرے کے بارے میں کیا۔ لیکن کافر بنانے والا کافر کہتا ہے اور بننے والا کافر مانتا نہیں ہے۔ اب فیصلہ کیسے ہو، کون کرے۔ یہی نکتہ ہے۔ اسے سنبھال کر رکھیے۔ ابھی اس کو پرت در پرت کھولتے ہیں۔ کوثر نیازی نے اپوزیشن سے مذاکرات کے دوران یہ بات جانی اور پھر لکھی بھی کہ نظام مصطفے کی علم بردار جماعتوں کے سربراہان ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے روادار نہیں تھے۔

کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے ایک بریلوی اکثریت والے گاؤں میں کچھ لوگ ایک دیوبندی کا جنازہ پڑھنے کا گناہ کر بیٹھے تو نزدیکی دارالافتاء نے ان کے نکاح منسوخ کر دیے۔ سب کو تجدید نکاح کرنا پڑی۔ یہ رویہ ہمارے یہاں عام ہے۔ اور اس رویے کی تہہ میں نظریاتی اور فقہی اختلافات کا ایک انبار ہے۔ یہ کہنا یا سمجھنا کہ یہ فروعی اختلاف ہیں، محض خوش گمانی ہے۔ فروعی اختلاف ہوتے تو ملک میں پچھلے ستر سال میں ہزاروں افراد فرقہ وارانہ فسادات اور ٹارگٹ کلنگ کا شکار نہ ہوتے۔ یاد رہے کہ اس ضمن میں صرف احمدیوں کا نہیں، ہر فرقے کا خون ارزاں ہوا ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ احمدی اپنے آپ کو اسی طرح غیر مسلم کہیں اور سمجھیں جیسا کہ ملک میں موجود باقی اقلیتیں سمجھتی ہیں، اپنی اصل میں ہی غیر منطقی ہے۔ ملک میں بچ جانے والے سکھ، ہندو، عیسائی یا پارسی کسی آئینی ترمیم کے تحت سکھ، ہندو، عیسائی یا پارسی نہیں کہلاتے۔ اس کے لیے کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ جو خود کو ہندو کہتا ہے سو وہ ہندو ہے۔ جو عیسائی کہتا ہے سو وہ عیسائی ہے۔ یہ تمام اقلیتیں ہمیشہ سے یہی

شناخت رکھتی ہیں۔ انہوں نے کبھی ایک دن کے لیے بھی اپنے آپ کو اس مذہبی شناخت سے الگ نہیں کیا جو پیدائش یا اختیار کے ذریعے ان کو ودیعت ہوئی۔ ان کے لیے یا ہمارے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دوسری جانب احمدی ہیں جو ایک صدی سے زائد مسلمانوں کا ایک فرقہ تھے پھر اچانک پارلیمان نے یہ فیصلہ کیا کہ آج سے وہ فرقہ نہیں، الگ مذہب ہیں۔

دنیا میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ جمہوری پارلیمان نے عقیدے کا فیصلہ کیا ہو۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں پاپائے روم ایسے فیصلے کرتے تھے۔ ہمارے بادشاہوں نے بھی ایسے فیصلے کیے پر یہ مطلق العنان آمریت کے فیصلے تھے۔ جمہوری پارلیمان اپنے اختیارات ایک عمرانی معاہدے سے لیتی ہے اور اس میں عقیدے کے تعین کی گنجائش نہیں ہے۔

کیتھولک چرچ کے کفر کے سارے فیصلے آج تاریخ کے کوڑے دان میں پڑے ہیں۔ مورمن، بیپٹسٹ، لوتھرن سب عیسائی کہلاتے ہیں۔ روسی روایتی چرچ ہو، یونانی چرچ ہو یا کلیسائے انگلستان، سب کے فقہی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی کسی دوسرے کو غیر عیسائی نہیں سمجھتا حالانکہ کلیسا کا سربراہ مذہبی لحاظ سے عقیدے کو پرکھنے کا مجاز ہے۔ اسلام میں ایسی گنجائش اور ایسا اختیار کسی پیشوا کے پاس نہیں ہے چہ جائیکہ مغربی روایات پر استوار ایک جمہوری پارلیمان ایسا اختیار استعمال کرے۔

اس ضمن میں کئی دفعہ مسیلمہ کذاب کی مثال دی جاتی ہے۔ لیکن اس مثال کا اطلاق احمدی فرقے پر کرنا ممکن نہیں ہے۔ مسیلمہ کا بنیادی مسئلہ سیاسی تھا۔ وہ ایک مسلمان نبی کے طور پر سامنے نہیں آیا تھا بلکہ اس کا دعویٰ اپنی علیحدہ نبوت کا تھا اور ظاہر ہے اس کا مطلب اس زمانے کی ابھرتی ہوئی عرب قومی ریاست کا انکار اور اس سے بغاوت تھی کہ اس کی بنیاد اس بات پر تھی کہ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ختم ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسیلمہ کے ماننے والے زکوۃ کے بھی منکر ٹھہرے۔ یہ ایک باقاعدہ بغاوت کی شکل تھی کوئی فقہی یا نظریاتی مسئلہ نہیں تھا۔ اور بغاوت کو اسی طرح کچلا گیا جیسا کہ اس زمانے کا رواج تھا۔

ہاں احمدیت کو ان تحریکوں سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جہاں مذہبی تشریح کے مطابق مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے مہدویت یا امامت کا دعویٰ پیش کیا۔ ان میں سے کچھ کے ماننے والے اب بھی دائرہ اسلام میں موجود ہیں۔ خاتم پر زیر ہے یا زبر ہے، نبی تشریعی ہے یا غیر تشریعی۔ مہدویت یا مسیح موعود سے کیا مراد ہے۔ ان موجود اشکالات سے استدلال کر کے ایک فقہی اختلاف برپا کیا گیا جس کے بارے میں آپ اور ہم مختلف رائے رکھنے میں آزاد ہیں لیکن یہ ریاست سے بغاوت کی کوئی شکل کسی صورت نہیں ہے۔

صوفیاء کا ایک بڑا گروہ اور ہماری ایک بڑی اور طاقتور اکثریت وحدت الوجود کے فلسفے پر یقین رکھتی ہے۔ جہاں ختم نبوت ایمان کا جزو بنتی ہے وہاں اقرار توحید اس سے بھی مقدم ہے۔ ہمارے کئی جید علماء اس فلسفے کو توحید کے خلاف اور شرک سے عبارت کرتے ہیں۔ کیا اس کی بنیاد پر آپ اس مذہبی گروہ کو خارج از اسلام کرتے ہیں۔ کیا کبھی یہ بحث عوام کے دربار میں کی گئی۔ کیا اس کو ایک سیاسی تحریک کی شکل دی گئی۔ کیا اس سے مسلمانوں کی بنیادی ایمانیات پر چوٹ نہیں لگتی۔ کیا اس سے کسی متشدد رویے نے جنم لیا۔ اگر نہیں تو کیوں نہیں۔

اس سوال کا جواب آپ خود ڈھونڈیے۔ اس میں بہت سے اور سوالوں کا جواب بھی چھپا ہے۔ بعض راستوں پر میں دیا روشن کیے دیتا ہوں۔ منزل کی کھوج آپ خود کیجیے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے سچ کا خود امین ہے۔ آپ اپنا سچ پہلے اخلاص سے ڈھونڈ لیجیے۔ پھر اس کی حفاظت کیجیے گا۔

چلیے واپس جھگڑے کی طرف چلتے ہیں۔ جھگڑا سادہ ہے۔ ایک گروہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور دوسرے کئی گروہ اسے یہ کہتے ہیں کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ دونوں کا استدلال قرآن اور حدیث کے ایک جیسے ماخذ پر ہے اس لیے محض یہ حجت نہیں بن سکتی کہ اکثریت کس طرف کھڑی ہے۔ اگر اکثریت کو حجت مان لیں تو پھر کربلا جیسی مثالوں کا کیا کریں گے۔ تو اب مسئلہ یہ ہے کہ دو گروہ ہیں۔ دونوں کی مذہبی تشریح مختلف ہے۔ ایک گروہ یہ الزام لگاتا ہے کہ دوسرا گروہ ختم نبوت کا انکاری ہے۔ دوسرا گروہ اس الزام کی صحت کو نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے نزدیک بھی محمد مصطفےٰ آخری نبی ہیں اور ان کی شریعت مکمل ہے پر غیر تشریعی نبی کی گنجائش موجود ہے اور قرآن اور حدیث اور روایات کی رو سے ہے۔

وہ پہلے گروہ میں موجود فلسفہ مہدویت، ولایت اور امامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلا گروہ اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتا اور اس پر مصر ہے کہ دوسرا گروہ فقہی غلطی کا مرتکب ہے، ایمان کے جزو لازم کا منکر ہے اور اس لیے کافر ہے۔ یہ جھگڑا چلتا رہتا ہے۔ ایک ہی ماخذ سے دونوں دلیلیں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اختلاف یونہی رہے گا تاوقتیکہ کوئی ان گروہوں کے بیچ ایک فیصلہ نہ صادر کر دے۔ سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنے کا حق کسے ہے۔

قرآن آخری حجت ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک پڑھ جائیے۔ خدا کے علاوہ یہ فیصلہ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں۔ حتیٰ کہ نبی کو بھی یہ اختیار تفویض نہیں ہوا۔

منافقین مدینہ کے بارے آیات موجود ہیں۔ خدا یہ جانتا ہے، نبی یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایمان جھوٹا ہے۔ یہ نہ اسلام کو مانتے ہیں نہ خدا کی وحدانیت کو نہ نبوت اور ختم نبوت کو۔ یہ کوئی تشریح کا مسئلہ نہیں ہے۔ کوئی فقہی یا شرعی بحث نہیں ہے۔ خدا کی وحی ابھی اتر رہی ہے۔ نبی پر غیب کا علم اتارا جا رہا ہے۔ شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکار مسلمان نہیں ہیں پر نہ خدا انہیں غیر مسلم ٹھہراتا ہے نہ نبی انہیں غیر مسلم گردانتے ہیں۔ کوئی ان کا معاشرتی مقاطعہ نہیں کرتا۔ باخبر صحابہ کو بھی چپ رہنے کی تلقین ہوتی ہے۔

منافق اعظم کا انتقال ہوتا ہے تو اسے نبی اپنے کرتے میں دفناتے ہیں۔ کوئی قاضی عدالت نہیں لگاتا۔ کوئی شوری بیٹھ کر ان کے عقیدے پر غور نہیں کرتی۔ ان سے کوئی استفسار نہیں کرتا۔ ان سے کوئی حلف نہیں اٹھایا جاتا۔ کوئی مطالبہ ان کے سامنے نہیں رکھا جاتا۔ اصول سادہ ہے۔ جو کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، وہ مسلمان ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے عقیدے کی میزان بازار میں گاڑ سکے۔ اس مثال کو سامنے رکھیے اور آگے چلتے ہیں۔

اب دیکھیے کہ آج کے دور میں نبوت کی تعریف پر ایک اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں ایک بڑا گروہ ایک جانب ہے اور دوسرا چھوٹا گروہ دوسری جانب۔ دونوں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور بضد ہیں کہ دوسرے کی تعریف غلط ہے اور ان کا فہم درست ہے۔ اگر تو اسلام کسی کاپی رائٹ کا نام ہے تو یہ کاپی رائٹ کسی زمینی طاقت کے پاس نہیں بلکہ براہ راست رب کائنات کے پاس رجسٹرڈ ہے۔ ظاہر ہے نہ اس نے کبھی آسمانوں سے اتر کر فیصلہ کیا ہے نہ اب کرے گا۔ ایک صحیفہ آسمانی موجود ہے لیکن اس کو بنیاد بنانا اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں فریق اپنا استدلال وہیں سے لا رہے ہیں۔ سوائے کتاب لکھنے والے کے کوئی کیونکر یہ بتا سکتا ہے کہ کون سی تشریح غلط ہے اور کون سی صحیح۔

اگر تو عیسائیت کا ماڈل ہوتا تو پوپ فیصلہ کر دیتا اور ایسے فیصلے پوپ نے کیے بھی لیکن اس تمام تر اختیار کے بعد وہ سارے فیصلے آج تاریخ کے کوڑے دان میں پڑے ہیں۔ کوئی عیسائی فرقہ کسی بھی بنیاد پر کہیں بھی سرکاری طور پر غیر عیسائی نہیں ہے۔ چلیے خدا تو اترنے سے رہا، کتاب دونوں ہاتھ میں اٹھائے ہیں تو اس سے لاکھ استنباط کیا جائے، پرنالہ وہیں رہے گا۔ یہی حال روایات اور احادیث کا ہے۔ نبی کی ذات بھی موجود نہیں ہے۔ تو فیصلہ کون کرے اور کس بنیاد پر کرے۔

ہم نے بہت ڈھونڈا پر کہیں عطاء اللہ شاہ بخاری، ثناء اللہ امرتسری، محمد حسین بٹالوی، ابراہیم میر سیالکوٹی، انور شاہ کشمیری، شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، شورش کاشمیری، ظفر علی خان، احمد رضا خان، اشرف تھانوی، تقی عثمانی، احسان الٰہی ظہیر، خادم رضوی، ہارون الرشید، اور یا مقبول جان یا خالد مسعود خان کا نام کسی ایسی فہرست میں نہیں ملا جو خدا کی طرف سے اتاری گئی ہے کہ دیکھو معاملات میں یہ کریں گے فیصلہ۔ اسی طرح مرزا غلام احمد، مرزا مسرور یا مرزا ناصر کا نام بھی کہیں نہیں لکھا ہوا۔ تو دونوں فریق رائے دیتے رہیں۔ رائے دینے میں سب آزاد ہیں لیکن کسی کو کوئی رائے ماننے پر مجبور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ فتویٰ بھی بنیادی طور پر رائے ہے، حکم نہیں ہے۔

تو مذہبی فکر والے اگر خارج ہیں تو کیا سیاسی مسئلے کی طرح اسے دیکھا جائے۔ کیا اس کا فیصلہ آئینی اور سیاسی بنیادوں پر ممکن ہے۔ اگر تو آپ کا خیال ہے کہ اس ملک کے سیاسی اور آئینی فہم اور اختیارات کی سمجھ کسی کو بھی قائد اعظم محمد علی جناح سے زیادہ تھی تو پھر بحث کے نئے زاویے ڈھونڈنے ہوں گے نہیں تو قائد اعظم نے 23 مئی 1944 کو ایک براہ راست سوال کے جواب میں سری نگر میں ارشاد فرمایا تھا" احمدی مسلمان ہیں، اگر وہ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ کسی کو، حتی کہ ایک خودمختار مقننہ کو بھی اس کے برعکس کچھ کہنے کا حق نہیں ہے" اب اس کے بعد سیاسی بنیاد اور اختیار ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مقننہ یا پارلیمان ایک عمرانی معاہدے کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اس کے پاس یہ حق نہیں ہے کہ وہ انسانی حقوق کے منافی قانون سازی کر سکے۔ اس کے پاس یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ ذاتی عقائد کو پرکھ سکے۔ نہ ہی مذہب اور نہ ہی آئینی حد بندیاں اسے یہ حق دیتی ہیں۔ وزیر اعظم، اٹارنی جنرل، سربراہ حزب اختلاف، سپیکر یا چیف وہپ کسی کا نام یا عہدہ ایسی کسی قانونی یا مذہبی دستاویز میں نہیں ہے جہاں وہ خدا کی نیابت کا حق لے سکیں۔ تو مسئلہ نہ مذہبی بنیاد پر حل ہو سکتا ہے نہ سیاسی بنیاد پر۔ فرقہ سازی کرنا بھی انسانی حقوق میں سے ہے۔

یہ کیوں ضروری ہے کہ جو فہم دس لوگوں کا ہو وہی گیارہویں شخص کا بھی ہو۔ فرقے بنیں گے، اور بھی بنیں گے۔ وہ فہم اور تشریح میں اختلاف رکھیں گے۔ ایک فرقہ دوسرے کو درست نہیں جانے گا، یہ بھی ہوتا رہے گا۔ فتویٰ دینا گرچہ غلط ہے پر یہ دکان بھی چلتی رہے گی۔ ایک دن آئے گا جب یا تو کچھ فرقے اپنی نظریاتی موت مر جائیں گے یا پھر سب فرقے آپس میں باہم رہنا سیکھ لیں گے۔ کسی کو اپنی فقہ دوسرے پر نافذ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جو کسی ایسے اختیار کا نقیب ہے وہ گویا خود کو خدا سمجھتا ہے۔

یہ تو ہو گئی خواہش اور اصول کی بات پر زمینی حقائق یہ ہیں کہ آئین میں اس

حوالے سے ترمیم کی جا چکی ہے۔اس ترمیم کی مخالفت کی جا سکتی ہے۔اس پر تنقید ہوسکتی ہے لیکن جب تک ہماری پارلیمان مذہبی بلیک میلنگ سے ماورا ہو کر اس ترمیم کی تنسیخ نہ کرے، یہی ریاست کا قانون کہلائے گا۔جب تک یہ ترمیم موجود ہے، قانونی یا سرکاری طور پر احمدی غیر مسلم گنے جائیں گے۔کوئی لاکھ کہے کہ عقیدے کی جانچ اور پرکھ کسی پارلیمان کا اختیار نہیں ہے، بہر حال ایک سیاسی منظر نامے میں پارلیمان نے ایسا اختیار استعمال کر لیا ہے جس کی وہ مجاز نہیں تھی۔تو اب کیا کیا جائے۔

آئین کی پوری دستاویز پڑھ جائیے۔اس حوالے سے موجود قوانین کا مطالعہ کر لیں۔اس میں کہیں ایسی کوئی شق موجود نہیں ہے جس میں ذاتی یا جماعتی سطح پر احمدیوں سے یہ مطالبہ ہو کہ وہ اس آئینی شق کی توثیق کریں۔اس ملک میں ہر بالغ شخص کے شناختی کاغذات بنتے وقت یہ حلف نامہ لے لیا جاتا ہے کہ وہ اگر اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے تو احمدی اور لاہوری گروپ سے برات کا اعلان کرے۔میں کم از کم کسی ایسے احمدی کو نہیں جانتا جس نے شناختی کاغذات میں غلط بیانی کر کے سرکاری مسلمان بننے کی کوشش کی ہو۔ہاں، میں بہت سے ایسے سرکاری مسلمانوں کو جانتا ہوں جو قادیانی بن کر مغربی ممالک میں سیاسی پناہ کے کوشاں رہے ہیں۔ظلم احمدیوں پر ہوا اور اس کا فائدہ سرکاری مسلمانوں نے امیگریشن ایجنٹوں کے ذریعے اٹھایا۔

اس ملک کو لوٹنے والے، اسے تباہ کرنے والے، نیب سے پلی بارگین کرنے والے، مسلح خروج کرنے والے، غیر ملکی قوتوں کے لیے جاسوسی کرنے والوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔سب ان کے بارے میں جانتے ہیں۔گن کر بتائیے ان میں سے کتنے احمدی ہیں۔احمدی سازش کا سن سن کر کان پک گئے پر ماسوائے ڈاکٹر عبدالسلام اور سر ظفر اللہ خان پر لگائے گئے چند بے سروپا اور جھوٹے الزامات کے علاوہ کبھی کسی سازش کا کسی نے ہلکا سا سراغ دینے کی بھی کوشش نہیں کی۔

ملکی تاریخ میں سقوط ڈھاکہ سے بڑا کوئی سانحہ نہیں ہوا۔کیا اس میں احمدی سازش تھی۔اے پی ایس میں بچوں کے سروں میں کیا احمدیوں نے گولیاں ماری تھیں۔بلوچستان کی شورش میں کون سے احمدی رہنماؤں کا نام آتا ہے۔افغانستان اور ایران کے ساتھ بگڑتے تعلقات میں احمدیوں کا کیا کردار ہے۔را، این ڈی ایس اور موساد کے کتنے تنخواہ دار احمدی ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پکڑے ہیں۔پر ہر چار دن بعد ایک ختم نبوت کانفرنس ہوتی ہے۔

کل مولانا فضل الرحمان نے قادیانیوں کی بڑھتی سرگرمیوں کے خلاف کل جماعتی کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا ہے۔کوئی پوچھے کہ یہ ''سرگرمیاں'' ہیں کیا تو کوئی جواب نہیں ملے گا۔عجیب و غریب جملے بولے جائیں گے جن کا نہ کوئی سر ہو گا نہ پیر۔قادیانی نیٹ ورک متحرک ہو رہا ہے۔قادیانی ملک کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔قادیانی بھولے بھالے مسلمانوں کو ورغلا رہے ہیں۔پر حرام ہے جو کبھی کوئی مثال پیش کی جائے، کسی انٹیلی جنس بریفنگ کا حوالہ دیا جائے۔کسی نیٹ ورک کے دو نام ہی بتا دیے جائیں۔

1947 سے اب تک قادیانی ایشو صرف مذہبی جماعتوں کے لیے آکسیجن کا کام کر رہا ہے اور ان جماعتوں نے اپنی سیاسی بقا کے لیے ایک نان ایشو کو کائنات کا سب سے بڑا مسئلہ بنا ڈالا ہے۔اس ملک کو جو جو نقصانات اپنوں نے پہنچائے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ان نقصانات کی فہرست بنائیے اور بتائیے کب کب کہاں کہاں کوئی قادیانی سازش اس میں شامل ہے۔جھوٹ اور افترا پردازی کا ایک ایسا بازار گرم کیا گیا ہے کہ عام پاکستانی اس سے اٹھ کر کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا۔حد تو یہ ہے کہ جن احمدی فوجیوں نے جنگوں میں وطن کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا، ہم ان کی تحسین کرنے کے بھی روادار نہیں۔اس سے بڑھ کر اور کیا اخلاقی پستی ہو گی۔

ہمارے مذہبی رہنما عام پاکستانی کو یہ بھی باور کرانے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ احمدیوں کے عقیدے کی بنیاد اہانت مذہب یا توہین رسالت ہے۔میں نے احمدی لٹریچر بھی پڑھا اور احمدی پیشواؤں کی باتیں بھی سنیں۔کہیں ادنی ترین درجے میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ملی جسے اہانت یا توہین سے جوڑا جا سکے۔جیسی عقیدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احمد رضا خان یا قاسم نانوتوی یا آیت اللہ حسین علی منتظری کی نظر آتی ہے، وہی عقیدت احمدی پیشواؤں کے یہاں بھی ہے۔مرزا غلام احمد کے نعتیہ اشعار کسی طرح احمد رضا خان کی نعتوں سے کم پر اثر نہیں ہیں۔

اسکے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ احمدیہ لٹریچر میں کہیں کہیں انتہائی سخت زبان ان لوگوں کے بارے میں استعمال ہوئی ہے جو احمدی عقائد کو درست نہیں مانتے۔پر یہی چلن آپ کو بریلوی، دیوبندی، شیعہ یا سلفی لٹریچر میں بھی ملتا ہے۔اس حوالے سے کوئی جوہری فرق آپ کو نہیں ملے گا۔

شعائر اسلام کے حوالے سے بھی کاپی رائٹ کی عجیب سی دلیل دی جاتی ہے۔قرآن پڑھنے سے کسی کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔یہ کس نے کہا کہ غیر مسلموں کا قرآن پڑھنا ناجائز ہے۔احمدی جماعت وہی قرآن پڑھتی ہے جو آپ پڑھتے ہیں۔اگر آپ کے خیال میں وہ گمراہ ہیں تو اس سے عمدہ بات کیا ہو گی کہ وہ قرآن کو پڑھیں۔

الہامی کتاب کا اتنا تو اعجاز ہوگا کہ وہ گمراہی دور کر سکے۔

نماز پڑھنے پر پابندی کیسے لگ سکتی ہے۔ یہ خدا اور بندے کے بیچ کا معاملہ ہے۔ کوئی سجدہ کرے یا مندر کا گھنٹا بجائے، اس سے ریاست کا کیا لینا دینا۔ ہماری نماز، روزہ اور دیگر عبادات بھی پرانے مذاہب کا تسلسل ہیں۔ بہت سے طریق ہم نے مستعار لیے ہیں۔ اس میں کوئی کاپی رائٹ کا سوال اٹھائے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ مینار اور گنبد اسلامی تہذیب کے آئینہ دار نہیں ہیں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مسجد نبوی پر گنبد اور مینار بنانے کی تجویز دی گئی تھی تو انہوں نے اسے ناپسند فرمایا تھا۔

اموی دور میں یہ آرکیٹیکچر عرب علاقوں میں در آیا۔ اس کا مذہب سے دور دور تک کچھ لینا دینا نہیں۔ ہر مذہب کے پیروکاروں میں قربانی کا تصور ہے۔ ہم کسی بھی چیز پر اختصاصی کاپی رائٹ نہیں رکھتے۔ یہ بحث بذاتہٖ فضول ہے پر اسے ہمارے معاشرے میں اہم ترین بنا دیا گیا ہے۔ نجانے ہم ظلم کرنے کے نت نئے بہانے ڈھونڈنے میں کیوں اتنے خلاق ہیں۔

ان فروعی معاملات کو چھوڑ بھی دیں تو بھی آئین صدر اور وزیر اعظم کے عہدے کے علاوہ کسی اور عہدے پر کسی احمدی کی تقرری کی راہ میں مزاحم نہیں ہے۔ بر بنائے بحث یہ مان لیتے ہیں کہ پارلیمان کو کسی کو غیر مسلم ٹھہرانے کا حق ہے سو انہوں نے ٹھہرا دیا۔ آئین میں انہیں غیر مسلم لکھنا مقصود تھا۔ لکھ دیا گیا۔ شناختی کاغذات میں ان کی چھان پھٹک کے لیے حلف نامے بھی قانونی طور پر بنا دیے گئے کہ افسوس ابھی بھی ماتھے پر مذہب اور فرقہ لکھوانے کا رجحان پنپ نہیں سکا۔

یہ بھی مان لیتے ہیں کہ احمدی اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم نہیں کرتے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے میں قرارداد مقاصد کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن وہ قانون کے پابند ہیں، شناختی کاغذات میں غلط بیانی ہمارے سرکاری مسلمان زیادہ کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد پر سیاسی پناہ لے سکیں لیکن یہ سرکاری کافر تو اپنے آپ کو احمدی سمجھتے ہیں اور مسلم بھی سمجھتے ہیں۔

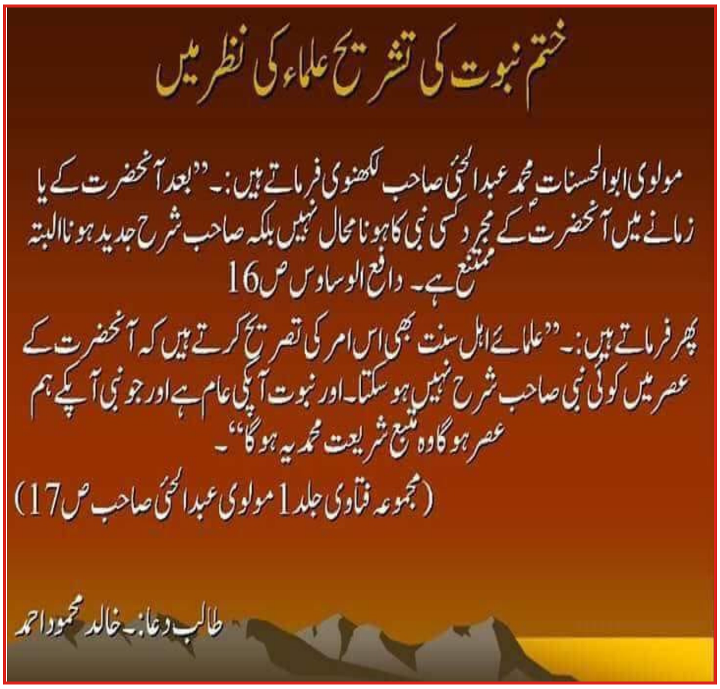
چلیے یہ سب ہو گیا۔ کیا آئین میں کہیں یہ لکھا ہے کہ اگر احمدی دل سے اپنے آپ کو غیر مسلم نہیں سمجھے گا یا جماعت احمدیہ کی مرکزی قیادت اس امر کا اعلان نہیں کرے گی تو انہیں اقلیتوں کے حقوق سے بھی محروم رکھا جائے گا۔ آئین بنانے والوں نے جب یہ شرط عائد نہیں کی تو یہ "طے شدہ" امور کے ٹھیکیدار ہمارے دانشور اور گلی محلوں میں تھڑوں پر بیٹھنے والے مجاہدین جنہوں نے کبھی آئین کی ایک شق بھی نہیں پڑھی بلکہ کبھی کچھ بھی نہیں پڑھا، یہ مطالبہ کس بنیاد پر کرتے ہیں۔

آئین یہ کہتا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم کا سرکاری مسلمان ہونا ضروری ہے۔ باقی ہر عہدے پر مسلم، غیر مسلم، ملحد، مرتد یا زندیق کی کوئی شرط نہیں۔ کسی مذہبی حلف کی، کسی توثیق کی ضرورت نہیں۔ جب آئین خاموش ہے تو آپ یہ شرطیں اٹھائے کہاں سے آ جاتے ہیں کہ نہیں بھئی پہلے یہ منہ سے بولے کہ میرے دل میں کیا ہے اور اگر اس کا کہا ہمارے من بھاوت ہوا تو سالے کو نوکری دینے کا سوچیں گے نہیں تو ایسی کی تیسی آئین کی۔ ذرا بتایئے آئین کا مجرم کون ہے۔ وہ کہ آپ۔

ہم نے نفرت کا کاروبار کر کے دیکھ لیا ہے۔ ستر برس بعد ہم کہاں کھڑے ہیں، کیا ہمیں نظر نہیں آتا۔ دنیا کے پچاس سے زیادہ مسلم ممالک میں ایک ہمارا ہی فہم ہے جو لوگوں کو اسلام کے دائرے سے باہر دھکیلنے میں مصروف ہے۔ کیا کچھ نہیں کھویا اور پایا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک سیاسی سٹنٹ سے زیادہ کچھ نہیں کہ عوام کو ایک سراب کے پیچھے لگا دیا جائے کہ کہیں کوئی اصل سوال نہ اٹھا بیٹھے۔

میری خواہش ہے کہ مجھے کبھی احمدیوں کے بارے میں کوئی اور مضمون نہ لکھنا پڑے اور یہ لوگوں کے ذہن پر دستک دینے کی یہ میری آخری کوشش ہو۔ خود بھی زندہ رہیے اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق دیجیے۔ عقیدے کی آزادی انسانوں کا بنیادی حق ہے۔ اگر ہم یہ آزادی دینے اور اس کا احترام کرنے کے قابل نہیں ہیں تو ہم انسانیت کی بنیادی تعریف سے خارج ہیں۔ وطن کو وطن رہنے دیجیے، اسے ایسا جنگل مت بنایئے جہاں ایک دن صرف وحشی درندے راج کرتے پائے جائیں۔

***



احمدی، شیعہ اور ستمبر

اصغر علی بھٹی



آج سے کچھ سال پہلے کی بات ہے۔ایسے ہی ستمبر کی ایک روشن اور گرم دوپہر تھی لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ یعنی دن 7 ستمبر کی بجائے 28 ستمبر کا تھا۔اور سال 1974 کی بجائے 1991 کا تھا۔وزارت عظمیٰ کی کرسی پر جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی جگہہ جناب نواز شریف صاحب متمکن تھے۔وزارت مذہبی امور کی ذمہ داری جناب کوثر نیازی صاحب کی بجائے مولانا عبد الستار نیازی صاحب کے کندھوں پر تھی۔احاطہ عدالت قومی اسمبلی اسلام آباد کی بجائے گورنر ہاؤس لاہور پنجاب طے پایا ہوا تھا۔ملک سے قومی اسمبلی کے ممبران کی تعداد کے لگ بھگ کوئی 400 کے قریب علمائے کرام ومشائخ عظام جمع تھے۔اور آج کٹہرے میں جناب مرزا ناصر احمد امام جماعت احمدیہ کی بجائے علامہ ریاض حسین نقوی صاحب موجود تھے جبکہ اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار صاحب کی جگہہ یہ اہم ذمہ داری سپاہ صحابہ کے مرکزی سربراہ جناب ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب کے ہاتھ میں تھی کے اوائل میں شیعہ سنی فسادات اپنے عروج پر پہنچ گئے تھے روز کی بنیادوں پر شیعہ سنی کے نام پر قتل وغارت ہورہی تھی ایسے میں جناب نواز شریف صاحب کو مشورہ دیا گیا کہ سپاہ صحابہ اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ دونوں گروہوں پر پابندی لگادی جائے۔چنانچہ وزیر اعظم صاحب نے اس کے لئے جون کے مہینے میں چاروں وزرائے اعلیٰ ، چیف وہوم سیکرٹریان اور آئی جی صاحبان کو اسلام آباد طلب کرلیا۔صلاح مشورے کے بعد طے پایا کہ زیادہ اچھا ہے کہ کوئی فیصلہ لینے سے پہلے دونوں گروہوں کو سُن لیا جائے چنانچہ 28 ستمبر 1991 کا دن طے پایا۔ملک کے طول عرض سے شیعہ، بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث علماء سمیت جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علمائے اسلام کے دونوں گروپ، جماعت اسلامی، جماعت اہل سنت، جمعیت اہل حدیث اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سمیت کوئی 400 کے قریب علماء ومشائخ موجود تھے۔

جناب وزیر اعظم صاحب کرسی صدارت پر متمکن ہوئے تو آپ کے داہنی جانب مولانا عبدالستار نیازی صاحب نے نشست سنبھال لی۔سب سے پہلے مولانا ضیاء القاسمی نے تقریر کی اس کے بعد علامہ ریاض حسین نقوی صاحب نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا دفاع کرتے ہوئے سپاہ صحابہ پر وطن دشمنی تشدد اور یزید کی حمائیت کا الزام لگایا اور کہا کہ انڈیا کے ایجنٹوں کے ایماء پر خواہ مخواہ ہم پر صحابہ دشمنی کا الزام لگاتے ہیں۔جناب ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب اس تقریر کا حال درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”ریاض حسین نقوی صاحب نے اپنی تقریر میں۔۔ایسے گفتگو کی کہ پوری مجلس میں بریلوی، اہل حدیث، اور بعض دیوبندی علماء اور خود حکومت نے بھی اس مئوقف کی تائید کردی۔“ریاض حسین نقوی صاحب کے خطاب کے بعد وزیر اعظم صاحب نے مجلس برخاست کردی۔عین اس موقعہ پر جناب ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب قائد سپاہ صحابہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ریاض حسین نقوی صاحب نے جھوٹ بولا ہے مجھے اس کے جواب کے لئے وقت دیا جائے۔میاں نواز شریف صاحب نے کہا کہ میں علماء کا خطاب سن چکا ہوں مجھے سب لوگوں کی بات سمجھ آگئی ہے۔اب کسی اور تقریر کی ضرورت نہیں اس لئے محفل برخاست کی جاتی ہے۔

ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب نے زور دے کر کہا کہ شیعہ لیڈر غلط بیانی کر رہا ہے اس کے جواب کے بغیر یہاں سے کوئی نہیں جا سکتا۔آپ کو اس کا جواب سننا پڑے گا۔تقریباً 7 منٹ تک مجمع پر سناٹا طاری رہا۔بالاخر وزیر اعظم صاحب نے کہا اپنی جگہہ پر کھڑے ہو کر بتائیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب خود لکھتے ہیں کہ جب میرا خطاب شروع ہوا تو مجمع غیض وغضب کا شکار ہو گیا اور تمام حکمران کانوں کو ہاتھ لگانے لگ گئے۔وفاقی وزیر جناب عبدالستار نیازی صاحب نے فوری اعلان کیا کہ اس کافر کو سخت سزا دی جائے گی اس تقریر کے بعد وزیر اعظم صاحب کو ایک بھاری بھر کم دستاویز پیش کی گئی جس میں 111 کتب کے قابل اعتراض صفحات کے اصل فوٹو سٹیٹ والی 240 صفحات اٹیچ تھے۔بعد میں 22 جولائی 1992 کے اجلاس میں اس میں اضافہ کر کے 232 کتابوں کے 600 سے زائد حوالہ جات پر مبنی 740 صفحات کی دستاویز بنا کر پیش کر دی گئی۔اس دستاویز میں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور انگلستان کے ہزاروں علمائے دین کے فتوے اصلی حالت میں ساتھ لگادیئے گئے۔اس دستاویز کے دیباچہ میں پیش لفظ کے طور پر لکھا گیا کہ”آج ہم آپ کے سامنے ایک دستاویز اور ایسا تاریخی آئینہ پیش کر رہے ہیں۔

جس کو سیاسی چادر کے نیچے نہائیت ہوشیاری سے چھپا دیا گیا تھا۔جس کی سڑانڈ

ایک طرف تاریخ اسلام کو مسخ کر رہی تھی تو دوسری طرف محمدی شریعت کی بنیادوں کو منہدم کر رہی تھی'' ص 14 دستاویز گورنمنٹ ریکارڈ میں بھی موجود ہے اور انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔ مجھے آج اس کی یاد جناب ہارون الرشید صاحب اور دوسرے بہت سے معتبر دانشور حضرات کے عاطف میاں کے حوالے سے بیان پڑ کر اس لئے آئی کیونکہ ان سب قابل احترام دانشوران وطن کے جذبات ہیں کہ دیکھیں غیر مسلم ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہمیں بھگوان داس منظور تھا لیکن چونکہ یہ احمدی حضرات ختم نبوت کے منکر ہیں لہٰذا جو ختم نبوت کا منکر ہے ہم اُسے ہرگز کوئی عہدہ نہیں سونپ سکتے کیونکہ 7 ستمبر 1974 کو قومی اسمبلی نے متفقہ فیصلہ کر دیا ہے کہ احمدی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اب یہ اس بات کو تسلیم کر لیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

28 ستمبر 1991ء کو گورنر ہاؤس لاہور میں جو 400 علماء کی موجودگی میں پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور انگلستان کے ہزاروں علمائے کرام کے تحریری فتاوی کی جو دستاویز وزیر اعظم صاحب کو ایک آفیشل میٹنگ میں پیش کی گئی وہ یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے ختم نبوت کے منکر شیعہ حضرات ہیں۔ اور ان کا کفر قادیانی حضرات سے بھی بڑا ہے۔

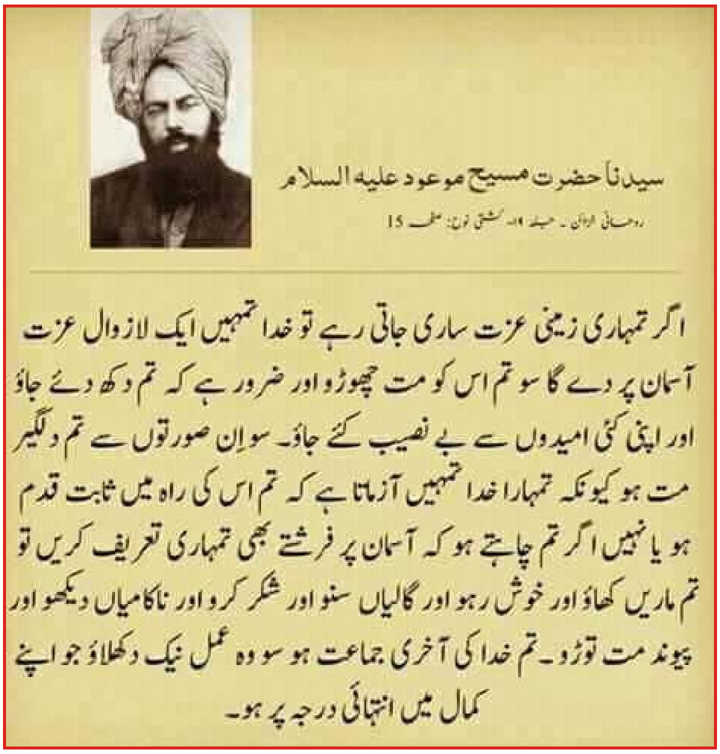
بلکہ کئی گنا بڑا ہے۔ اس دستاویز کے ص 119 پر زیر عنوان ''چند شبہات اور ان کے جوابات'' لکھا ہے ''چوتھا شبہ کہا جاتا ہے کہ شیعہ، قادیانیوں سے بھی بدتر کافر ہیں حال آنکہ قادیانی اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدے ختم نبوت کے منکر ہیں اور شیعہ تو ختم نبوت کے قائل ہیں وضاحت... شیعہ یقیناً قادیانیوں سے بڑھ کر کافر ہیں کیونکہ قادیانی رسول اللہ ﷺ کے لئے خاتم النبیین کے الفاظ مانتے ہیں مگر اس کی حقیقت بدل دیتے ہیں یعنی اس کے مفہوم میں تبدیلی کر دیتے ہیں مگر شیعہ ختم نبوت کے صرف الفاظ کے قائل ہیں اور ان کا عقیدہ امامت ختم نبوت کی حقیقت کا صاف انکار ہے۔ دوسرے یہ کہ قادیانی قرآن مجید کو اصل حالت میں مانتے ہیں مگر اس کے معانی میں تحریف کرتے ہیں جبکہ شیعہ قرآن مجید کی محفوظیت کے ہی منکر ہیں نیز صرف معنوی ہی نہیں بلکہ لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفوں کے مرتکب ہیں۔ تیسرے یہ کہ قادیانی صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی اس طرح مخالفت نہیں کرتے جبکہ شیعہ صحابہ اکرام کی مخالفت تو درکنار ان کے ایمان ہی کے منکر ہیں حتیٰ کہ ان کے ایمان وصداقت کی جو خبر قرآن مجید اور احادیث متواترہ میں موجود ہے اس کے قطعی انکاری ہیں۔ چوتھے یہ کہ قادیانیوں کی آذان، نماز اور دیگر فقہی مسائل تقریباً وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں جبکہ کلمہ سے لے کر تدفین تک کے ہر مسئلہ میں شیعہ مسلمانوں سے الگ ہیں۔

پانچواں شبہ۔ اگر شیعہ کفر میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں تو پھر قادیانیوں سے پہلے ان کے کفر کا اعلان واظہار اس شدومد سے کیوں نہیں کیا گیا۔

وضاحت۔ مسلمانوں کو اپنے بارے میں غلط فہمی اور دھوکہ میں رکھنے کے لئے اپنے کفریہ عقائد کو چھپانا شیعوں کے دین کا حصہ ہے جسے وہ تقیہ کہتے ہیں... یہی وجہ ہے کہ شیعہ گروہ جتنا پرانا ہے اس کے کفر کے فیصلہ کا سلسلہ بھی اتنا ہی پرانا ہے''

(تاریخی دستاویز مئولف ابوریحان ضیاءرحمٰن فاروقی ناشر شعبہ نشرواشاعت سپاہ صحابہ پاکستان) جناب ہارون الرشید صاحب وہ بھی ایک ستمبر تھا اور یہ بھی ایک ستمبر ہے۔ وہاں بھی علمائے کرام ہی پیش ہو رہے تھے اور یہاں بھی علماء ہی منبر افروز ہیں وہ محفل بھی سرکار کی ہی سجائی ہوئی تھی اور یہ بھی۔ وہ بیانیہ بھی علماء سے ہی سرکار سن رہی تھی اور یہ بیانیہ بھی سرکار ہی کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بیانیہ تو خود حکومت نے 40 سال تک تہہ خانوں کے پردوں میں چھپا دیا تھا مگر یہ تو برسرعام ہے اور سپاہ صحابہ پہلے دن سے اسے دھڑلے سے شائع کر رہی ہے۔ اگر اُس بیانیہ کی رو سے عاطف میاں مجرم اول تھا تو اس بیانیہ کی رو سے وہ تو کہیں پیچھے رہ گیا ہے کیونکہ وہ ''قادیانی رسول اللہ ﷺ کے لئے خاتم النبیین کے الفاظ مانتے ہیں''

اور ''قادیانی قرآن مجید کو اصل حالت میں مانتے ہیں'' اور ''قادیانی صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی اس طرح مخالفت نہیں کرتے'' اور ''قادیانیوں کی آذان، نماز اور دیگر فقہی مسائل تقریباً وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں'' سرکار شدید تلخ الفاظ استعمال کرتے ہوئے کبھی 28 ستمبر کے اس بیانئے کو بھی پڑھ لینا۔ ***





ہر کرپٹ شخص پر میری جماعت کو گالی دینا کیوں واجب ہے؟؟؟

اصغر علی بھٹی
مغربی افریقہ



آج سے 26 سال قبل ایک سردیوں کی دوپہر ایبٹ آباد کی کچہریوں میں زخمی ہونٹوں ،ٹوٹی پسلیوں ،دکھتی کمر اور سوجھی آنکھوں کو ذرا سا کھول کر دیکھا تو سامنے نظر پڑنے والی شخصیت کو دیکھ کر بے اختیار ہونٹوں سے نکل گیا تھا کہ آخر ہر کرپٹ شخص پر میری جماعت کو گالی دینا کیوں واجب ہے؟ لیکن آج 26 سال بعد جناب شوکت عزیز صدیقی صاحب کی درخواست دیکھ کر اپنے ہی الفاظ کی تصیحیح کرنا پڑ رہی ہے ۔یعنی اصل الفاظ یہ ہونے چاہییے تھے کہ کرپٹ اشخاص جب رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں تو اپنی کرپشن چھپانے کے لئے ان پر جماعت احمدیہ کو گالی دینا واجب ہوجاتی ہے۔

نام: مسلمانوں والا ،دعویٰ...محافظیت اسلام کا،نسبت...خلیفہ راشد حضرت صدیق اکبرؓ سے ،علم برداری...تحفظ ختم نبوت کی ، اعلان...چہرہ پر داڑھی رکھ کر اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ،منصب ...قاضی فی الاسلام کا، تقاضا۔عدل فاروقیؓ کا لیکن رویہ...جاہلانہ کیوں؟ عمل...چوروں اور ڈاکوؤں والا کیوں ، رکھ رکھاؤ...بیت المال کے پیسے بے دردی سے دنیا کی چند روزہ زندگی کی عیاشی پر خرچ کرتے ہوئے شیطانوں والا کیوں؟ مشہوری...غیر متقیانہ کیوں؟ اورقاضی کے پیشے کے ساتھ چور کہلا کر خائنوں کی صف میں شمار ہو کر پیشیاں بھگتے ہوئے شرم کیوں نہیں؟؟ خلاصہ کلام نام وشکل مومناں اورکام وکرتوت کافراں؟؟؟

خاکسار اسلام اباد ہائی کورٹ کے سُچی داڑھی والے ،اسلام کی محبت میں آٹھ آٹھ آنسو رونے والے ،پوری دنیا کے کافروں کے خلاف شمشیر برہنہ ہونے کا دعویٰ رکھنے والے ، اپنے نام کے ساتھ ختم نبوت کا سابقہ اور لاحقہ لگانے والے جج جناب شوکت عزیز صدیقی صاحب کی سپریم کورٹ میں اپنی مالی کرپشن ،عہدے کا ناجائز فائدہ اور خلاف قواعد جا کر بیت المال کو کروڑوں کا چونا لگانے کے مقدمے کی سماعت کے خلاف سپریم جوڈیشل کونسل میں ہونے والی کارروائی رکوانے کے لئے دی جانے والی درخواست اوراس کے جواب کو پڑھ رہا تھا اور دل میں مندرجہ بالا خیالات بار بار لوٹ کر آرہے تھے کہ کیسے کچھ کرپٹ لوگوں کو نہ کرپشن کرتے ہوئے کوئی خوف خدا آتا ہے اور نہ اپنے اسلام کی محبت اور عشق رسول میں مرے جانے کے دعووں کے باوجود ڈاکے مارتے ہوئے حیا آتی ہے، نہ اپنے عہدہ جلیلہ کو خیانت ، اسراف اور چوری کی نجاست میں لوٹنیاں پوٹنیاں لگواتے ہوئے گھن آتی ہے، اور نہ ان تمام بے ایمانیوں کے ساتھ اسلام کی طرف منسوب ہونے اوراس دور میں اسلام کا محافظ اول ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے شرم آتی ہے اوراس پر مستزاد یہ کہ نہ ہی شیطان کی گرم سرد گود میں بیٹھ کر اپنے ان تمام ابلیسانہ اعمال و افعال کے باوجود دوسرے لاکھوں کروڑوں کلمہ گو مسلمانوں پر اپنی اس کرپشن سے آلودہ اور بے ایمانی سے لتھڑی ہوئی زبان کا آرا چلانے اور ان کے مومن و کافر ہونے کے سرٹیفکیٹ بانٹنا اپنا حق سمجھنے میں کوئی روک ٹوک آڑے آتی ہے۔اخباری خبر کے مطابق سپریم کورٹ آف پاکستان نے جسٹس گلزار احمد کی سربراہی میں پانچ رکنی بینچ نے جسٹس شوکت عزیز صدیقی کی درخواست مسترد کرتے ہوئے ریمارکس دیئے ہیں کہ عدالت ٹکڑوں کی بجائے مکمل کیس کی سماعت کرنا چاہتی ہے اور جلد از جلد مقدمے کا فیصلہ سنانا چاہتی ہے۔ بقول مشہور کالم نگار اور اینکر پرسن جناب رؤف کلاسرا صاحب پاکستان میں سب سے زیادہ مذہب بکتا ہے اور پھر امریکہ۔ جب کہ مذہب میں سے بھی ختم نبوت اور احمدیت کو سب وشتم سب سے آسان بکتی ہے ۔کرپشن سے لے کر دنیا کی جس بھی بدنصیبی و بداعمالی کو چھپانا ہو،تخت وتاج ختم نبوت کا نعرہ لگاؤ سب حلال ہوجائے گا۔یعنی دوستو اگر آپ کے منہ میں زبان ہے آپ گونگے نہیں ہیں تو کسی دفتر، کسی تفتیش، کسی نیب، کسی ایف آئی اے سے گبھرانے کی ضرورت نہیں ،تخت وتاج ختم نبوت کا پاکستانی امام ضامن بازو پر باندھ لیں اور منہ سے احمدیوں کے لئے زہر اُگلنا شروع کردیں اور جو کوئی ممکن بڑے سے بڑا الزام ذہن کی سکرین پر آسکتا ہے احمدیوں پر لگا دیں۔ دیکھیں سب محکمے آپ کے قدموں میں ہونگے ۔اگر خادم حسین رضوی صاحب کی طرح 21 کروڑ سکہ رائج الوقت نہ بھی ملا تو پیر سیالوی صاحب کی طرح 5،6 نئی نکور گاڑیاں تو ضرور مل جائیں گی۔ یہ کوئی کتابی اور سنی سنائی تدابیر نہیں ہیں اس دور کے حاذق طبیبوں اور معروف کلاکاروں کا یہ آزمایا ہوا نسخہ ہے۔ دیکھیں معروف قانون دان جناب بابر اعوان صاحب جن دنوں زرداری صاحب کا نوٹوں والا بیگ لے کر سپیشل جہازوں میں گھوما کرتے تھے، پر مالی بدعنوانی

کا کیس بنا تو آپ نے پہلی فرصت میں ''یہ قادیانی لابی کی میرے خلاف سازش ہے'' کا سہانا گیت گنگنا دیا بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم نبوت کے عشق نے کرپشن کی تمام فائیلوں کو جلا کر بھسم کر دیا۔ راجہ رینٹل راجہ پرویز اشرف صاحب جیسی نابغہ روزگار ہستی کو بھی پیروں نے یہی تعویذ عطا کیا تھا، انہوں نے باندھا بھی تھا مگر مطلوبہ طعن و تشنیع والا ذکر مطلوبہ دفعہ دہرانے میں کوتاہی کی تو پھنس گئے اور آج تک پھنسے ہوئے ہیں۔ اور تو اور یہ تعویذ ایجاد کرنے والے مولوی بھی مشکل وقت پر اسی تعویذ اور اسی ذکر سے جان بچانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ چنانچہ 1970 میں جب ایوب خان کے دس سالہ دور اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ملک میں مارشل لاء لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ میں پورے ملک میں الیکشن کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ مذہبی جماعتیں کہلانے والی سیاسی پارٹیوں کو یہ توقع تھی کہ ان کو اس الیکشن میں بہت بڑی کامیابی ملے گی جس کے بعد ان کے اقتدار کا سورج طلوع ہوگا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ اس کے بعد جماعت احمدیہ کی ترقی کو روک دینا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ یوں ایک طرف وہ دیگر سیاسی جماعتوں کے خلاف مہم چلا رہی تھیں تو دوسری طرف اپنی جیسی دیگر مذہبی سیاسی جماعتوں کے خلاف بھی کمر بستہ تھیں۔ اب ایک مذہبی پارٹی دوسری مذہبی پارٹی کو رگڑا لگانا چاہے تو اس کے لئے جماعت کو گالی دینا اور دوسری پارٹی کو احمدی نواز قرار دینے کے علاوہ اور کون سا آسان روٹ ہوسکتا ہے چنانچہ ان مذہبی ٹھیکیداروں نے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے لئے جی بھر کر جماعت احمدیہ کو گالیاں دیں۔ چنانچہ آغا شورش کاشمیری صاحب کا رسالہ چٹان جو جماعت اسلامی کی حمائیت کر رہا تھا اس نے جمیعت العلماء اسلام جو کہ جماعت کی مخالفت میں پیش پیش رہی تھی پر الزام لگانا شرع کر دیا کہ ان کے جلسے احمدیوں کی مدد سے منعقد کئے جا رہے ہیں اور یہ دعویٰ بار بار کرنا شروع کر دیا کہ مفتی محمود صاحب قادیانیوں سے مدد حاصل کر رہے ہیں۔ جمیعت العلماء اسلام نے آئین شریعت کانفرنس منعقد کی تو اس پر چٹان نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''قادیانی جماعت نے آئین شریعت کانفرنس کے انعقاد پر دس ہزار روپیہ دیا تھا۔ غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود کس استاد کے آلہ کار ہیں'' اس مضمون میں مضمون نگار نے دعویٰ کیا کہ ''جمیعت العلماء کے دونوں بزرگ ان دنوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ انھیں قادیانی گوارا ہیں، کیمونسٹ عزیز ہیں لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور آغا شورش کاشمیری کے خلاف جو زہر ان کے دل میں بیٹھ چکا ہے وہ نکلنا مشکل ہے۔۔ آئین شریعت کانفرنس میں جو سبیلیں لگی تھیں قادیانی جماعت نے چندہ دیا تھا'' (چٹان 20 جولائی 1970) بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ جمیعت العلماء اسلام مرزائیوں کا بغل بچہ ہے۔

(چٹان 17 اگست 1970)

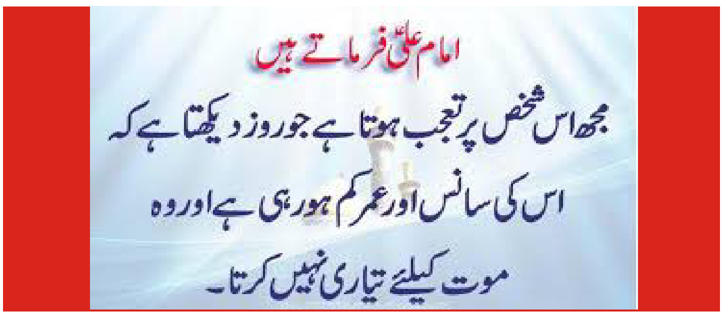
اب جواب میں جمیعت العلماء والے کہاں پیچھے رہ سکتے تھے انہوں نے بھی جواب کے لئے توپیں سیدھی کر لیں مگر اس نفسانفسی میں بھی وہ اس مقدس اُصول کو نہیں بھولے کہ۔ جو بھی گالی دینی ہے اور جو بھی الزام لگانا ہے یا جو بھی گند چھپانا ہے اس پر قادیانی لیپ ضرور ہونا چاہئے پھر وہ گند بھی متبرک سمجھ کر بکے گا بلکہ ہاتھوں ہاتھ بکے گا۔ چنانچہ انہوں اپنے جریدہ ترجمان اسلام میں الزام داغ دیا کہ مرزائیوں نے چٹان کے اس مضمون پر، جس میں مفتی محمود اور ان کی پارٹی پر الزام لگایا گیا تھا کہ اُنھوں نے قادیانیوں سے مالی مدد لی ہے بہت مسرت کا اظہار کیا اور اس خوشی میں چٹان کے مدیر شورش کاشمیری صاحب کو نذرانہ پیش کرنے کے لئے ان کے رسالے کو اشتہارات سے نوازا ہے۔'' (چٹان 10 اگست 1970)

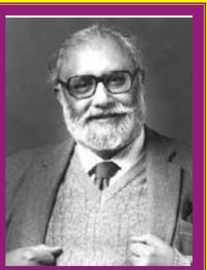
اُدھر جماعت اسلامی کا اپنا رسالہ ایشیا بھی اس مہم میں شامل ہو گیا اور اس نے 9 اگست 1970 کی اشاعت میں دو مشترکہ اعلان داغ دیئے جماعت احمدیہ اور پیپلز پارٹی کا اتحاد ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اب منکرین ختم نبوت (یعنی احمدی) اور نام نہاد محافظین ختم نبوت (یعنی مفتی محمود گروپ) بھی ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں اور اب جماعت احمدیہ اور جمیعت العلماء اسلام ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔ وہ الیکشن گزر گئے وہ سال گزر گئے وہ موسم گزر گئے اگر نہیں گزرے اور نہیں بدلے تو قانون نہیں بدلے وہ اوصاف نہیں بدلے وہ اطوار نہیں بدلے اور وہ گالی دینے کے انداز نہیں بدلے۔ اور وہ رونا نہیں بدلا۔ پنجابی میں کہتے ہیں روندی یاروں نوں لے کے بھراواں داناں یعنی رونا تو کسی اور بات کا اور اظہار کسی اور بات کا ہے۔ آیئے میں بتاتا ہوں وہ رونا کس بات کا اور جماعت احمدیہ کو بے دریغ گالی کس بات پر ہے؟ اکوڑہ خٹک یعنی مولوی سمیع الحق والا اکوڑہ خٹک یعنی ملاعمر صاحب آف طالبان کا اکوڑہ خٹک ان کے رسالے الحق کو جناب ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب صدر شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ نے اپنے دلی درد اور اپنے رونے کی وجہ لکھی جسے ان کے ترجمان رسالے نے اپنے ان الفاظ میں شائع کر دیا ''ایک خیال یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا حقیقی طرز معاشر قادیانی گھرانوں میں ہے ورنہ عام تعلیم یافتہ مسلمان تو اس معاشرت سے بیزار ہی نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ غیر قادیانی نوجوانوں میں پردہ داری۔ حیاداری جمعہ اور جماعت کی پابندی بلکہ خود نماز کا التزام، قرآن مجید سے تعلق۔ محض خواندگی وغیرہ کی حد تک بھی۔ اب بالکل مفقود ہے۔''

(الحق اکوڑہ خٹک ۔نومبر ۴۷ءصفحہ ۲۷)

احمدی دوستو اب جب اُن کے ہاں مسلمانوں والا طرز معاشرت ہی غائب ہے اور وہ احمدی گھروں میں قائم ہے تو احمدیوں کو بلال بن کر ابوجاہلوں کی گالیاں اور پتھر تو کھانے پڑیں گے۔مولانا نیاز فتح پوری صاحب مدیر نگار نے اپنے مشاہدات کو یوں قلم بند کیا تھا ’’میں نے جب آنکھ کھولی مسلمانوں کو باہم دست گر یباں میں دیکھا سنی،شیعہ،اہل قرآن ،اہل حدیث ، دیو بندی،غیر دیو بندی ،وہابی بدعتی اور خدا جانے کتنے ٹکڑے مسلمانوں کے ہو گئے ۔جن میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جس کے مسلمان ہونے پر سب کو اتفاق ہو۔ایک طرف خود مسلمانوں کے اندر اختلاف اور تضاد کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف آریائی وعیسوی جماعتوں کا حملہ اسلامی لٹریچر اور اکابر اسلام پر......کہ......اس زمانہ میں مرزا غلام احمد صاحب سامنے آئے اور انہوں نے تمام اختلافات سے بلند ہوکر دنیا کے سامنے اسلام کا وہ صحیح مفہوم پیش کیا جسے لوگوں نے بھلا دیا تھا یا غلط سمجھا تھا۔ یہاں نہ ابوبکر وعلی کا جھگڑا تھا نہ رفع یدین وآمین بالجہر کا اختلاف یہاں نہ عمل بالقرآن کی بحث تھی نہ استناد بالحدیث کی ۔اور نہ صرف ایک نظریہ سامنے تھا اور وہ یہ کہ اسلام نام ہے صرف اسوہ رسول کی پابندی کا۔اور اس عملی زندگی کا۔اس ایثار وقربانی کا۔اس محبت ورافت کا۔اس اخوت ہمدردی کا اور اس حرکت وعمل کا جو رسول اللہ کے کردار کی تنہا خصوصیت اور اسلام کی تنہا اساس وبنیاد تھی ۔مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اس وقت کی جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔انہوں نے سوتے ہوئے مسلمانوں کو جگایا۔اٹھایا اور چلایا یہاں تک کہ وہ چل پڑے ۔اور ایسا چل پڑے کہ آج روئے زمین کا کوئی گوشہ نہیں جو ان کے نشانات قدم سے خالی ہو اور جہاں وہ اسلام کی صحیح تعلیم نہ پیش کررہے ہوں ۔(نگار اکتوبر 1960ء صفحہ 44-45)

جناب شوکت عزیز صدیقی صاحب آپ کو جماعت احمدیہ کے خلاف مولوی اللہ وسایا کی مدد سے دینے والا ظالمانہ فیصلہ بھی مبارک ہو اور مالی کرپشن پر اپنا اندرونہ دکھانا بھی مبارک ہو۔ ***






سائنس کی دنیا میں انقلاب برپا کرنے والا عظیم سائنسدان

پروفیسر عبدالسلام نوبل لاریٹ

پروفیسر آصف علی پرویز۔لندن

دوست : میں نے اُڑتے اُڑتے یہ افواہ سنی ہے کہ غالباً قومی اسمبلی میں سابق وزیر اعظم محترم نواز شریف صاحب کے داماد کیپٹن (ریٹائرڈ) صفدر صاحب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ شعبہ فزکس اسلام آباد یونیورسٹی کا نام جو اُن کے محترم سسر صاحب نے (جب وہ وزیر اعظم تھے) نے عبدالسلام شعبہ فزکس رکھا تھا۔اُس کو تبدیل کرکے ایک نامعلوم شخص کے نام پر رکھ دیا جائے۔

آصف : اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس پر انااللہ کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ پروفیسر عبدالسلام کے نام پر شعبہ کا نام رکھنا شعبہ کی عزت میں اضافہ کرتا تھا۔ پروفیسر کا نامِ گرامی ان معمولی معمولی اعزازات کا مرہون منت نہیں۔آپ کی شخصیت اس سے بہت بلند ہے ۔اور تجویز پیش کرنے والے کو تو خود سائنس کی الف ب بھی نہیں آتی۔

دوست : آپ کا کہنا بجا ہے۔دراصل پاکستان میں ملاازم اتنا پھیل چکا ہے کہ انکا کام اب محض علم کی قندیلوں کو بجھانا ہے نہ کہ جلانا ۔ دنیا کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے ۔ چنانچہ آج سے چند سو سال قبل جیوآرڈنو برونو (GIERDANO BRUNE) نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے نہ کہ سورج زمین کے گرد تو اس وقت کے پادری ملاؤں نے نہ صرف ان پر کفر کا فتویٰ لگایا بلکہ اسے زندہ آگ میں جلا دیا۔اس سے بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ آج کل کے ملاں اور نیم جاہل سیاستدان پاکستان کو کئی سو سال پیچھے لے جانا چاہتے ہیں ۔ چلئے چھوڑیئے ہمارا اس سے کیا لینا دینا۔لیکن میں تو آپ سے پروفیسر عبدالسلام کی عظیم کامیابیوں اور تحقیقات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں ۔آپ خود فزکس کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔آپ ان باتوں کو ایک عام شخص سے بہتر سمجھتے ہیں۔



آصف : یہ آپ کا حسنِ ظن ہے،لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ وہ میرے ’’سائنسی ہیرو‘‘ ہیں۔آپ

جب کبھی پاکستان تشریف لاتے تو ہمارے کالج میں آ کر ہم سے خطاب فرماتے۔ اوراپنی تحقیقات کے بارے میں آگاہ فرماتے۔اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد سمجھتا ہوں۔ جب ہمارے کالج میں ''عبدالسلام فزکس سوسائٹی'' جاری کی گئی تو میں اس کا پہلا صدر منتخب ہوا۔ یہ میرے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

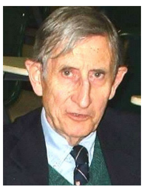
دوست: اچھا! تو پہلے ذرا پروفیسر عبدالسلام صاحب کی ملکی تعلیم کا ذکر کیجئے۔

آصف: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے میٹرک کا امتحان 1940ء میں پورے پنجاب میں اوّل آ کر پاس کیا۔1942ء میں آپ ایف۔اے کے امتحان میں بھی پوری یونیورسٹی میں اوّل آئے۔گورنمنٹ کالج لاہور سے آپ نے بی۔اے اورایم۔اے کے امتحانوں میں بھی اوّل پوزیشن حاصل کی اورکئی نئے ریکارڈ قائم کئے۔

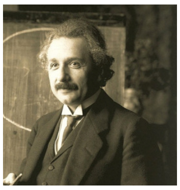
دوست: یعنی ملکی تعلیم میں وہ ہرامتحان میں اوّل آتے رہے۔یقیناً یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے اورآپ کی قابلیت کا ثبوت۔اس کے بعد آپ نے کہاں اوراعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

آصف: 1946ء سے 1949ء تک آپ نے کیمبرج سینٹ جونز کالج (St. Jones college) سے دوبارہ فزکس اورحساب میں ڈگری حاصل کی۔اور یہاں بھی اوّل رہے۔اس کے بعد 1949ء میں ہی آپ Phd کی ڈگری کے لئے واپس کیمبرج آ گئے۔

دوست: لگتا ہے آپ کو کیمبرج سے محبت ہوگئی تھی۔کہ PhD کے لئے بھی یہاں تشریف لائے۔ آصف: کیمبرج طالبعلموں کے لئے ایک جنت ہے جو کالجوں کا شہر کہلاتا ہے۔عبدالسلام صاحب کو ان کے روسی استاد نے ایک مسئلہ حل کرنے کے لئے دیا جس کو اس وقت چوٹی کے سائنسدان بھی حل نہ کر سکے تھے۔ان کے پروفیسر کا خیال تھا کہ اگر وہ اس مسئلہ کو کچھ حد تک بھی حل کر سکے تو انہیں PhD کی ڈگری مل جائے گی۔عبدالسلام صاحب نے چند ماہ کی تحقیق کے بعد وہ مسئلہ مکمل طور پر حل کر دیا۔آپ کا روسی پرفیسر اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے ایک نوبل انعام یافتہ سائنس دان پروفیسر ڈائسن (Professor Dyson) کو امریکہ بھجوادیا جو اس میدان



کے ماہر تھے۔آپ کا یہ مقالہ پڑھ کر وہ بہت خوش بھی ہوئے اور حیران بھی کہ ایک مسئلہ جس کو نوبل انعام یافتہ سائنس دان نہ حل کر سکے اور ایک نوجوان پاکستانی طالب علم نے چند ماہ میں حل کر دیا۔انہوں نے آپ کو امریکہ میں پرسٹن یونیورسٹی (Princeton University) کی فیلوشپ عطا کرتے ہوئے امریکہ آنے کی دعوت دی۔چنانچہ ایک سال وہاں آپ نے مزید تحقیق کی اور وہاں آپ کی ملاقات البرٹ آئن سٹائن (ALBERT



EINSTIEN) سے بھی ہوئی۔آپ کا مقالہ پورے کالج میں پہلے نمبر پر آیا چنانچہ آپ کو سمتھ پرائز (SMITH PRIZE) سے نوازا گیا۔

دوست: گویا آپ نے ملکی تعلم اور انگلستان میں تعلیم میں ہمیشہ اوّل انعام حاصل کیا۔یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ شاید ہی کسی اور طالبعلم کو ملا ہو۔فالحمدللہ آپ نے اپنی ملازمت کا آغاز کہاں سے کیا؟

آصف: آپ کو 1951ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں حساب کا پروفیسر مقرر کیا گیا اس طرح آپ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ حساب کے بھی صدر مقرر ہوئے۔اسے بدقسمتی کہئے یا کچھ اورکہ کالج کے پرنسپل صاحب نے آپ سے اچھا سلوک نہیں کیا۔فارغ وقت میں بجائے اس کے کہ وہ انہیں یہ کہتے کہ طلباء کو بھی تحقیق کے کام میں شامل کریں آپ کو اپنی فٹ بال کھلانے کی اضافی ذمہ داری دی گئی!

دوست: آپ کا تحقیق کا کام تو پھر بالکل رُک گیا ہوگا۔

آصف: آپ نے اپنے طور پر سائنس میں تحقیقی کام کو جاری رکھا۔اسے حسنِ اتفاق کہئے یا آپ کی خوش قسمتی کہ جب آپ کے کیمبرج کے روسی پروفیسر ترقی پا کر کسی اور کالج میں چلے گئے تو انہوں نے سینٹ جونز کالج کی انتظامیہ کو سفارش کی کہ ان کی جگہ پر پروفیسر عبدالسلام صاحب کو مقرر کیا جائے۔انہوں نے سفارش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میری نظر میں پروفیسر عبدالسلام سے قابل کوئی شخص نہیں جو اس عہدے کا حق ادا کر سکے۔انہوں نے حکومت پاکستان کو بھی خط لکھا کہ پروفیسر عبدالسلام جیسا عظیم سائنسدان کیمبرج میں آ کر سائنس کی اعلیٰ خدمت کر سکتا ہے۔چنانچہ حکومت نے آپ کو کیمبرج میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔1954ء سے 1956ء تک آپ نے کیمبرج میں ملازمت کی۔کیمبرج میں آ کر آپ نے اپنے تحقیقی کاموں کو خوب زور شور سے جاری رکھا اور بیسیوں تحقیقی مقالے بین الاقوامی سائنسی رسالوں میں شائع کرائے۔

دوست: میں نے سنا ہے کہ آپ کو پہلا نوبل انعام محض 31 برس کی عمر میں مل جانا چاہئے تھا۔ذرا اس کی تفصیل تو بتائیں۔ آصف: 1951ء میں آپ امریکہ میں ایک کانفرنس کے لئے گئے۔بنیادی طاقتوں میں سے کمزور طاقت جو ایٹم کے اندر ہوتی ہے زیر بحث تھی۔آپ نے اپنی تحقیق پیش کی جس میں آپ نے یہ ثابت کیا کہ یہ طاقت باقی بنیادی طاقتوں یعنی کشش ثقل، بجلی ومقناطیسی طاقت اور مضبوط طاقت سے مختلف ہے۔وہاں پر موجود تقریباً سب سائنسدانوں نے آپ سے اختلاف کیا۔کیمبرج میں جا کر آپ نے اس بارے میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔اور اسے چھپنے کے لئے

ایک مشہور سائنسی رسالہ میں بھجوا دیا۔ جنہوں نے اس کو چھاپنے کے لئے منظور کرلیا۔ اس دوران آپ نے اپنے مقالے کی نقل دو مشہور سائنسدانوں کو بھجوائی۔ انہوں نے آپ کی تحقیق سے اختلاف کیا۔ یہ سوچ کر آپ نے ایڈیٹر سے اپنا مقالہ واپس لے لیا۔ اگر چہ یہ مقالہ شائع تو نہ ہوا لیکن سائنسی حلقہ میں اس کا خوب چرچا ہوا۔ اتفاق سے دو چینی نژاد امریکی سائنسدانوں نے بھی اس پر تحقیق کر کے اپنا مقالہ شائع کر دیا۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے پروفیسر عبدالسلام کا مقالہ پڑھا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ ایک سائنس کی دنیا میں انقلابی نظریہ تھا اس لئے اس سال پروفیسر یانگ اور پروفیسر لی LEE YANG کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔ تاہم پروفیسر عبدالسلام صاحب کو اس سے محروم رکھا گیا۔ لندن کے مشہور اخبار لنڈن ٹائمز نے اس پر احتجاجی کالم لکھا کہ اس نظریہ کے اوّل خالق تو پروفیسر عبدالسلام صاحب تھے۔ انہیں بھی نوبل انعام ملنا چاہئے تھا۔ اگر آپ کو نوبل انعام مل جاتا تو آپ سائنس میں نوبل انعام پانے والے سب سے کم عمر سائنسدان ہوتے۔ آپ کی عمر اس وقت صرف 31 سال تھی۔ بہر حال آپ کو اس وقت نوبل انعام نہ ملا۔ اسی سال حکومت پاکستان نے آپ کو پریذیڈنٹ میڈل سے نوازا۔ اور 20 ہزار کی خطیر رقم بھی بطور انعام دی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔



دوست: آپ کو صدر پاکستان نے کیا اعلیٰ عہدہ دیا؟ **آصف:** 1961ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان صاحب نے آپ کو اپنا سائنسی مشیر مقرر کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ آپ پوری تنخواہ کے ساتھ کام کریں۔ تاہم آپ نے اعزازی طور پر کام کرنے کی حامی بھرلی۔ پاکستان کی تاریخ میں آپ شاید پہلے سائنسی مشیر ہیں جنہوں نے بلا تنخواہ کام کرنے کا نمونہ قائم کیا۔ آپ اس وقت پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ممبر بھی تھے۔ آپ نے صدر ایوب سے اس بات کی منظوری لی کہ کہوٹہ میں پہلا ایٹمی ریکٹر بنایا جائے۔ چنانچہ اس کا ڈیزائن ایک مشہور کمپنی نے تیار کیا۔ خاکسار کو 1972ء میں اس سینٹر کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا نام PINSTECH (PAKISTAN INSTITUTE OF NUCLEAR SCIENCE & TECHNOLOGY) ہے۔

دوست: آپ نے پاکستان میں کون سے بڑے ادارے بنائے؟ **آصف:** اس کی تفصیل تو بہت لمبی ہے لیکن چند اہم اداروں کا میں نام بتا دیتا ہوں۔ ٹیکنیکل انفارمیشن سروس گندم پر تحقیق کا ادارہ۔ نیشنل فزیکل لیبارٹریز۔ بالائی فضا کا تحقیقی مرکز (SPARCO) اس کے علاوہ آپ نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے تعاون سے چار سو سے زائد پاکستانی سائنسدانوں کو PHD کے لئے انگلستان اور امریکہ میں تعلیم دلوائی۔ بعد میں ان سائنسدانوں کی کوششوں سے بالآخر پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا۔

دوست: اس سے صاف ظاہر ہے کہ پروفیسر عبدالسلام صاحب نے پاکستان میں ایٹمی نظام کو جاری کیا۔ آج کل کے کوتاہ قد مذہبی اور سیاسی راہنما خواہ کچھ بھی کہیں پاکستان میں ایٹمی توانائی اور اداروں کو پروان چڑھانے میں پروفیسر عبدالسلام صاحب نے قابل گراں خدمات پیش کیں۔

آصف: آپ بالکل صحیح کہتے ہیں آج کل تو ایسے ملاں اور سیاسی بونے ہیں جنکو سائنس کی الف بے کا بھی پتہ نہیں۔ نہ جانے کیوں وہ پروفیسر عبدالسلام صاحب کی خدمات کو ماننے سے انکاری ہیں۔ تاہم اٹامک انرجی کمیشن پاکستان کے ہر چیرمین نے آپ کی گرانقدر خدمات کا بڑی دیانتداری اور بہادری کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔

دوست: یہ بتائیں پروفیسر عبدالسلام صاحب نے کوئی بین الاقوامی ادارہ بھی



بنایا؟ **آصف:** پروفیسر عبدالسلام صاحب نے اقوامِ متحدہ کی زیر نگرانی چلنے والے ادارے (INTERNATIONAL CENTRE FOR THEORETICAL PHYSICS) ''بین الاقوامی ادارہ برائے نظریاتی فزکس'' قائم کیا۔ پروفیسر عبدالسلام صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ادارہ لاہور میں بنے۔ چنانچہ انہوں نے صدر ایوب خان صاحب سے بات چیت کی۔ وہ تو راضی تھے مگر اس وقت وزیر خزانہ کے شدید اعتراض کے باعث یہ ادارہ پاکستان میں نہ بن سکا۔ میری رائے ہے کہ اگر یہ ادارہ پاکستان میں بن جاتا تو پاکستان میں سائنس میں بے پناہ ترقی ہوتی اور کوئی بعید نہیں کہ کئی پاکستانی سائنسدان نوبل انعام حاصل کر لیتے۔

دوست: ادارہ بالآخر کہاں بنا؟ **آصف:** اٹلی کی حکومت نے فراخدلانہ مالی معاونت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بالآخر یہ ادارہ اٹلی کے شہر ٹریسٹ (TRIESTE) میں بن گیا۔ اقوام متحدہ کا یہ واحد ادارہ ہے جہاں پر فزکس کے شعبہ میں گرانقدر تحقیقات ہوتی ہیں۔ اور ساری دنیا سے فزکس کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے سائنسدان یہاں آتے ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پروفیسر عبدالسلام تقریباً 30 سال اس کے ڈائریکٹر رہے۔ جب آپ بہت بیمار ہوگئے تو آپ نے ڈائریکٹر شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ کی وفات کے اگلے سال بعد اس ادارہ کا نام ''عبدالسلام مرکز

برائے نظریاتی تحقیقات'' (ABDUS SLAM INTENATIONAL CENTRE FOR THEORETICAL PHYSICS) رکھ دیا گیا۔

دوست: یہ تو پروفیسر عبدالسلام صاحب مرحوم کو بہت بڑا اخراجِ تحسین ہے۔ کہ اقوامِ متحدہ کے تحت چلنے والا واحد بین الاقوامی مرکز پروفیسر عبدالسلام کے نام سے منسوب ہے۔ یقیناً یہ پاکستان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ آصف: کیوں نہیں، اس سے بڑا اعزاز ہو ہی نہیں سکتا۔ انشاءاللہ رہتی دنیا تک پروفیسر عبدالسلام صاحب کا نام اس ادارہ کی وجہ سے زندہ رہے گا۔

دوست: حکومت پاکستان نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ فزکس کا نام بھی پروفیسر عبدالسلام صاحب مرحوم کے نام پر رکھا ہے۔ اگرچہ یہ ستم ظریفی ہے کہ سسر یعنی نواز شریف صاحب نے جب وہ ابھی وزیر اعظم تھے یہ نام رکھا اور آج ان کے ہی داماد پروفیسر عبدالسلام کا نام ہٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے کوتاہ قد سیاستدانوں اور مولویوں کو ہدایت دے۔ آمین

آصف: پروفیسر عبدالسلام صاحب کا نام اور کام اتنا بڑا ہے کہ ان کو ایسے چھوٹے چھوٹے اعزاز دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ان کا نام سائنس کی تدریسی کتب میں شامل ہے۔ اور جوں جوں ایٹم میں موجود قوتوں پر تحقیق ہوتی رہے گی ہر آنے والا محقق پروفیسر عبدالسلام صاحب کے تحقیقی کام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے گا۔

دوست: یہ بتائیں کہ پروفیسر عبدالسلام صاحب کو کون کون سے اعزازات سے نوازا گیا۔ آصف: اس کی لسٹ تو اتنی لمبی ہے کہ وہ فہرست ہی ایک مضمون کی متقاضی ہے۔ لیکن ان میں سے چند اہم اعزازات کا ہی صرف نام اور سال بتا دیتا ہوں۔



HOPKIN PRIZE 1958ء
ADAM PRIZE 1958ء
ستارہ پاکستان 1959ء
MAXWELL MEDAL 1961ء
HUGHES MEDAL 1964ء
ATOM FOR PEACE PRIZE 1968ء
ROBERT OPPENHEIMER MEDAL 1971ء
GUTHRIE MEDAL 1976ء
NOBEL PRIE 1979ء
EINSTEIN MEDAL 1979ء
نشان امتیاز 1979ء

یہ تمغہ جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے آپ کو پیش کیا۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کی بیسیوں یونیورسٹیوں نے آپ کو اعزازی PHD کی ڈگریوں سے نوازا۔

دوست: میں نے تو کوئی زیادہ سائنس نہیں پڑھی اس لئے ذرا سادہ الفاظ میں مجھے بتائیں کہ پروفیسر عبدالسلام صاحب کو کس تحقیق پر نوبل انعام دیا گیا؟

آصف: اللہ تعالیٰ نے چار بنیادی طاقتیں پیدا فرمائی ہیں جن پر کائنات قائم و دائم ہے۔ اگر ان میں سے ایک طاقت بھی ختم ہو جائے تو کائنات تباہ و برباد ہو جائے۔ یہ طاقتیں ایٹموں میں بھی ہیں اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی طاقت ختم ہو جائے تو دنیا کی ہر زندہ بلکہ مردہ چیز نیست و نابود ہو جائے۔

دوست: آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ ٹوٹ پھوٹ جائے۔ یہ تو غیر معمولی طور پر اہم بات ہے۔ ذرا ان طاقتوں کے نام تو بتائیں۔ آصف: ان طاقتوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ کشش ثقل۔ ۲۔ بجلی و مقناطیسی قوت۔ ۳۔ کمزور طاقت۔ ۴۔ مضبوط طاقت۔ کشش ثقل اور بجلی و مقناطیسی طاقت سے تو کم و بیش ہر شخص واقف ہے۔ کمزور طاقت اور مظبوط طاقت ایٹم کے اندر ہوتی ہے۔

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے کیا ثابت کیا؟ آصف: آپ نے یہ ثابت کیا کہ کمزور طاقت اور بجلی کی طاقت کا منبع ایک ہی ہے. اس کا نام آپ نے ELECTROWEAK FORCE رکھا۔

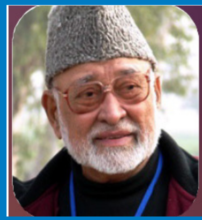
دوست: یہ طاقتیں تو بہت اہم ہیں۔ کیا قرآن مجید میں بھی اس کا کسی رنگ میں ذکر ہے۔

آصف: میں کوئی دینی عالم تو نہیں ہوں لیکن میں بہت ساری مثالیں دے کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کی چار بنیادی صفات یعنی ۱۔ رب العلمین۔ ۲۔ الرحمن۔ ۳۔ الرحیم ۴۔ مالک یوم الدین۔ ان کا تعلق کسی نہ کسی رنگ میں ان چار طاقتوں سے ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی یہ چار بنیادی صفات ہیں پھر بھی وہ اپنی ذات میں واحد ہے۔ اسی طرح اس کی پیدا فرمودہ چار طاقتوں کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی طاقتیں واحدانیت کا اظہار کرتی ہیں۔ یہ امر واقع ہے کہ فزکس کی دنیا میں اسپر لاکھوں سائنس دان تحقیق کر رہے ہیں اس تحقیق کا نام GRAND UNIFICATION OF FUNDAMENTAL FORCES ہے۔



دوست: کیا خیال ہے کہ جب سائنسدان یہ تحقیق کر لیں گے تو انہیں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف توجہ ہوگی۔ آصف: میں اُمید رکھتا ہوں کہ سعید فطرت سائنس دان بالآخر خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ

***



امام بشیر احمد خان رفیق صاحب کی خوشگوار یادیں!



انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب

2015ء میں امام بشیر احمد خان رفیق مرحوم کی کتاب ''خوشگوار یادیں'' میں نے سویڈن میں پڑھی اور وہیں سے میں نے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری لندن کی معرفت انہیں خط لکھا کہ جلسہ پر آرہا ہوں اور آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ جو ایڈریس دیا تھا اس پر میرے جواب پہنچنے سے پہلے ہی آ گیا۔ چنانچہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2015ء سے چند دن قبل میں اپنی بیوی کے ہمراہ ان کے رہائش پر حاضر ہو گیا اور تقریباً دو گھنٹے ان کی صحبت صالحہ سے مستفید ہوا۔

جماعت میں آپ اگرچہ بہت معروف شخصیت کے حامل تھے لیکن 1978ء کی کسر صلیب کانفرنس نے آپ کو بہت نمایاں کر دیا آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے خاص معتمدین میں سے تھے 1970ء میں نصرت جہاں لیپ فارورڈ منصوبہ کا آغاز عملاً لندن سے ہی ہوا آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بہت اچھے سلطانِ نصیر ثابت ہوئے۔ پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے اور سپین کے سفر میں بھی ساتھ تھے۔ مسجد فضل لندن کے ساتھ محمود ہال کی تعمیر اور حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا سدا تمام اخراجات برداشت کرنا ان کے اور خلیفۂ وقت اور آپ کے درمیان ان کی وفات تک سربستہ راز رہا۔ فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان صدر پاکستان کی لندن آمد اور آپ کی ملاقاتیں اور ان کا آپ سے ہر دورے پر استفسار کرنے میں رہتے تھے۔ اور ایک مرتبہ ہر ایک صاحبزادہ نے اپنی تعلیم کا کوئی دنیوی مقصد بتایا اور حضرت مرزا ناصر احمد نے بتایا کہ وہ تو دین کی خدمت کریں گے اس خاتون نے کہا تھا What a waste of time اور جب آپ خلیفہ بن گئے تو وہ خاتون تو حیران ہوئی اور انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ انہوں نے ایسے کیوں کہا تھا۔ کیونکہ آپ کے بلند ارادے عالمی سطح پر آپ کی دین اور دنیوی خدمات پر منتج ہوئے۔ آپ نے یہ ساری باتیں نہایت عقیدت سے سنائیں جو کہ آپ کے خلیفہ وقت کے ساتھ انتہائی محبت اور مروّت اور وفا کی غمازی کرتی ہیں۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے ساتھ آپ کی لمبی رفاقت اور ڈاکٹر عبد السلام صاحب (نوبل انعام) کی باتیں آپ نے بڑے پیار سے سنائیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے 1978ء کو کسرِ صلیب کانفرنس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو عرض کیا تھا کہ بہت سارے انعام لے چکے ہیں لیکن نوبیل انعام نہیں ملا۔ اس کے لئے دعا کی درخواست کی (اور حضور نے دعا کی) اور بتایا کہ اگلے سال نوبیل انعام بھی مل جائے گا چنانچہ 1979ء انہیں نوبیل انعام بھی مل گیا ان کے بیٹے محمود احمد خان کی پیدائش کے سلسلہ میں ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب کا ذکر ہوا (جو کہ میرے خسر تھے) کہنے لگے ان کی دعا سے محمود احمد ہوا اور ان کی خواہش تھی کہ بچے کا نام محمود احمد رکھا جائے چنانچہ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے یہی نام عطا ہوا۔ اور ڈاکٹر صاحب کی خواہش بھی پوری ہو گئی۔ امام بشیر احمد خان رفیق صاحب کی ساری زندگی خدمت دین میں گزری اور آپ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعا کا مظہر لگتے تھے جو حضور علیہ السلام نے اپنی جسمانی (اور روحانی) اولاد کے لئے کی تھی۔

ہیں خوشاں اور فرخندگی سے۔ بچانا سے خدا بدزندگی سے

خدا انہیں نوشہرہ کے ایک گاؤں سے قادیان سے لاہور اور لاہور سے ربوہ لے آیا جہاں انہوں نے کالج اور جامعہ سے ڈگریاں حاصل کیں اور خدا تعالیٰ نے پھر انہیں برطانیہ کے لئے خدمتِ دین کے لئے چن لیا گیا جہاں انہوں نے زندگی کا زیادہ عرصہ گزارا یہیں ریٹائرڈ ہوئے اور اپنی وفات تک اہم قلمی اور لسانی خدمت کی توفیق پاتے رہے اور لندن میں ہی 2016ء گولڈن جوبلی جلسہ سالانہ کے جلد بعد 10/اکتوبر 2016ء اپنے مولیٰ حقیقی کے پاس جا پہنچے اور لندن میں ہی 14/ اکتوبر 2016ء کو جمعہ کے روز بروک وُڈ احمدیہ قبرستان میں قطعہ موصیان میں سپرد خاک ہوئے ہزاروں افراد بیت الفتوح میں آپ کی نماز جنازہ میں شامل ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 21/اکتوبر 2016ء کے خطبہ میں جو مسجد بیت الفتوح لندن میں ارشاد فرمایا آپ کا بڑی محبت سے ذکر خیر فرمایا۔ تقریباً نصف خطبہ آپ کے لئے وقف تھا (دوسرا نصف ڈاکٹر نصرت جہاں صاحبہ بنت مولانا عبد المالک صاحب ناظر اصلاح وارشاد کا ذکر خیر فرمایا تھا) اور نماز جنازہ پڑھائی آپ نہ صرف ایک اچھے مبلغ تھے بلکہ ظاہری لحاظ سے بھی خوبرُو اور بہت اچھی شخصیت، باوقار اور باخدا انسان تھے۔ ساری عمر سادہ

اور باوقار زندگی گزاری، خلافت سے وفا کی اور اپنی قوم اور اگلی نسلوں کے لئے عمدہ نمونہ چھوڑا۔ جب خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تحریک پر احمدی بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی خوبصورت آسان زبان میں ایمان افروز کتب لکھنے اور شائع کرنے کی تحریک فرمائی تو اتفاق سے پہلا مسلمان بچہ سمجھتے ہوئے میں نے صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ محمود احمد شاہد (بنگالی صاحب) کو حضرت علیؓ پر کتاب لکھ کر مسوّدہ بھیج دیا۔ میں اس وقت اسلام آباد پاکستان میں تھا انہی دنوں صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ اسلام آباد آئے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ اسی موضوع پر امام بشیر احمد خان رفیق صاحب نے بھی ایک کتابچہ لکھ کر بھیج دیا ہے۔ بتائیں اب کیا کریں۔ (میاں صاحب اس وقت نائب صدر اور مہتمم اشاعت تھے) میں نے کہا کہ خان صاحب کی کتاب چھاپ دیں۔ ان کے مقابلے میں میری کیا حیثیت ہے لیکن انہوں نے دونوں کے مسوّدے کو جوڑ کر کتاب شائع کر دی۔ سوانح حضرت علیؓ جس پر دو مصنّفین کا نام درج ہے۔ بشیر احمد خان رفیق صاحب، محمود مجیب اصغر اس لحاظ سے آپ کے ساتھ Co-Editor کے طور پر اس چھوٹی سی کتاب کے لئے۔ میرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔

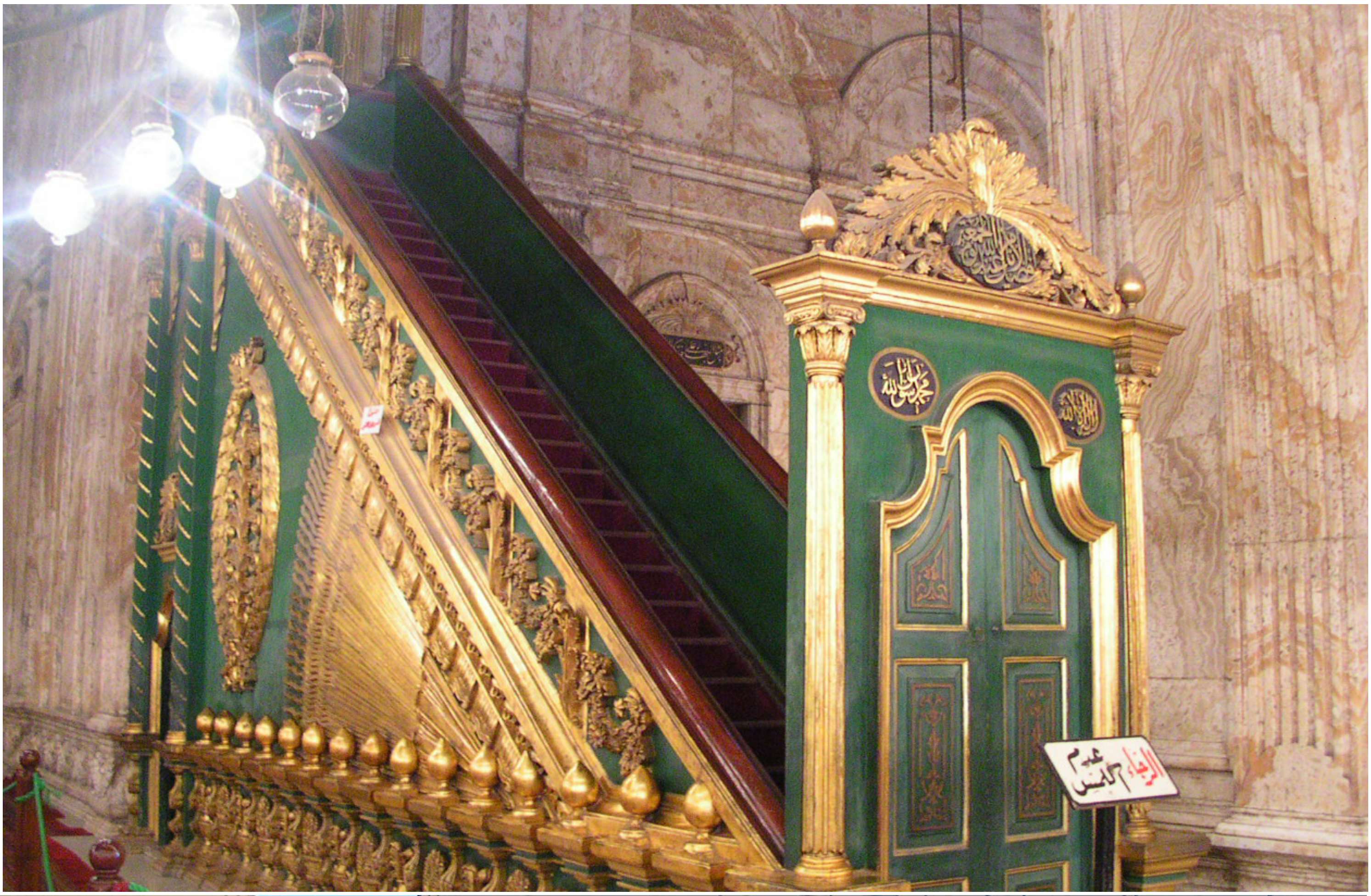
1987ء میں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر مرکز سے خط موصول ہوا جبکہ میں عمان میں Nespak کی طرف سے ایک Road Project پر ریزیڈنٹ انجینئر تھا کہ صد سالہ جوبلی منصوبہ اشاعت کے تحت حضرت نافلۂ موعود خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی سیرت وسوانح تصنیف کرنے کا کام میرے سپرد کیا گیا ہے اور میں نے ایک کمیٹی کی نگرانی میں یہ کام کرنا ہے جس کے ممبر پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب اور صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ہیں۔ اس کے جلد ہی بعد میرا تبادلہ پاکستان ہو گیا میں نے مختلف لوگوں سے اس سلسلہ میں خط وکتابت کی اور بعض واقعات کی تصدیق چاہی اور بعض شخصیات کا تعارف بھجوانے کی درخواست کی۔ اس سلسلہ میں امام بشیر احمد خان رفیق صاحب نے غیر معمولی تعاون فرمایا پہلے انگریز مؤذن بلال نٹّل صاحب کا تعارف اور ان کا واقعہ بتایا کہ مسجد فضل لندن میں حضرت مصلح موعود کی وفات پر انہوں نے حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے خلیفہ منتخب ہونے کا پہلے ہی بتا دیا تھا۔ آپ کے اہل وعیال کا ذکر بھی ہو جانا چاہیے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سلمٰی رفیق صاحبہ نے آپ کے ساتھ بھرپور زندگی گزاری۔ آپ کے نازک اور اہم مفوضہ اُمور میں ہر لحظہ ساتھ دیا اور پورے وقار کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپ کی اولاد دو بیٹے اور تین بیٹیوں پر مشتمل ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ بیٹے۔ مکرم منیر رفیق خان۔ مکرم محمود رفیق خان۔ بیٹیاں۔ محترمہ امتہ الجمیل خان۔ محترمہ امتہ النصیر خان۔ محترمہ بشریٰ مرزا خان۔ امام بشیر احمد خان رفیق صاحب مرحوم کے بارہ میں بہت سی معلومات www.Bashirrafiq.com پر مل سکتی ہیں۔

***

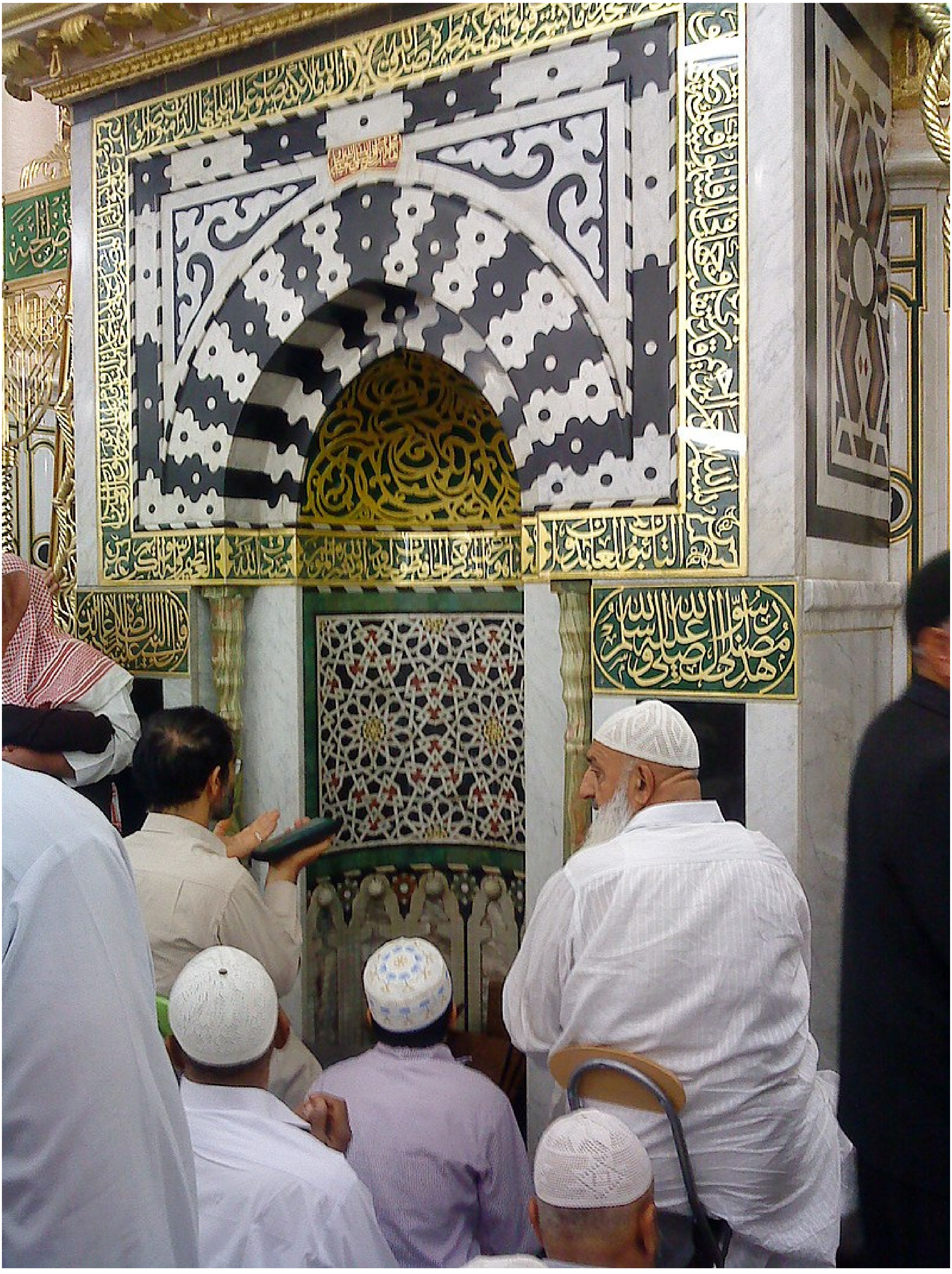


اطہر حفیظ فراز

ہم شگوفے، ہم ہیں کلیاں،ہم ہیں آن سلسلہ
ہم کو سندر کر رہا ہے باغبانِ سلسلہ
قریہ قریہ خوشبوؤں کی پالکی میں بیٹھ کر
پھیلتی ہی جا رہی ہے داستانِ سلسلہ
سادگی میں بانکپن ہے، بانکپن میں سادگی
دم بدم ہیں، تازہ دم ہیں واعظانِ سلسلہ
خود وہ غارت ہو گیا، ٹکڑے فضاء میں اُڑ گئے
جو گرانا چاہتا تھا آشیانِ سلسلہ
کونپلیں ہیں، پھول کلیاں، تتلیاں ہیں چار سو
اے خزاؤں!! آ کے دیکھو گلستانِ سلسلہ
’’اب اسی گلشن میں لوگو!! راحت و آرام ہے "
اک صدی سے کہہ رہے ہیں پاسبانِ سلسلہ
بادشاہوں کو جو دیکھا برکتیں لیتے ہوئے
ہاتھ ملتے جا رہے ہیں دشمنانِ سلسلہ
مشرقی و مغربی اقوام سے آئے ہوئے،
بن رہے ہیں دل ہی دل میں عاشقانِ سلسلہ
بحر و بر سے، جنگلوں سے، پر خطر راہوں سے بھی،
اپنی منزل کو رواں ہے کاروانِ سلسلہ
یہ خدا کا فضل ہے جو ہرطرف ہے روشنی
چاند تاروں سے سجا ہے آسمانِ سلسلہ
روح کو گرما رہے ہیں احمدیت کے خطیب
اور جذبوں کو جگائیں شاعرانِ سلسلہ
میں بھی اس کے خادموں میں ایک خادم ہوں فرازؔ!!
جس کو سونپی جا چکی ہے اب کمانِ سلسلہ


الرجاء
عدم اللمس




هذا مصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم